بسم اللہ الرحمن الرحیم

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالها

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ محمد آیت ۲۴ (القرآن الحکیم)

تفسیر عزیزی

پارہ (۹) قال الملأ

محمد لقیط خان

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے آسان کیا، قرآن سمجھنے کے لئے
سو ہے کوئی جو سوچے سمجھے۔ (القرآن)

تفسیر عزیزی

پارہ (۹) قال الملأ

آسان ترجمہ، بمعہ ضروری توضیح اور تشریحات کے ساتھ

*

ذوقِ قرآن فہمی اُجاگر کرنے کی سمت ایک کوشش

از

محمد لقیط خان

ادارۂ نشریاتِ ولی
18/927 سمن آباد، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی
فون 021-36360656

Marfat.com

۲۹۷۶۱۶
۱۱۵ت
119849

جملہ حقوق محفوظ ہیں

طبع اوّل ...... اکتوبر ۲۰۱۰ء شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

تعداد ...... ایک ہزار

سرورق ...... رشید شاہد

باہتمام ...... سلمان نشیط، عدنان لطیف و برادران

تعاون ...... چوہدری محمد یعقوب

کمپوزنگ...... محمد جاوید اقبال ثاقب

مطبع ...... گلبدین پریس کراچی

ہدیہ ...... ۱۵۰/ ایک سو پچاس روپے صرف

ویب سائٹ......www.Tafseer-e-azizi.com

تقسیم کنندگان

☆ احمد بک سینٹر اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۲۳۴۸۷
☆ ویلکم بک پورٹ اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۹۵۸۱-۲۶۳۳۱۵۱
☆ فضلی بک سپر مارکیٹ اُردو بازار کراچی فون: ۵-۲۶۲۹۷۲۰
☆ رحمٰن بک ہاؤس اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۲۶۷۵۱
☆ دارالاشاعت اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸
☆ علمی کتاب گھر اُردو بازار کراچی فون:
☆ فرید پبلشرز اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۲۰۰۵۷
☆ البلال بک سینٹر اُردو بازار کراچی فون: ۲۶۳۲۲۶۴
☆ البدر بک کارنر اُردو بازار کراچی فون معرفت: ۲۶۳۴۱۴۰
☆ ہلال نیوز ایجنسی، ریگل صدر کراچی
☆ مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاہور فون: ۷۲۲۱۳۹۵-۷۲۲۴۲۲۸
☆ جہانگیر بک ڈپو اُردو بازار کراچی فون: ۷۷۶۵۰۸۶

فہرست مضامین

مضامین آیاتِ مُبارکہ پارہ (۹) قَالَ الْمَلَاُ

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	سُوْرَةُ الْاَعْرَاف (۷) آیت ۸۸تا۲۰۶	
۸۸	قوم کے متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا، جولوگ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، انہیں بستی سے نکال دیں گے یا تم ہماری مِلّت میں شامل ہوجاؤ انہوں نے کہا، کیا تب بھی جبکہ ہم اس سے نفرت کرتے ہیں	۱۳
۸۹	بھلا ہم کیونکر تمہارے دین پر لوٹ آئیں، جبکہ باری تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی، ہمارے رَب کا علم ہر شئے پر محیط ہے ہم نے اپنے رَب پر توکل کیا، اے اللہ! ہماری قوم کے مابین صداقت رحق کے ساتھ فیصلہ کردے تو بہترین فیصلہ صادر کرنے والا ہے۔	۱۳
۹۰	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے منکر سرداروں نے اپنے لوگوں سے کہا، اگر تم حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کروگے تو نقصان اُٹھانے والے ہوجاؤ گے۔	
۹۱	پس اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا اُن کو لرزا دینے والی کپکپی نے آ پکڑا اور صبحدم وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ، پڑے کے پڑے رہ گئے۔	۱۳
۹۲	جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی گویا وہ ایسے ہوگئے جیسے اس بستی میں وہ آباد ہی نہ ہوئے ہوں۔	۱۳
۹۳	وہ اُن کو چھوڑ کر یہ کہہ کر الگ ہوگئے، کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا اور تمہاری خیر خواہی میں شب وروز ایک کردیا، صد افسوس! کہ تم نے خود راہ ہلاکت اختیار کی۔	۱۳
۹۴	ہم نے جس بستی میں رسول بھیجا وہاں کے لوگوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا تاکہ سَرکشی سے باز آجائیں اور ہماری طرف رجوع کریں۔	۱۹
۹۵	پھر ہم نے اُن کے دُکھ کو راحت میں بدل دیا تو وہ کہنے لگے، مُصیبت اور راحت تو ہمارے آباؤاجداد کو بھی پہنچی ہیں۔ پھر ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا، جس کا انہیں گمان تک نہ تھا یعنی وہ بے خبر تھے۔	۱۹
۹۶	اگر یہ بستی والے ایمان لاتے، تقویٰ اپناتے، تو ہم اپنی رحمت اور برکت سے اَرض و سماء کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا اور اپنے کرتوتوں کی پاداش میں عذاب کے مستحق ٹھہرے۔	۱۹
۹۷	کیا بستیوں کے رہنے والے، اس قدر نڈر ہوچکے ہیں کہ ہمارا عذاب راتوں رات آدھمکے اور وہ سوتے ہوئے پڑے رہیں۔	۱۹
۹۸	کیا ان بستیوں کے رہنے والوں کو، اللہ کی امان مل گئی ہے کہ وہ چاشت کے وقت کھیل کود میں مصروف ہوں تو عذاب آجائے۔	۱۹
۹۹	کیا اُن کو اللہ تعالیٰ کی تدبیروں سے نجات مل گئی! اس سے تو صرف وہی لوگ بے خوف ہیں جو تباہ ہونے والے ہیں۔	۱۹
۱۰۰	کیا سبق نہیں ملا اُن کو، جو ملک کے وارث بن گئے، اللہ تعالیٰ چاہے تو گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر ڈالے، اُن کے دلوں پر مُہر ثبت ہوجائے گی پھر وہ کچھ سُن نہیں سکیں گے۔	۲۴
۱۰۱	اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ پرانی بستیوں کی سرگزشتوں کے احوال کا کچھ قصہ سنا رہے ہیں اُن کے پاس اُن	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے، تو وہ اُس کو جھٹلاتے رہے اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر ثبت کر دی۔	۲۴
۱۰۲	ان میں، ہم نے اکثر میں عہد پاسداری نہ پائی ان میں اکثر بے عہد ہی نکلے۔	۲۴
۱۰۳	پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا، لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی برتی، تو دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔	۲۴
۱۰۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ''میں تمام جہانوں کے لیے رب کی طرف سے آیا ہوں''۔	۲۴
۱۰۵	مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں! میں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے روشن نشانیاں لے کر آیا ہوں! تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو۔	۲۴
۱۰۶	فرعون نے کہا: اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو، تو اس کو پیش کرو اگر تم دعویٰ میں سچے ہو!	۲۴
۱۰۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر پھینک ر ڈال دیا وہ اچانک ایک اژدھا بن گیا۔	۲۴
۱۰۸	اور اُنہوں نے اپنا ہاتھ کھینچا تو ہو دفعتاً دیکھنے والوں کے لئے چمکتا ہوا نکلا۔	۲۴
۱۰۹	فرعون کی قوم کے سرداروں نے برملا کہا: یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔	۳۱
۱۱۰	یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے بے دخل کر دے، تو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے	۳۱
۱۱۱	وہ بولے اُس کو اور اُس کے بھائی کو رہنے دو! مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں ہرکاروں (نقیبوں) کو بھیج دیجئے۔	۳۱
۱۱۲	کہ وہ تمام ماہر ساحروں کو آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں۔	۳۱
۱۱۳	جب وہ جادوگر آئے تو انہوں نے کہا اگر ہم غالب رہے تو ہمیں کیا بڑا صلہ ملے گا؟	۳۱
۱۱۴	فرعون نے کہا بلا شبہ تم ہمارے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔	۳۱
۱۱۵	جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: پہلے آپ ابتداء ر پیش کر دیا پھر ہم پیش کرنے والے بنتے ہیں۔	۳۱
۱۱۶	موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم ہی ڈالو، پس جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں پر نظر بندی کر دی، اُن پر دہشت طاری کر دی اور وہ بڑا جادو بنا لائے تھے۔	۳۱
۱۱۷	اور ہم نے اُس وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ تم بھی اپنا عصا ڈالو! سو جونہی عصا کا پھینکنا تھا تو وہ نگلنے لگا جو اس کو گھڑتے تھے۔	۳۱
۱۱۸	پس حق قائم رہ گیا۔ جو وہ کرتے تھے گویا باطل مٹ گیا۔	۳۸
۱۱۹	فرعون اور درباریوں کو یہاں مات ہوگئی اور پھر ذلیل ہو کر الٹے پھر گئے۔	۳۸
۱۲۰	اور جادوگر سربسجود زمین بوس ہو گئے۔	۳۸
۱۲۱	کہنے لگے ہم پروردگار عالم پر ایمان لائے۔	۳۸
۱۲۲	جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی رب ہے۔	۳۸
۱۲۳	فرعون نے کہا یہ میرے حکم سے پہلے اس پر ایمان لے آئے؟ یہ ایک بڑی سازش ہے تاکہ تم اس شہر سے باشندوں کو بے دخل کر دو، سو تم کو ابھی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔	۳۸
۱۲۴	میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا ڈالتا ہوں اور تم سب کو سولی پر پھانسی دے دیتا ہوں۔	
۱۲۵	وہ کہنے لگے ہم کو تو اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر پھر جانا ہے۔	۳۸
۱۲۶	تم ہمارے درپے آزار صرف اس لئے ہو کہ ہم رب جلیل کی آیات پر ایمان لے آئے وہ جب ہمارے پاس آئیں۔ اے اللہ! ہم پر صبر کا فیضان عطا کر اور ہم کو مسلمان کر کے موت دے۔	۴۲
۱۲۷	قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو اس لئے چھوڑتے ہیں کہ وہ ملک	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	میں بدامنی پھیلائیں آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں! فرعون نے کہا ہم بھی اُن کے بیٹوں کو مار ڈالتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے ہیں ہم اُن پر ہر طرح سے حاوی رغالب ہیں۔	۴۳
۱۲۸	موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اور صبر طلب کرو کیونکہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جو اپنے بندوں میں جس کو چاہے وارث بنادے۔	۴۳
۱۲۹	انہوں نے کہا ہم تو آپ کے آنے سے پہلے ستائے گئے اور آپ کے آنے کے بعد میں ایذائیں دی گئیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا توقع ہے تمہارا رب دشمن کو پامال کردے اور تم کو اُن کا جانشین بنائے پھر دیکھے گا تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔	۴۳
۱۳۰	ہم نے آلِ فرعون کو برسوں کی قحط سالی اور پھلوں رمیووں کی پیداوار کی کمی میں مُبتلا کردیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔	۴۶
۱۳۱	پھر جب کبھی فراغ دستی نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو ہمارا حق ہے اور آفت بلاٹوٹ پڑتی ہے تو اُس کو موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں!۔	۴۶
۱۳۲	اور کہتے ہیں کہ خواہ تم کیسی ہی نشانیاں ہمیں مسحور کرنے کے لئے لاؤ! ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں!	۴۶
۱۳۳	ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈی دل کا، مینڈک، جوئیں اور لہو کا، کھلی کھلی نشانیاں بنا کر، انہوں نے تکبر کیا، یہ مجرم لوگ تھے روہ ایک نافرمان قوم تھی۔	۴۶
۱۳۴	جب ان پر عذاب آتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگتے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہم سے عذاب دُور کردے ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ علیہ السلام کے ہمراہ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے۔	۴۶
۱۳۵	جب ہم اُن سے وہ عذاب ایک وقت تک کہ جس گھڑی تک اُن کا پہنچنا تھا نال دیتے تو وہ فی الفور	
	عہد شکنی کرنے لگتے۔	۴۶
۱۳۶	بالآخر ہم نے اُن کے جُرم کی سزا دے کر اُن کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا انہیں سمندر میں ڈبو دیا اس لئے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کی تکذیب کی اور اس سے بے پرواہ بنے رہے۔	۴۶
۱۳۷	جس قوم کو حقیر تصور کیا گیا ہم نے اُن کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث ٹھہرایا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں، رب کا فرمان بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا، اس لئے وہ ثابت قدم رہے قوم فرعون پر غرق کے علاوہ بھی تباہی آئی جس سے ان کے شہر اور باغ اجڑ گئے۔	۵۱
۱۳۸	جب بنی اسرائیل کو سمندر میں اتار دیا، تو اُن کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو کہ اپنے بتوں کی پرستش میں لگے تھے، بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسا کہ ان کے لئے معبود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔	۵۱
۱۳۹	یہ بت پرست جس میں لگے ہوئے ہیں وہ خود غلط ہے اور جو کچھ یہ کررہے ہیں وہ سب باطل ہے۔	۵۱
۱۴۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں! حالانکہ اُس نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے۔	۵۱
۱۴۱	یاد کرو، جب ہم نے تم کو فرعون سے نجات دی، جو تم کو عذاب میں ڈالتے اور تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے، اس میں رب کی طرف سے تمہارے لئے بڑی ہی آزمائش تھی۔	۵۱
۱۴۲	موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ پورا ہوا، انہوں نے اپنے بھائی ہارون کو جانشین مقرر کیا کہا اصلاح کرنا اور مفسدوں کی راہ نہ اختیار کرنا۔	۵۶
۱۴۳	جب موسیٰ علیہ السلام وقت مقررہ پر حاضر ہوئے تو رب تعالیٰ سے شرف ہمکلامی سے سرفراز ہوئے، پھر تجلی دیکھنے	

آیت نمبر	خلاصۂ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کی طلب ہوئی فرمایا گیا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے، جب اُن کے ربّ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر گئے ہوش آنے پر توبہ کی کہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہوں۔	۵۶
۱۴۴	فرمایا اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر تم کو فضیلت بخشی اسے لے کر پا کر شکر بجالاؤ۔	۵۶
۱۴۵	ہم نے موسیٰ کو تختیوں پر ہر چیز کی نصیحت رہدایت اور تفصیل تحریر کر دی، اور کہا کہ پس اس کو مضبوطی سے پکڑو اور قوم کو حکم دو کہ ان پر عمل کریں عنقریب تم کو نافرمانوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا۔	۵۶
۱۴۶	سرکش اور متکبر لوگ ان سب نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے، گمراہی کی راہ نے انہیں غفلت میں ڈال دیا ہے۔	۵۷
۱۴۷	جنہوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات سے اعراض کیا، اُن کے سب اعمال اکارت گئے، وہ بدلہ تو اُس کا پائیں گے جو کیا کرتے تھے۔	۵۷
۱۴۸	جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو اُن کی قوم نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا حالانکہ نہ تو وہ گفتگو کر سکتا تھا اور نہ رہنمائی کر سکتا تھا جس کی بیل جیسی آواز تھی انہوں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔	۶۲
۱۴۹	پھر کفِ افسوس ملنے لگے! شرمندہ ہوئے تو احساس ہوا کہ ہم گمراہی میں پڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔	۶۲
۱۵۰	جب موسیٰ علیہ السلام رنج و ناراضگی کے عالم میں اپنی قوم کی طرف لوٹے تو افسوس کرتے ہوئے کہا تم نے کس قدر غلط طور پر میری جانشینی کی، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی جلد بازی کر دی؟ انہوں نے تختیاں پھینک کر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے باز پرس کی، ہارون علیہ السلام نے اپنی مجبوری و بے بسی کا اظہار کیا۔	۶۲
۱۵۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے، ہمیں اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے تو ہی بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔	۶۲
۱۵۲	بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اُن پر اللہ تعالیٰ کا غضب لاحق ہوگا دنیا کی ذلت و رسوائی ہوگی ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔	۶۶
۱۵۳	جنہوں نے بُرائی کا ارتکاب کیا پھر توبہ کی، اور ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد رحم کرنے والا ہے۔	۶۶
۱۵۴	جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو تختیوں کو اُٹھا لیا اُن تختیوں پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت تحریر تھی۔	۶۶
۱۵۵	موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر (۷۰) افراد کو وقت مقررہ کے لئے منتخب کیا کہ وہ قوم کی طرف سے میثاق کریں گے کہ آئندہ شرک نہ کریں گے پھر جب زلزلہ نے آلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ! تو چاہتا تو پہلے ہی اُن کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا، جس کے مرتکب ہمارے اندر کے بے وقوف ہوئے، پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات ملی۔	۶۶
۱۵۶	اے اللہ! اس دنیا میں ہمارے نام بہتری لکھ اور آخرت میں بھی! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں جسے چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے بشرطیکہ لوگ برائیوں سے اجتناب کریں، زکوٰۃ کی ادائیگی کریں اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں۔	۶۶
۱۵۷	جب رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں گے جن کے ظہورِ قدسی کی خبر وہ پہلی کتب سماوی میں لکھی پائیں گے جو نیکی کا حکم دے گا بُرائی سے روکے گا، پاک چیزیں اُن کے لئے حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا، جو کوئی ان پر ایمان لائے گا	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصۂ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔	۷۲
۱۵۸	اے نبی (ﷺ) کہہ دیجئے! کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، زمین و آسمان پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! اس پر ایمان لاؤ! اس کے رسول اُمّی ﷺ کی اتباع کرو تاکہ کامرانی کی راہ کھل جائے۔	۷۳
۱۵۹	موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتا ہے جو صداقت کی راہ پر چلتا ہے۔	۷۳
۱۶۰	بنی اسرائیل سے ہم نے بارہ قبیلے الگ الگ کر دیئے قوم نے جب پانی طلب کیا تو یہ وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، پھر اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ایک کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہو گیا۔ ان پر بدلیوں کا سایہ کیا، ان پر من و سلویٰ اتارا، پاک چیزیں کھانے کا حکم دیا، وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔	۷۳
۱۶۱	پھر بنی اسرائیل کو کہا اس بستی میں رہو جہاں سے چاہو کھاؤ توبہ استغفار کرتے رہو، اس کے دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے جانا تمہارے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔	۷۳
۱۶۲	لیکن وہ ظالم و سرکش تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات بدل دی، اُن کی بدکاریوں کے سبب آسمان سے ایک بڑی بلا ہم نے نازل کر دی	
۱۶۳	ہفتہ رسنیچر کے دن مچھلی کے شکار کی بنی اسرائیل کو ممانعت تھی اُن کا امتحان تھا، لیکن ایک گروہ، اس سے باز نہیں آیا، وہ سبت کے امتحان میں ناکام ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت کر دی۔	۷۷
۱۶۴	دوسرا گروہ انہیں روکتا رہا، تیسرا گروہ روکنے والوں کو منع کرتا رہا، تمہارا منع کرنا بے سود ہے وہ باز نہیں آئیں گے انہوں نے کہا ہم اس لئے روکتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ جائیں۔	۷۷
۱۶۵	پھر انہوں نے بھلا دیں وہ تمام پند و نصیحت جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور اُن لوگوں کو نجات دی جو بُرائی سے روکتے تھے باقی سب کو نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں پکڑ لیا۔	۷۷
۱۶۶	پھر جبکہ وہ نصیحت ربات جس سے انہیں منع کیا گیا تھا باز نہ آئے تو حُکم کر دیا کہ پھٹکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔	۷۷
۱۶۷	جب آپ کے رَبّ نے فیصلہ کیا اُن پر قیامت تک ایسے لوگ مُسلّط کرتا رہے گا جو اُن کو سخت عذاب ر تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ بے شک رب جلد پاداش دینے والا اور معاف کرنے والا نہایت مہربان بھی ہے۔	۷۷
۱۶۸	ہم نے ان کو گروہ در گروہ کر کے زمین میں مُنتشر کر دیا ان میں کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ ان میں دوسری طرح کے، ہم نے انکو نعمتوں اور سختیوں سے آزمایا تاکہ وہ رجوع کریں۔	۷۷
۱۶۹	اُن کے بعد ایسے ناخلف رنااہل کتاب کے وارث بنے اور دنیا پرستی میں مُبتلا ہوئے اور اپنے ہی اختراع کئے ہوئے سہاروں پر اعتماد کرنے لگے۔ میثاق اور قانون باری تعالیٰ کو توڑ کر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ضرور مغفرت ہو جائے گی کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت حق کے سوا اور کچھ نہ کہیں گے؟ نجات تو دراصل متقیوں کے لئے ہے۔	۷۸
۱۷۰	جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامے ہوتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں ہم بھی نیکوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔	۷۸
۱۷۱	اور جب ہم نے بنی اسرائیل پر سائبان کی طرح	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصۂ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	پہاڑ اٹھایا انہیں گمان ہوا کہ وہ اُن پر ہی آپڑا، پھر وعدہ لیا، اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، اس کے مطابق عمل کرو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہو گے۔	۷۸
۱۷۲	اے نبی (ﷺ)! اورلوگوں کو یاد دلاؤ جب آپ کے ربّ نے بنی آدم کی پُشت سے ان کی اولاد کو باہر نکالا اور انہیں ان پر گواہ بنا کر کہا کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ سب نے کہاہاں!" تا کہ اتمام حجت ہوجائے"۔	۸۲
۱۷۳	یہ عذر نہ کرنا کہ ہمیں دعوت توحید نہیں ملی، ہمارے آباؤاجداد نے پہلے سے شرک کیا انہوں نے ہی ہمیں شرک سکھایا تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں تو ہم کو ہلاک کرے گا۔	۸۲
۱۷۴	اور ہم یوں ہی اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ اُن پر حجت قائم ہوجائے اور وہ رجوع کریں۔	۸۲
۱۷۵	اور اُن کو سرگزشت سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں سووہ اُن سے نکل بھاگا، سوشیطان ان کے پیچھے پڑگیا، سووہ گُمراہوں میں سے ہوگیا۔	۸۲
۱۷۶	اگر ہم چاہتے تو اُن کو اِن آیات کی برکت سے بلند مرتبہ کرتے لیکن وہ خود ہی پستی کی طرف مائل ہوگیا اپنی خواہش پر چلا ایسی مثال کتے کی سی ہے اگر تم اس کو دھتکار وتب بھی زبان نکالے رکھتا ہے اور یوں ہی چھوڑتے تو بھی......؟ کیا ہی بُری تمثیل ہے ان لوگوں کی (اہلِ مکّہ) کی جنہوں نے ہماری آیات کو دانستہ جھٹلایا ان کو سرگزشت سناؤ تا کہ وہ غور کریں۔	۸۲
۱۷۷	جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، انہوں نے اپنا نقصان کیا ران کی خالت بُری ہے۔	۸۷
۱۷۸	جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرتا ہے وہی ہدایت پانے والا بنتا ہے اور جن کو گُمراہ کرے تو وہی تباہ کار ہے۔	۸۷
۱۷۹	ہم نے بہت سے جن وانس جہنّم کے لئے پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں! ان کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اُن کے کان ہیں، جن سے وہ سنتے نہیں، وہ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر، یہی ہیں وہ بے خبر۔	۸۷
۱۸۰	اللہ تعالیٰ کے سب ہی نام اچھے ہیں سو اُن کو انہیں سے پکارو، جو اس کی صفات میں کج روی برتتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیئے کا بدلہ پالیں گے۔	۸۷
۱۸۱	ہماری مخلوقات میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی راہنمائی کرتا ہے وہ گروہ معرفت حق سے سرشار ہوکر صداقت کی راہ دکھاتا ہے اور انصاف کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔	۸۷
۱۸۲	اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، ہم اُن کو ٹھہر ٹھہر کر ایسا پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔	۹۱
۱۸۳	ہم اُن کو ڈھیل دیتے جاتے ہیں کیونکہ ہماری تدبیر بہت ہی مستحکم ہے۔	۹۱
۱۸۴	کیا انہوں نے اس بات پر تفکر نہیں کیا، کہ اُن کا نبی صاحب، دیوانہ نہیں! وہ تو محض صاف واضح طور پر ڈرسنانے والا ہے۔	۹۱
۱۸۵	کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی شے کی طرف نگاہ نہیں کی! کیا انہوں نے غور وفکر نہیں کیا کائنات کے مشاہدہ پر، شاید اُن کی اجل قریب آگئی ہو، موت کی مدت پوری ہونے کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔	۹۱
۱۸۶	جس کو باری تعالیٰ گُمراہ کردے، تو پھر اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں یا وہ ان کو اُن کی سرکشی میں ہی سرگرداں چھوڑے رکھتا ہے۔	۹۱
۱۸۷	یہ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں قیامت کا وقت کب مقرر ہے، کہہ دیجئے وقت کا علم تو اللہ تعالیٰ	

آیت نمبر	خلاصۂ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کو ہے وہ بھاری حادثہ ہے اچانک ہی آجائے گی لیکن اکثر ان کی بات کو نہیں جانتے۔	۹۴
۱۸۸	آپ ﷺ کہہ دیجئے میں اپنے لئے بھی، نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر اس قدر کہ جتنا اللہ چاہے، غیب داں ہوتا تو، نفع حاصل کر لیتا، میں تو نذیر اور بشیر ہوں، اِس قوم کے لئے جو ایمان لائے۔	۹۴
۱۸۹	وہی اللہ ہے جس نے سب کو ایک جان سے تخلیق کیا، پھر اس سے اس کی بیوی پیدا کی، تاکہ اس کے پاس آکر اس سے تسکین پائے پھر جب وہ اُس سے لپٹ جاتا ہے تو حمل قرار پاتا ہے، پھر دونوں اپنے رَبّ سے دعا کرتے ہیں اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد بخشی تو تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔	۹۶
۱۹۰	جب اللہ تعالیٰ انہیں تندرست اولاد دیتا ہے تو اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اللہ تعالیٰ برتر ہے اِن چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ پاک ہے اُن کے شرک سے۔	۹۶
۱۹۱	کیا وہ ان کو حصہ دار بناتے ہیں، وہ کچھ بھی تو پیدا نہیں کرسکتے، بلکہ وہ خود مخلوق ہیں ربلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔	۹۶
۱۹۲	ان میں نہ تو اتنی صلاحیت ہے رطاقت ہے کہ خود اپنی مدد کریں اور نہ کسی اور کی مدد کرسکیں۔	۹۶
۱۹۳	اگر تم اُن کو راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری نہ سنیں گے تو تم کو یکساں ہے خواہ تم ان کو پُکارو یا چپ رہو۔	۹۶
۱۹۴	جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پُکارتے ہو، وہ بھی تو تم جیسے بندے ہیں وہ تمہاری کسی پُکار کا جواب نہیں دے سکتے،	۹۶
۱۹۵	کیا ان کے پاؤں ہیں جس سے وہ چلتے ہیں، کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں، کیا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں کیا اُن کے کان ہیں جس سے وہ سنتے ہیں، کہہ دیجئے! تم اپنے شریکوں کو بلاؤ پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔	۱۰۰
۱۹۶	میرا تو ایک اللہ ہی کارساز ہے جس نے کتاب اتاری، وہی نیک بختوں کی مدد کیا کرتا ہے۔	۱۰۰
۱۹۷	جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پُکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کرسکتے ہیں اور نہ خود ہی اپنی مدد کے قابل ہیں۔	۱۰۰
۱۹۸	اگر تم اُن مشرکین کو راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری بات نہ سنیں گے اور آپ (ﷺ) ان کو اپنی جانب تکتے ہوئے دیکھتے ہو! حالانکہ اُن کو تو کچھ نہیں سوجھتا۔	۱۰۰
۱۹۹	نیکی کا حکم صادر کرو! آپ انہی سے درگذر کرو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔	۱۰۰
۲۰۰	اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آجائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے۔	۱۰۳
۲۰۱	متقی لوگوں کو جب کبھی شیطانی خیال بھی چھو جائے تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ اسی وقت راہ راست دیکھنے لگتے ہیں۔	۱۰۳
۲۰۲	جو لوگ ایمان اور تقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں وہ شیطان کے تابع ہیں، وہ اُن کو گمراہی میں مُبتلا کئے جاتے ہیں پھر گمراہی بڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔	۱۰۳
۲۰۳	جب اُن کے پاس آپ ﷺ کوئی آیت نہیں لاتے تو ان کا کہنا ہوتا کیوں کوئی آیت نہ گھڑ لائے! آپ ﷺ کہہ دیجئے! میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ کو میرے رَبّ کی طرف سے وحی کیا گیا۔	۱۰۳
۲۰۴	مسلمانو! جب قرآن پڑھا جائے تو پوری توجہ سے	

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	سنو! اور خاموشی اختیار کروتا کہ تم پر رحم کیا جائے۔	۱۰۳
۲۰۵	صبح وشام اپنے اللہ کو دل میں گڑگڑا کر، عاجزی اور خوف کے ساتھ پست آواز کے ساتھ یاد کرو اور غافل نہ ہوجایا کرو۔	۱۰۳
۲۰۶	بے شک جو آپ کے رب کے پاس ہیں اس کی بندگی رعبادت سے سرتابی نہیں کرتے، اُس کی ہی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کو ہی سجدہ کیا کرتے ہیں۔	۱۰۳
	سورۃ الانفال ۸، آیات ۱ تا ۷۵	
۱	اے رسول (ﷺ)! لوگ مال غنیمت کے بابت دریافت کرتے ہیں یہ مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہے اپنے باہمی معاملات کی اصلاح رکھو اور سچے مؤمن ہو اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔	۱۰۷
۲	مؤمن تو وہی ہیں جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل کانپ اُٹھتے ہیں آیات سننے کے بعد ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے وہی اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔	۱۰۷
۳	وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے دیتے ہیں۔	۱۰۷
۴	وہ سچے ایمان والے ہیں اُن کے لئے رب کے پاس درجات ہیں مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔	۱۰۷
۵	جس طرح اللہ تعالیٰ نے سچائی کے ساتھ آپ کو گھر سے نکالا، مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔	۱۰۷
۶	حکمت کے ساتھ حق ظاہر ہونے کے بعد بھی وہ آپ سے ایسا جھگڑ رہے تھے، گویا وہ موت کی آغوش میں ہانکے جارہے ہیں اور وہ اُس کو بھی دیکھ رہے ہیں۔	۱۱۲
۷	اللہ تعالیٰ جبکہ دو چیزوں میں سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ یہ تم کو ملے گی لیکن تم قافلے والوں سے آمادہ	
	جنگ تھے، لیکن باری تعالیٰ نے یہ چاہا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کردے اور دشمنان حق کی جڑ کاٹ دے۔	۱۱۲
۸	یہ اس لئے امر لازمی تھا، کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ہونا ثابت کردے، اور مجرم خواہ بُرا منائے یا مانا کرے۔	۱۱۲
۹	جب تم نے اپنے رب سے فریاد کی، تو وہ اللہ تعالیٰ نے سن لی اور کہا ایک ہزار فرشتے تمہاری کمک پر بھیجنے والا ہوں جو تمہاری مدد کو لگا تار چلے آئیں گے۔	۱۱۲
۱۰	یہ نوید بشارت اس لئے ہوئی، کہ دل کو قرار آجائے ورنہ مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے وہ زبردست حکمت والا ہے۔	۱۱۲
۱۱	پھر اللہ تسکین دینے کے لئے تم پر اُونگھ طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم پاک ہوجاؤ اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کردے اور تمہارے قلب کو مضبوط کردے اس سے تمہارے قدم جمائے۔	۱۱۵
۱۲	جبکہ آپ (ﷺ) کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ایمان والوں کو جمائے رکھو! میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، سو تم اُن کی گردنوں پر مارو، اور اُن کے ایک ایک جوڑ پر ضرب پہنچاؤ۔	۱۱۵
۱۳	یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے کو اُٹھے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کے لئے سخت پاداش والا ہے۔	۱۱۵
۱۴	اے دشمنانِ حق! سو یہ سزا چکھو! یہ سزا دنیا کی ہے آخرت میں آتشِ جہنم کا عذاب بھی ہوگا۔	۱۱۵
۱۵	اے ایمان والو! جب تمہارا کفار سے میدانِ	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصۂ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کارزار میں مقابلہ رمڈھ بھیڑ ہو جائے تو اُن کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔	۱۱۵
۱۶	اور جو کوئی ایسے موقع پر پیٹھ دکھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے	۱۱۸
۱۷	پس تم لوگوں نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا! اے حبیب ﷺ! جب آپ نے اُن پر مشت خاک پھینکی تو (درحقیقت) یہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی بہتر انداز میں آزمائش کر سکے اللہ تعالیٰ خُوب سننے والا اور جاننے والا ہے	۱۱۸
۱۸	یہ جو کچھ ہوا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو تو کافروں کا فریب بگاڑنا تھا رکافروں کی مخفی تدبیروں کو کمزور کرنا تھا۔	۱۱۸
۱۹	اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو اے کافرو! تمہارے لئے فیصلہ آ گیا اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے اگر تم مدد کرو گے تو پھر ہم بھی مدد کریں گے تم کو تمہاری فوج رجمعیت کوئی کام نہیں آئے گی بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔	۱۱۸
۲۰	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرو اُن کو سن کر منہ مت پھیر لیا کرو ر سنتے جانتے رُوگردانی مت کرو۔	۱۲۱
۲۱	اِن لوگوں کی رَوش پر نہ چلو جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ سنتے نہیں ہیں؟۔	۱۲۱
۲۲	اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور یہ مُنکرین ہیں، جو اندھے، بہرے، گونگے لوگ ہیں جو کچھ بھی عقل وشعور نہیں رکھتے!۔	۱۲۱
۲۳	اگر باری تعالیٰ ان میں کچھ بہتری جانتا تو اُن کو سنائی دیتا، اگر وہ سن بھی لیتے تو اعراض کرتے ہوئے مُنہ موڑ کر الٹے پھر جاتے۔	۱۲۱
۲۴	اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا کہا مانو، جب تم کو دعوت دی جائے حیاتِ جاودانی عطا کرنے کی، اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے ارادہ ودِل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے۔ یاد رہے کہ تم اُسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔	۱۲۱
۲۵	اِس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو! جو تم میں سے صرف خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا بلکہ عام ہوگا۔ جان رکھو! اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔	۱۲۱
۲۶	یاد رکھو! جب تم سرزمینِ مُقدس میں کم تھے، مغلوب تھے، خوف تھا کہ لوگ اُچک نہ لیں، باری تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی۔ اور فتح سے ہمکنار کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں جگہ دی اور اچھا رزق دیا تا کہ تم شکر گزار بنو۔	۱۲۱
۲۷	اے اہلِ ایمان! جو فرض تم پر عائد کیا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ خیانت نہ کرو! حالانکہ تم خوب جانتے ہو خیانت بُری چیز ہے۔	۱۲۱
۲۸	اِس بات پر دھیان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور یہ بھی ہے کہ اللہ کے پاس اس کا بڑا اجر ہے۔	۱۲۲
۲۹	اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو! وہ تمہیں نصرت دے گا، تمہاری برائیاں دُور کر دے گا، مَغفرت کرے گا اللہ فضل کرنے والا ہے۔	۱۲۹
۳۰	اے نبیؐ یاد کرو! جب کفار مکہ خفیہ تدبیر رسازش کرتے تھے کہ آپ کو گرفتار کریں، قتل کریں یا جلاوطن کریں تو باری تعالیٰ بھی تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے بہتر تدبیر کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟	۱۲۹
۳۱	جب اُن کو آیاتِ ربانی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں اچھا بھئی! سن لیا! ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ	

Marfat.com

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	سکتے ہیں، یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔	۱۲۹
۳۲	جب کفار مکہ نے کہا اے اللہ! اگر یہی امر حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، ہم پر عذاب الیم بھیج۔	۱۲۹
۳۳	اللہ تعالیٰ تو ایسا نہیں! آپ ﷺ ان میں موجود بھی ہوں، اور اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دے، جب لوگ معافی طلب کررہے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دینے والا نہیں۔	۱۲۹
۳۴	اب باری تعالیٰ اُن کو کیوں نہ گرفتار عذاب کرے جبکہ وہ مسجد الحرام سے لوگوں کو روکتے ہیں یہ اس کے متولی بھی نہیں، اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں لیکن اکثر اس حقیقت سے آگاہی نہیں رکھتے۔	۱۳۴
۳۵	بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا اُن کی نماز ہی کیا تھی، یوم قیامت ان سے کہا جائے گا اپنے کفر کے بدلے عذاب چکھو۔	۱۳۴
۳۶	کافر تو اپنا مال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لئے صرف کررہے ہیں یہ مال کا خرچ کرنا اُن	

آیت نمبر	خلاصہ مضامین رمتن	صفحہ نمبر
	کے لئے باعث ندامت وحسرت یاس ہوگا کفر کرنے والے جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔	۱۳۴
۳۷	اللہ تعالیٰ ناپاک رخبیث کو پاک سے جدا کردے گا اور بعض ناپاک کو بعض سے یکجا کردے گا یوم قیامت اُن کو پھر آتش جہنم میں ڈال دے گا۔	۱۳۴
۳۸	اِن کفر کرنے والوں سے کہہ دیا جائے اگر یہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا ہے، اُن کی تمام خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا اگر باز نہ آئیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح اُن پر بھی عذاب نازل ہوگا۔	۱۳۴
۳۹	اب ان سے اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ کی جڑ رکفر باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہوجائے، اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور کوئی دین باقی نہ رہے پس وہ باز آجائیں تو باری تعالیٰ اُن کے کام دیکھ رہا ہے۔	۱۳۴
۴۰	یاد رکھنے کی بات ہے اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز ہے اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔	۱۳۴
	.... دل ہائے مَن پذیر	۱۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

Marfat.com

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝۸۸

کہنے لگے حضرت شعیب علیہ السلام سے! ان کی قوم کے فخر وتکبر کرنے والے سردار، ہم آپ علیہ السلام کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان لائے ہیں اُن کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا "کیا ہم بیزار ہوں تب بھی"۔ (۸۸)

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹

بے شک ہم تو باری تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہاری ملت / مذہب پر پلٹ آئیں جب کہ باری تعالیٰ ہم کو اس سے نجات دے چکا ہے۔ اب ہمارے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ ہم لوٹ آئیں۔ الا یہ کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو اور بات ہے ہمارے ربّ کا علم ہر شے کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا۔ اے ہمارے پروردگار! فیصلہ صادر کردے حق / انصاف کے ساتھ ہماری قوم اور ہمارے مابین اور تو تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۹)

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۹۰

اور کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے۔ اُن کی قوم سے اگر تم نے شعیب علیہ السلام کی اتباع قبول کرلی تو یقینی طور پر خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ (۹۰)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۹۱

پس یوں ہوا کہ ایک سخت زلزلے نے انہیں پکڑ لیا اور صبحدم وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ (۹۱)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۲

انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وہ برباد ہوگئے گویا ایسے مٹے کہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے۔ (۹۲)

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۹۳

پس حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے اے میری قوم کے لوگو! بے شک میں نے تمہیں اپنے ربّ کے احکامات / پیغامات تم تک پہنچا دیئے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ اب اس کافر قوم کے ہولناک انجام پر افسوس کرنے سے بھی یہ حاصل! (۹۳)

Marfat.com

الفاظ معانی آیت ۸۸ تا ۹۳

﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ کہا سرداروں نے اپنے تکبّر، فخر و گھمنڈ میں (خدا کی عبادت میں) قوم شعیب علیہ السلام سے انکارِ دعوت کے بعد۔ ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ﴾ (تو انہوں نے گستاخانہ انداز اور لہجہ میں کہا) اے شعیبؑ ہم آپ کو اور اُنہیں بھی جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں نکال دیں گے۔ ﴿مِنْ قَرْيَتِنَآ﴾ اپنی بستی سے۔ ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ یا تم ہمارے دین میں آجاؤ، جب کافروں نے کہا کہ آپ علیہ السلام کو ہم اور لوگوں کے ساتھ نکال دیں گے جو ایمان لائے ہیں تو جمع کیا سب کو با ہم حضرت شعیب علیہ السلام نے۔ (بحوالہ کشاف)

﴿قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا ہم تمہارا دین قبول نہیں کریں گے اگر تم نے راہِ جبر اختیار کی تب بھی ہم نہ مانیں گے، مُشرکین کا ہمیشہ وطیرہ اور طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ اپنا طریقہ منوانے کے لئے دھمکیوں سے کام لیتے ہیں جبکہ توحید کی دعوت دینے والے کبھی کسی پر جبر اور دباؤ سے اپنا دین غالب نہیں کرتے، بلکہ درست راستہ کی سمت دعوتِ حق دیتے رہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت، تلقینِ عمل سراپا اظہارِ حقیقت کی آئینہ دار تھی اس میں صداقت اور جرأت کا نور عیاں تھا۔ ایک ایک لفظ شفقت اور اخلاص سے پُر تھا اخلاص کا عُنصر نمایاں تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آپ علیہ السلام کا پیغامِ حق سُننے کے بعد اُن کے آئینۂ دل منوّر ہو جاتے اور اُن کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک ہو جاتا لیکن ان کا آئینۂ قلب و نظر مسلسل سرکشی اور سرتابی کے سبب آلودہ ہو چکا تھا، باطل کا ہمیشہ یہی طرزِ عمل رہا ہے کہ دلیل و مہربانی سے شکست خوردہ ہو کر حق کو اپنی قوتِ بازو سے کچلنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اِن لوگوں نے تہذیب و تمدّن کے تقاضے اور پاسِ ادب کے آداب سے بے نیاز ہو کر برملا دھمکی دینے کے انداز میں کہا کہ اگر آپ نے ہماری بات کو تسلیم نہیں کیا تو تارکِ وطن کر دیا جائے گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا اب ہمیں اس قدر بھی ایسا نہ سمجھو کہ جامِ ظہورِ توحید کی لذّت سے سرشار ہو کر ہم بھی ظُلمت و کُفر و شرک کی راہ اختیار کر لیں۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں! ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا﴾ تحقیق ہم نے بُہتان باندھ لیا۔ اِفْتِرَاءٌ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع متکلم قواعد کے مطابق۔

﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ خدا پر جھوٹ، ''وسیط'' میں تحریر ہے کہ ''حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا عندیہ یہ تھا کہ باری تعالیٰ نے اُنہیں حکم کیا ہے کہ اُس طریقہ پر رہو اور اسی جہت سے اُسے ملت کہتے ہیں۔ پس حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری ملت کی طرف پھر آنا اور یہ اعتقاد کر لینا کہ اس ملت پر رہنے کا وعدہ اللہ جل جلالہ نے کیا ہے یہ افتراء ہو جائے گا۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

حق کے داعی اور مُنکرینِ حق کے مابین یہی بات تو سبب نزاع رہی ہے کہ ہمارا قلب جس راہ کو حق سمجھتا ہے ہم اس پر ایمان رکھیں گے، دوسرے فریق کا یہ استدلال کہ نہیں ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے۔ ''انسانی شرف و فضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ ہماری رسائی تو اسلام کے چشمۂ صافی تک ہو گئی ہے''

(بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ اگر پھر آئیں ہم یعنی میری قوم جو مؤمن ہے وہ پھر آئے اور داخل ہوں تمہاری ملت، دین

Marfat.com

میں۔ ﴿عُدْنَا﴾ ہم نے پھر کیا/دوبارہ کیا عَوْدٌ سے فعل ماضی جمع متکلم کا صیغہ قواعد کے مطابق۔

﴿مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ یعنی ہم تمہارے مذہب میں کوئی وجہ نہیں لوٹ آئیں بجز اس کے کہ ہمارے رَبّ کی ہی مَشیت اور ارادہ ہماری گمراہی کا ہو جائے ﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ اور ہمارے رَبّ کا علم ہر شے پر محیط ہے، علمِ قدیم کی رُو سے یعنی اس کے علم نے سب چیزیں گھیر لی ہیں اور سب کا انجام کار وہ جانتا ہے کہ ایمان ہے یا کُفر اور مُرتَد ہو جانا یا نہ ہو جانا یا اس کے سِوا کچھ ہے جو تم مؤمنوں کو نکال دینے کی دھمکی دیتے ہو اِس سے میں گھبراتا اور مُضطرب نہیں ہوتا ہوں۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

﴿عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اور ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھ بھروسہ کیا ہے ہم نے اور اپنا کے کام اس پر چھوڑ دیا، پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے معاندین کی طرف سے مُنہ پھیر لیا، پھر وہ مُجیب الدعوات سے مناجات کرنے میں مُتوجہ ہوئے۔

"اس میں عجز و وصف کا اظہار اور اللہ پر توکّل وتفویض ہے جو کمالات نبوّت میں سے ہے، ہم کیا ہیں جو کسی کام کے کرنے یا اس سے بچنے کا دعویٰ کر سکیں، کسی نیکی کا کرنا یا بُرائی سے بچنا سب اللہ ہی کے فضل سے ہے"۔ (بحوالہ معارفُ القرآن جلد سوئم از مفتی محمد شفیعؒ)

قوم کے پرغُرور سرداروں سے ہمکلامی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کو احساس ہوا کہ ان لوگوں پر کسی بات کا کچھ بھی تو اثر نہیں ہوتا تو آپ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دستِ دعا بڑھایا ﴿رَبَّنَا افْتَحْ﴾ اے ہمارے رَبّ حُکم صادر فرما۔ ﴿بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا﴾ ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے مابین۔ ﴿بِالْحَقِّ﴾ ساتھ حق کے۔ "یہاں افتح کا مفہوم ہے احکم یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ صادر کر کے کہ کون سچّا اور صادق ہے اور کون جھوٹا اور کاذب، تاکہ حقیقت کی وضاحت ہو جائے"۔ (بحوالہ بیضاوی) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا لفظ فتح کی معنیٰ اس مقام پر فیصلہ کرنے کے ہیں اسی مفہوم سے "فاتح بمعنیٰ قاضی آتا ہے"۔ (بحوالہ بحرِ محیط) زجاج رقمطراز ہے "اے ہمارے اللہ ہمارے اَمر کو ظاہر کر دے، اس سے مُراد اُن پر ایسا عذاب آئے جس سے ان کا باطل ہونا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے پیروی کرنے والوں کا حق پر ظاہر ہونا عیاں ہو"۔ (کنز الایمان از احمد رضا خانؒ)

﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ اور تو بہتر سب حُکم کرنے والوں کا ہے۔ "اور اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کو بچا کر مکذبین اور مُنکرین کو ہلاک کر دیتا ہے یہ گویا عذابِ الٰہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔ (ماخوذ از قرآن کریم، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس سعودی عرب) ﴿اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ بے شک تم ہو جاؤ گے اس وقت نقصان پانے والوں میں سے کہ اپنا قدیم طریقہ چھوڑ کر نئے دین میں آؤ گے، بڑے کافروں نے بھی چھوٹے کافروں سے کہا کہ تم خسارے میں پڑو گے اس لئے کہ تمہارے نفع کا انحصار ہی کم مقدار تولنے میں ہے اگر تم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات تسلیم کر لی تو اچھی طرح سوچ لو! یہ دولت کی فروانی، یہ تجارتی ترقی، یہ مال و زر سب سے محروم ہو جاؤ گے اگر تم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کی تو احمق اور جاہل قرار پاؤ گے۔ (بحوالہ بحرِ محیط)

پھر وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت پر عمل پیرا نہ ہوئے اور کُفر وخیانت سے باز نہیں آئے۔

Marfat.com

﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ﴾ پس پکڑ لیا اُنہیں زلزلے نے۔ سورۂ ہود پارہ ۱۲ ومَا مِنْ دَآبَّۃٍ میں مذکور ہے کہ اہلِ مدین کڑک سے ہلاک ہوئے، علماء نے کہا کہ سخت کڑک ہوئی اور اُس نے زمین کو ہلا دیا یا کڑک زلزلہ سے قبل ہوئی اس لئے بات یہ ٹھہری کہ زلزلہ بے کڑک اور ہوا کہ ہوتا ہی نہیں۔ آیت نمبر ۶۷ سورۂ ہود پارہ ۱۲ ومِنْ دَآبَّۃٍ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ

اور ان ظالموں کو ایک زوردار آواز نے آ پکڑا پھر وہ صبحدم اپنے گھروں میں اُوندھے مُنہ گرے ہوئے پائے گئے۔ (سورۂ ہود آیت نمبر ۶۷)

حدیثِ مُبارکہ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک سخت آواز کی اور اُن کے شہر میں زلزلہ آ گیا اور سب تھرا گئے، ﴿الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا كَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا﴾ جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہ ایسے نیست و نابود کر دیئے گئے گویا جیسے کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ ﴿لَمۡ یَغۡنَوۡا﴾ اُنہوں نے قیام نہیں کیا غَنِیَ کا ایک مفہوم کسی مقام پر خوش خوش رخوشی کے ساتھ بسر کرنے کے بھی آتے ہیں۔ غِنیٌ (باب سمع) سے فعل مضارع منفی بہ لَمْ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔

یہاں پر قومِ شعیب کے واقعہ سے دوسروں کو درسِ عبرت ملتا ہے اس عذاب کے بعد وہ ایسے ہو گئے جیسے یہاں کبھی عیش وعشرت کا نام ونشان نہ تھا۔ غنی کا مفہوم ہے کسی جگہ پر عرصۂ دراز تک قیام کرنا اس کی جمع مغانی ہے۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی)

﴿فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ﴾ پس مُنہ پھیر لیا اُن کافروں کی طرف سے، قوم پر عذاب کی گھڑی آتے ہوئے دیکھ کر حضرت شعیب علیہ السلام اور اُن کے رُفقاء نے یہاں سے رختِ سفر باندھ لیا، افسردگی، یاس و حرمان کا عالم دیکھ کر، جمہور مُفسرین کا قول ہے یہ لوگ یہاں سے مکہ شریف آ گئے پھر آخر تک یہاں پر قیام کیا، ﴿فَكَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِیۡنَ﴾ پھر کیوں کر تاسُّف اور غم کروں ہلاک ہونے پر ایک قوم کفار کے جس نے کہ میری تصدیق نہ کی، میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا اور باری تعالیٰ کا پیغام اُن کو پہنچانے کی سعادت حاصل کر لی، اب کیا ملال وحزن کہ اس کے باوجود وہ اپنے کُفر اور شرک پر قائم رہے۔

تشریح وتوضیحات آیت نمبر ۸۸ تا ۹۳

آیت ۸۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت اِلی اللہ دی، اُنہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا، حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اِس کے سامنے عجز وانکساری سے جُھکو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کا راستہ اختیار کرو، برائی کا کوئی پہلو ہو، فتنہ وفساد ہو یا کسی اور قسم کی بُرائی اس کی اساس توحید سے انکار اور انحراف ہے، مُتکبرین کی جماعت جو اپنی خواہشات نفسانی کو تقدس کا لبادہ اُوڑھائے ہوئے تھی حضرت شعیب علیہ السلام کا پیامِ حق اُن کی خاطرِ معصوم پر گراں گذرا، ان سرداروں کے گھمنڈ کا یہ عالم کہ اُنہوں نے دھمکی آمیز انداز میں کہا اے شعیب علیہ السلام ہمارے دین و مِلت پر واپس آ جاؤ ورنہ تمہیں بھی اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی شہر بدر کر دیا جائے گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام تو نبی تھے، اُنہیں تو کُفر سے نفرت تھی اُن سے کُفر کا ارتکاب ممکن ہی نہ تھا، اُنہوں نے کہا بھلا زبردستی کیوں کر کی جا سکتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں؟ ہم تو اس کے باطل ہونے کی دلیل پر قائم اور دائم ہیں بھلا اس کو کیونکر اختیار کریں، تب ہم تو

Marfat.com

باری تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگانے والوں میں شمار ہو جائیں گے ہم انسانی توقیر اور فضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد کسی طمع میں آکر ان سے رُوگردانی کی راہ اختیار نہیں کریں گے۔

آیت ۸۹ میں بتایا جا رہا ہے کہ باطل اور جھوٹے مذہب کو سچائی سے منسوب کرنا، اللہ پر اِفتراء اور بُہتان باندھنا ہے اور صداقت سے کذب کی طرف آنا ہے، معاذ اللہ! یہ کیونکر ممکن ہے کہ حق وصداقت اور پیکرِ حق سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس آجائیں، بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس آبائی مذہب کو قبول کر لیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی، ہم اللہ پر توکّل کا بَرملا اِظہار کرتے ہیں کہ تمہارے دین وملّت میں اب ہمارا پلٹ آنا ممکن ہی نہیں رہا کل کیا ہوگا اس حقیقت کا علم تو صرف اللہ کو ہے جو اللہ چاہے وہی ہونا ہے اور ہوتا ہے اس بات سے احساسِ علم یہ ہوا کہ مؤمن تکبّر اور بڑائی کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا پھر اللہ پر مکمل توکّل ہے تو گفتگو کرتا ہے باری تعالیٰ کا علم اَمرِ حکمت پر محیط ہے اللہ کے فیصلے سے کسی کا بہتر فیصلہ نہیں ہوسکتا، حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب سے ظاہر ہوا کہ اَنبیاء کرامؑ کے دل، اللہ تعالیٰ کی عظمتِ کمال، جبروت جمال سے معمور ہوتے ہیں اور ہر آن اور ہر شان کے ساتھ اللہ پر توکّل غیر متزلزل ہوتا ہے۔ توکّل پالینا ہے اللہ کا ایک انعام ہے، بُرائی سے نجات پانے کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے فضل باری تعالیٰ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لولا اللّٰه ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا"

اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہمیں درست راستے کی ہدایت نہ ملتی، نہ ہم صدقات وخیرات کر پاتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔ (نہ نماز پڑھنے کی توفیق ملتی)۔

آیت ۹۰ میں وضاحت کے ساتھ اظہارِ بیان ہے کہ اہلِ مدین کے سرداروں نے محسوس کیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوتِ دینِ حق لوگوں کے دلوں میں اثر انداز ہو رہی ہے اپنی قوم کو اقتصادی بُحران سے خوفزدہ کرنے کا آغاز کر دیا، اور کہنا شروع کر دیا، اگر تم لوگوں نے شعیب علیہ السلام کی اِتبّاع پر عمل کیا تو بربادی وتباہی میں گھر جاؤ گے کم تولنا، کم ناپنا چھوڑ دیا تو معاشی بدحالی اور اقتصادی تنزّلی میں مُبتلا ہو جاؤ گے، اصل بات تو یہ ہے کہ یہ اندازِ نصیحت صرف قومِ شعیب علیہ السلام کے لوگوں اور رؤساء تک ہی محدود نہیں تھے ہر دُور اور ہر زمانے میں لوگوں نے حق، صداقت، دیانت اور جراَتِ اِنصاف کی روش میں ایسے ہی خطرات محسوس کئے ہیں اور زمانے کے مُفسرین کا یہی طرزِ عمل رہا ہے کہ کاروبارِ زندگی، تجارتی سرگرمیاں، سیاست اور دیگر دنیوی معاملات، فریب، کِذب، بے ایمانی اور اخلاقی بدحالی کے بغیر نہیں چل سکتے، کارگہِ ہستی کے معاملات میں ہر صورت میں دعوتِ حق کے مقابلے میں فریب کو فروغ ملا، مدین والوں کا یہ طرزِ عمل اور احساسِ عمل ٹھہرا کہ اگر آباؤ اجداد کا مذہب ترک کیا تو یہ دین کی خرابی ہوئی اور تجارتی سرگرمیوں میں ناپ تول صحیح رکھی تو یہ دنیا کا خسارہ ہے۔

آیت ۹۱ میں بتایا جا رہا ہے کہ آخر کار زلزلے نے آ پکڑا، وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے، سورۂ ہود آیت ۹۴ میں اسی مضمون رمفہوم کے لیے اَلصَّیْحَۃُ چیخ کا لفظ استعمال کیا گیا سورۂ شعراء پارہ ۱۹ قَالَ الَّذِیْنَ آیت ۱۸۹ میں مذکور ہے ارشادِ رَبّانی ہے:

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ

پس جن لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات کو جھٹلایا تو سائبان والے دن کے عذاب نے اُن کو گھیر لیا۔ (آیت ۸۹)

ظُـــلّة بادل کے سایہ کے مفہوم میں آتا ہے۔ عذاب میں تمام چیزوں کا اجتماع ہوا گویا سائے والے دن اُن پر عذاب نازل ہوا پہلے تو بادل نے اُن پر سایہ کیا، پھر شُعلے اُٹھے، چنگاریاں سُلگ گئیں اور آتش کے بھنبو کے اُٹھ رہے تھے، پھر آسمان سے چیخ اُٹھی اور زمین سے بھونچال آ گیا جس سے اِن کی رُوحیں قفسِ عُنصری کو پرواز کر گئیں۔ (بحوالہ ابن کثیر)

آیت ۹۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور اُن کے ساتھیوں کو بستی چھوڑنے کو کہا تھا "سو عالم شوق کا ہے دیکھا نہ جائے گا" کے مصداق سو وہ ہی نہ رہے اور نہ اُن کی بستیاں آباد رہیں جن کا یہ کہنا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ماننے والے تباہی و بربادی سے ہمکنار ہوں گے وہ خود ہی تباہی سے دوچار ہوئے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے عذاب آنے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے کبھی بسے ہی نہ تھے۔ مدین کی یہ تباہی تو ایک عرصۂ دراز تک قوموں کے لئے نشانِ عبرت بنی رہی، چنانچہ زبور جو داؤد علیہ السلام پر اُتری اس مقام پر آتا ہے "اے خدا! فلاں فلاں نے تیرے خلاف عہد باندھ لیا ہے اس لئے تو اُن کے ساتھ بھی وہی کر جو تو نے اہلِ مدین کے ساتھ کیا۔ آیت ۸۳۔۵ تا ۹ یسعیا نبی ایک مقام پر بنی اسرائیل کو تسلی کے الفاظ کے ساتھ کہتے ہیں، شور والوں سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں گو کہ وہ تمہارے مصریوں کی طرح ظُلم کا اَرتکاب کرتے جا رہے ہیں لیکن کچھ گذرنے کے بعد خدا کی فوج اُن پر کوڑا برسائے گی اور انکا وہی حشر ہو گا جو اہلِ مدین کا ہوا۔ (بحوالہ یسعیاہ: ۱۰۔ ۲۱ تا ۲۶)

گویا نقصان میں وہی لوگ رہے جنہوں نے پیغمبر کو جُھٹلایا کہ نبی اور اُن پر ایمان لانے والے کی تکذیب میں ملوث رہنے والے کا خسارہ دونوں جہانوں میں ہوتا ہے۔ کائناتِ گیتی میں ذِلّت ورُسوائی کا عذاب چکھا اور آخرت میں تو اس سے کہیں زیادہ شدید ترین عذاب ہے سورۃ الشعراء آیت ۱۸۹ پارہ نمبر ۱۹ وَقَالَ الَّذِينَ میں حکمِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ☆ بے شک وہ عذاب بڑے سخت دن کا تھا

آیت ۹۳ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جاتے ہوئے حسرت و یاس کے عالم میں کہا اے لوگو! میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور از راہِ محبت و شفقت نصیحت بھی کی مگر نہ جانے تم نے اس کا احساس تک گوارہ نہیں کیا، اب ایسی قوم پر رنج وملال کا کیا حاصل! چنانچہ مؤمنوں کو اپنے ساتھ لے کر مکّہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے یا دش بخیر آج بھی اُمّت خیر البشر کو جوشِ عمل کا پیام ہے کہ آج بھی اگر ہم نے دعوتِ حق تسلیم نہ کیا، عناد، انکار کی روش اختیار کی تو ہمارا بھی وہی انجام ہو گا جو سابقہ مُنکرین کا ہوا ہے۔

آیت ۸۸ تا ۹۳ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

اے باری تعالیٰ! فیصلہ صادر کر دے حق وانصاف کے ساتھ، ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان، تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے یہ وہ التجائے دُعا کے الفاظ ہیں جو رسول اپنی قوم کی فلاح وصلاح سے مایوس ہو کر لب کُشا ہوتا ہے اسی طرح کی دعاؤں کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں میں ملتا ہے اور یہ دعائیں قرآن کریم میں ملتی ہیں۔

Marfat.com

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾

اور کسی بستی میں ہم نے کوئی نبی نہیں بھیجا جب تک کہ وہاں کے رہنے بسنے والوں کو پہلے سختی اور تکلیف میں مُبتلا نہ کیا ہو، تاکہ وہ عجز کے ساتھ گڑگڑانے لگیں (۹۴)

ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَۃً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹۵﴾

پھر ہم نے تکلیف کو راحت و بھلائی میں بدل دیا حتیٰ کہ وہ اُس میں خوب پھلے پھولے رترقی پائی اور کہنے لگے ہمارے اسلاف کو بدحالی اور خوش حالی رراحت و تکلیف ملتی رہی تب ہم نے اُن کو دفعتًا پکڑ لیا اور اُنہیں اس کا وہم و گُمان رخیال تک نہ ہوا۔ (۹۵)

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ کَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾

اور اگر ان بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور راہِ تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم اُن پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے باب کھول دیتے، مگر اُنہوں نے تکذیب کی تو ہم نے اُن کے اعمال رکرتوتوں کے سبب ان کو پکڑ لیا رگرفت مضبوط کی۔ (۹۶)

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا بَیَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۹۷﴾

پھر کیا بستی کے رہنے والے بے خوف رنڈر ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب اُن پر رات کو آئے جب وہ محوِ نیند رسوتے پڑے ہوں۔ (۹۷)

اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی وَّهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾

یا بستی والے اس بات سے بھی بے فکر ہو گئے ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے رچاشت کی گھڑی میں آئے جب وہ کھیلوں میں مشغول ومصروف رہیں۔ (۹۸)

اَفَاَمِنُوۡا مَکۡرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾

کیا یہ اللہ کی (خفیہ) تدبیر سے بے خوف ہیں ربے خبر ہیں پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے فکر بنے رہتے ہیں، سوایسے ہی قوم کے لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہوتے ہیں۔ (۹۹)

الفاظ ومعانی آیت ۹۴ تا ۹۹

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی شہر ربستی میں، کوئی ایسا پیغمبر کہ اُس کی تکذیب لوگوں نے نہیں کی! یہاں پر ایک کلیہ کی وضاحت کی جارہی ہے کہ جب کسی بستی میں نبی کی بُعثت ہوئی تو وہاں کے رہنے والوں نے اس کو جھٹلایا اور اس کی دعوتِ حق، تسلیم ورضا کو قبول کرنے سے انکاری رہے تو نتیجہ یہ نکلتا کہ اُنہیں اچانک تباہی و بربادی سے ہمکنار نہیں کیا جاتا، بلکہ اُنہیں تکلیف ومصیبت میں ڈال دیا جاتا ہے تاکہ غُرور کا نشہ کم ہوتا کہ فقروفاقہ، تنگدستی، مرض وبیماری میں گرفتار رمُبتلا رہیں، تکبّر سے باز آجائیں، توبہ کریں، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کریں۔ ﴿اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ﴾ مگر یہ کہ پکڑ لیا ہم نے ﴿اَهۡلَهَا﴾ اس شہر کے لوگوں کو۔ ﴿بِالۡبَاۡسَآءِ﴾ سختی، مُفلسی، بؤس اور بَاۡسَاء کے معنی فقروفاقہ، قواعد کے

Marfat.com

مطابق اسم ہے۔ ﴿وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾ تا کہ وہ عجز وانکساری کے ساتھ عاجزی کریں اور نصیحت مان کر اپنے نبی کی تصدیق کریں تا کہ اُن سے بَلا دفع کردی جائے۔ (ضَرٌّ وَضَرًّا کے معنی بیماری اور مرض کے آتے ہیں قواعد کے لحاظ سے اسم ہے۔ قرآنِ حکیم میں یہ لفظ جا بجا اس مفہوم کے معنی میں آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے یہی معنی بتائے ہیں لغت میں لکھا ہے مالی نقصان کے لئے مستعمل ہے)

﴿يَضَّرَّعُوْنَ﴾ تَضَرُّعٌ سے فعل مضارع، تا کہ وہ عاجزی کریں، مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ قواعد کے مطابق۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ﴾ کے الفاظ سے یہ احساسِ علم ہوتا ہے کچھ غم و آلام اور مصائبِ تکلیف انسان کو خوابِ غفلت سے آگاہ کرنے کے لئے ہوتی ہیں ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا﴾ پھر ہم نے بدل دیا۔ ﴿مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ اس میں سیئۃ سے مُراد بیماری کی شدّت اور فقر و فاقہ ہے اور حَسَنَۃٌ کے معنی مال میں زیادہ/کثرت، آسودگی اور بھلائی ہے، آفتِ بَلا اور بیماری کی جگہ صحت، راحت اور سلامتی اگر چہ یہ طریقہ بھی مؤثر نہ ہوا تو پھر اُن پر انعامِ رحمت اکرامِ کرم کے باب سے کھول دیئے جاتے ہیں، مال وزر، عزّت وتو قیر نعمتِ اولاد اور دیگر مختلف النوع سہولتیں فراہم کردی جاتی ہیں تا کہ وہ اپنے احسان کرنے والے خالقِ حقیقی کو اچھی طرح جان کر، پہچان کر اس کی نافرمانی سے گریز کریں اور اللہ جَلّ شانہٗ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شعارِ زندگی بنائیں اگر اب بھی نعمت وانعام رحمت پانے کے بعد اُن کے دلِ حزیں پر شکر گزاری اور اظہارِ تشکر کا جذبہ عمل پیدا نہ ہو تو پھر اب اصلاحِ عمل کی کوئی صورت/اُمید نظر نہیں آتی ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ وہ زیادہ ہوگئے مال میں بھی اور آدمیوں میں بھی اس وقت بھی اُنہوں نے کُفرانِ نعمت کا آغاز کیا، لفظ عَفْو، عَفَوْا سے بنا ہے جس کے معنیٰ بڑھنے، ترقی کرنے اور ترویج کرنے کے آتے ہیں اس مفہوم کے مطابق یہاں پر عَفَوْا کے معنیٰ بڑھ گئے، فروغ پا گئے ہیں، عَفْوٌ (نصر) فعل ماضی (جمع مذکر غائب) قواعد کے مطابق، عَفْوٌ کی تحقیق کرتے ہوئے بتایا گیا اضدا سے اس کا معنیٰ بڑھنا اور مٹ جانا بھی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عفو کے معنی كَثُرُوْا بتایا ہے۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہنے لگے یہ کوئی نئی بات تو نہیں بلکہ یہ کسی اچھے اور بُرے عمل کا نتیجہ ہے اور یہ تو زمانہ کی عادت اور فطرتِ طبیعت کا تقاضا ہے ﴿قَدْ مَسَّ﴾ بے شک یونہی پہنچا کرتی تھی ﴿اٰبَاءَنَا﴾ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی ﴿الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ سختی اور خوشی گویا سابقہ دور میں بھی قحط پڑتا تھا کبھی ارزانی ہوا کرتی تھی، کبھی صحت تو کبھی بیماری، کسی وقت غم تھا تو کسی ساعت مسرّت وشادمانی، یہ سب کچھ کُفر اور ایمان کے سبب نہ تھا بلکہ جب اس قوم نے ناشکری اختیار کی اور کُفر پر مضبوطی اور پائیداری اپنائی۔ ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ﴾ پس ہم نے پکڑا اُنہیں ﴿بَغْتَةً﴾ ناگہاں/اچانک یعنی اس کیفیّت میں جب وہ بے خوف تھے۔ ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اُن پر عذاب آئے گا یہ اُن کی حسرت ہی رہی کہ پہلے سے عذاب آنے کے آثار دیکھ لئے ہوتے تو سمجھ گئے ہوتے کہ ہم پر عذاب کا نزول ہوا ہی چاہتا ہے، پھر اُن کو عذاب نے اچانک آگھیرا کہ اُن کو خبر ہی نہ ہوئی۔ ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى﴾ اور ان بستیوں کے لوگ جو گرفتارِ عذاب ہوئے یا مکہ معظّمہ اور اس کے گرد و پیش کے لوگ ﴿اٰمَنُوْا﴾ وہ ایمان لائے اللہ پر ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور راہِ پرہیزگاری اختیار کرتے اور محفوظ رہتے

شرک سے اور پیغمبر ﷺ کی مخالفت سے ﴿لَفَتَحۡنَا عَلَیۡھِمۡ﴾ البتہ ان پر ہم کھول دیتے۔ ﴿بَرَکٰتٍ﴾ برکتیں۔ ﴿مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ❶ آسمان سے اُن کی دُعائیں قبول کر کے بارش برسا کر، اور زمین سے اُن کی حاجتیں پوری ہوتیں یا کھیتی پیدا ہونے کے سبب سے۔ بَرَکٰتٍ کے لفظی معنیٰ زیادہ ہونے کے آتے ہیں زمین اور آسمان کی برکتوں کا مفہوم یہ ہے کہ ہر طرح کی اچھائی پاتے، رحمت پاتے، برکت کا احساسِ اظہار کئی حالتوں سے ہوتا ہے کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے اصل شئے میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے مُعجزات میں ہے کہ ایک معمولی برتن کے پانی سے پورے قافلہ کا سیراب ہو جانا، یا کم مقدار کھانے سے ایک مجمع کا شکم سیر ہو جانا۔ روایات صحیحہ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ﴿وَلٰکِنۡ کَذَّبُوۡا﴾ مگر اُنھوں نے جھٹلایا ہمارے رسولوں کو۔ ﴿فَاَخَذۡنٰھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ﴾ بہ سبب اس چیز کے جو کماتے تھے وہ کُفر اور مُعاصی رگناہ ''حقائق سلمیٰ'' میں اس کے معنیٰ تحریر ہیں کہ ''اگر بندے باور کرتے میرے وعدے اور بچتے رہتے میرے حکم کی مُخالفت سے اور ڈرتے میری دھمکی سے تو اُن کے دلوں کو اپنے مشاہدہ نُور سے ہم روشنی دے دیتے۔ آسمان کی برکت اس کی طرف اشارہ ہے اور ان کے جوارح اور اعضاء کو اپنی خدمت سے ہم آراستہ کر دیتے'' زمین کی برکت اس سے عبارت ہے۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ)

﴿اَنۡ یَّاۡتِیَھُمۡ بَاۡسُنَا﴾ اس سے کہ آئے ان پر عذاب ہمارا۔ ﴿بَیَاتًا﴾ رات کو ﴿وَّھُمۡ نَآئِمُوۡنَ﴾ اور وہ سوتے ہوں، بالفاظ دیگر اُن کی غفلت کے وقت عذاب کا شب خون اُن پر آئے ﴿نَآئِمُوۡنَ﴾ سونے میں، سوتے ہوئے نوم سے اسم فاعل جمع مذکر، نَـآئِـمٌ واحد قواعد کے مطابق۔ ''ابھی سونامی میں ہزاروں افراد طوفانِ سیلاب میں مر گئے، ۲۶ دسمبر ۲۰۰۴ء'' (بحوالہ اخباری خبر)

﴿اَوَاَمِنَ اَھۡلُ الۡقُرٰۤی﴾ کیا بے خوف ہو گئے اس شہر کے لوگ۔ ﴿اَنۡ یَّاۡتِیَھُمۡ بَاۡسُنَا﴾ اس سے کہ آئے ہمارا عذاب اُن کے پاس۔ ﴿ضُحًی﴾ دن چڑھے۔ ﴿وَّھُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ﴾ اور وہ کھیلتے ہوں یعنی کائنات رنگ و بُو جو غافلوں کے کھیلنے کی جگہ ہے اُن ہی کھیل وکود کے کاموں میں مشغول ہوں۔ ﴿اَفَاَمِنُوۡا﴾ کیا بے خوف ربے فکر ہو گئے جھٹلانے والے۔ ﴿مَکۡرَ اللّٰہِ﴾ اللہ کی اچانک پکڑ سے مَکۡرَ کے معنیٰ پوشیدہ داؤ کے ہیں کیا یہ لوگ اللہ کی خفیہ تدبیر و تقدیر سے مُطمئن ہو گئے کیا اُنھیں خبر نہیں کہ اچانک ناگہانی کیسے آتی ہے زلزلے کی تباہ کاریاں شب و روز کا سیلاب جو اچانک رُونما ہوتا ہے کیا اُن کو اس بات کا گُمان نہیں ہوتا کہ کوئی اچانک غیر معمولی بات نمودار ہونے والی ہے یہ سب کے سب غفلت میں، سرمستی میں منت رہتے ہیں اچانک اللہ کی پکڑ آجاتی ہے۔ ﴿اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ مگر وہ قوم (نقصان پانے والے) کہ کُفر اور نفاق کے سبب دو جہاں میں نقصان کے مارے ہوئے ہیں درسِ عبرت ہے عقل مندوں کے لئے دوسروں کے حالات سے سبق سیکھیں اور وہ اُمور جو دوسروں کے لئے مُوجبِ ہلاکت و بربادی کا سبب بن گئے اُن کے سرِ انجام دینے سے باز رہیں۔

❶ ...... ہر طرف سے ہم ان پر خیر و برکت کی زیادتی کرتے جو نعمتیں عطا ہوئیں وہ قائم رہتیں، برکت آسمان سے مُراد بارش، برکت زمین سے مراد فصلیں اور نباتات)

تشریح وتوضیحات آیت ۹۴ تا ۹۹

آیت ۹۴ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب بھی کسی قریہ رُبستی میں نبی کی بعثت ہوئی تو وہاں کے رہنے والوں نے دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو باری تعالیٰ نے فوری طور پر اس قوم کو تباہی و بربادی سے ہمکنار نہیں کیا بلکہ ان کی مالی اور جسمانی مصائب سے آزمائش کی گئی تا کہ ان میں رجوع اِلی اللہ کا جذبہ عمل موجزن ہو جائے تا کہ وہ بالکل سارے فریب سے چھٹکارا پا کر حق کی راہ میں آکر اللہ کی رحمت پائیں عجز کے ساتھ اور تضرع سے اللہ کی طرف رجوع ہونا، اللہ کی رحمت پانا، اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں کیونکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بندگی کرنا انسانی وجود کا ماحصل حیات ہے حق بات تو یہ ہے کہ ربِّ کائنات کو انسانوں کی طرف سے عجز کرنے اور اظہارِ بندگی کی ضرورت نہیں ہے یہ انسانی زندگی کا مقصد ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کو اپنا شعار بنائے چنانچہ آیت ۵۶ سورۃ الذّٰریٰتِ پارہ ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

''اور ہم نے جنّات اور انسانوں کو صرف اس لئے تخلیق کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں''۔

حق بندگی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر رحمت طلب کی جائے یہی حُسنِ بندگی ہے۔

آیت ۹۵ میں بیان کیا جارہا ہے کہ باری تعالیٰ نے دُکھ اور تکلیف کو راحت میں بدل دیا یہاں تک کہ خوشی اور فرحت کے لمحات پا کر، کہنے لگتے کہ ہمارے اسلاف پر اچھی اور بُری ساعتیں گذری ہیں۔ پھر ہم نے اُن کی اچانک گرفت کی جس کا اُنہیں وہم و گُمان تک نہ تھا اور اُنہیں اس عذابِ گرفت کی خبر تک نہ ہوئی۔ یہ مشیت ایزدی کا تقاضا ہے کہ جب نبی کے مبعوث ہونے کے بعد لوگ اَنبیاء کی تکذیب کرتے ہیں تو اَنبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائشوں کا امتحان ہوتا ہے اور باری تعالیٰ لوگوں کو قحط، مرض، گردشِ باد و باراں اور تلاطم طوفان کی آزمائش میں مُبتلا کردیتا ہے پھر وہ اصلاحِ احوال کی طرف توجہ نہیں دیتے اور قدرتِ باری تعالیٰ اور اس کے ارادہ کو سمجھنے سے قطعی محروم ہوتے ہیں تو اُنہیں ناگہانی طور پر عذاب میں مُبتلا کردیا جاتا ہے جن لوگوں کے دل انبیاء کی دعوتِ حق تسلیم نہیں کرتے اور ان کو توبہ واصلاح کی توفیق نہیں ہوتی اور غفلت میں ڈوب کر گہری نیند طاری کرلیتے ہیں تو دفعتاً وہ عذاب میں پکڑے جاتے ہیں۔ مؤمن کا معاملہ کچھ مختلف ہوتا ہے، مؤمن کی یہ پہچان ہے کہ وہ راحت و مسرّت پانے پر باری تعالیٰ کا شکر بجالا۔تے ہیں اور غم و آلام پہنچنے پر صبر اور استقامت کا دامن تھام لیتے ہیں یہی دونوں صورتیں اُن کے لئے خیر و برکت کا مُوجب ہوتی ہیں۔ (بحوالہ صحیح مسلم کتاب الزھد)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور عاجزی نہیں اختیار کرتے ان کو اللہ کا عذاب آ پکڑتا ہے چنانچہ یہی موضوعِ سخن آیت ۷۶ سورۃ المؤمنون ۲۳ پارہ قَدْ اَفْلَحَ ۱۸ میں بیان ہوا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ

''اور ہم نے اُنہیں بھی آ پکڑا، پھر بھی یہ لوگ نہ اپنے ربّ کے آگے جھکے، اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔

آیت ۹۶ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ اگر بستی کے لوگ ایمان قبول کرلیتے اور پرہیزگاری اپنا لیتے تو باری تعالیٰ

کی طرف سے آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھُل جاتے ،لیکن اُنہوں نے جھٹلایا اپنی کرتوتوں کی پاداش کے سبب وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت ،خوش حالی کی نوید لے کر آتی ہے کیونکہ اطاعت کی تکمیل کے لئے تقویٰ اختیار کرنا ایک لازمی اَمر ہے اس آیت مبارکہ میں تقویٰ سے پہلے ایمان کا ذکر ہے۔

ایمان کی حقیقت نبی پر اعتماد میں مضمر ہے اور اسی یقین ،ایقان اور اعتماد کے سِلسلے میں قلبِ نبوّت سے جو آگاہی کا احساس سالک کے دلِ حزیں پر پڑتا ہے تو وہ اس حقیقت کو آشکارا کر دیتی ہے کہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنے رُوبرُو پانے لگتا ہے اور نافرمانی کرنے کی ہمت تک نہیں کرسکتا ،اگر اس نعمت کو پالیا جائے تو ارض وسماء سے رحمت بے پایاں اور نزولِ برکات کے باب کھُل کھُل جاتے ہیں۔

آیت ۹۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ یہ اہلِ قریہ اس قدر بے خوف وخطر ہو گئے ہیں کہ اللہ کا عذاب راتوں رات آئے اور وہ عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آجائیں جب شب بھر محوِ نیند ،آرام سے سو رہے ہوں ،تعجب تو اس بات پر ہے کہ حضرتِ انسان ، کیف وسُرور اور لذّت غفلت میں پڑا ہوا ہے اپنے اگلے لوگوں کے حالات سے واقف ہونے کے باوجود اس بات پر بے فکر ہو گیا ہے کہ خیال ہی نہیں کرتا کہ نافرمانی تو تباہی کا مُوجب ہے۔

آیت ۹۸ میں بیان کیا جارہا ہے کیا یہ بستی والے اس قدر بے فکر ہو گئے ہیں کہ اُن پر اللہ کا عذاب دن چڑھے چاشت کے وقت آجائے جب وہ کھیل وکود میں مشغول ہوں ،یا سنجیدہ ،حالتِ کیفیت میں ہوں ،اس کا مقابلہ کرنے میں تو اُن کو جرأت نہیں !رہا معاملہ عذابِ الٰہی کا تو انسان باخبر ہو یا بے خبر ،اس کی بے بسی ہر دو صورتوں میں یکساں تصور ہو گی۔

آیت ۹۹ میں بیان کیا جارہا ہے کہ لوگ دنیاوی لطف وکرم سے سرفراز ہونے کے بعد عیش طرب میں پڑے رہے وہی اللہ کی ناگہانی گرفت سے نہ بچ سکے !اس لئے اللہ کی ان تدبیروں سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے ،کیونکہ تکذیب اور راہِ کُفر اختیار کرنے والی قوم اللہ کے عتاب وعذاب کی مستحق قرار پاتی ہے ،پھر پتہ ہی نہیں چلتا کہ گردشِ ایام لیل ونہار میں کس وقت عذاب کی گھڑی آپہنچے ،پھر دیکھتے ہی دیکھتے بستیاں اُجڑ جاتی ہیں اس لئے اس بات کا احساس کرنا بے حد ضروری ہے کہ اس بے خوفی کا انجام سوائے خسارے کے اور کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ غفلت اور حد سے گذر جانا اور لاپرواہی کا نتیجہ نقصان ہے کیا ان کو پتہ نہیں !کیا اللہ کے داؤ اور تدبیر سے نڈر ہو گئے اس قدر جرأتِ رندانہ حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے اِسلاف کو نافرمانی کے جُرم میں ہلاک کر دیا گیا ان کے بعد سلسلہ روز وشب کے تسلسل میں اہلِ زمین کے وارث قرار پائے کیا اُن کی بربادی میں لوگوں کے لئے کوئی راہِ ہدایت اور نشانِ عبرت نہیں ہے اللہ کی تدبیر بے امان ہے اس لئے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ بے خوف رہا جائے۔

کیا لوگ اللہ کے فتنہ سے بے خطر ہو گئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ کے فتنے سے تو بے خوف وہی قوم ہوتی ہے جو بُرائی میں پڑنے والی ہے ،حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ باری تعالیٰ اطاعت کرنے والوں کو نعمت نصیب کرتا ہے اور عاصی اور ناشکروں کو نافرمانی کے سبب مُبتلائے عذاب کرتا ہے۔ اللہ کے عذاب سے دنیا میں بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ (نتائج سے بے فکر رہنے والے سخت خسارے میں رہتے ہیں)

Marfat.com

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

کیا یہ راہِ ہدایت اُن کو نہیں دکھائی جو وارث ہوئے، پہلے والے لوگوں کی تباہی کے بعد، اگر ہم چاہیں تو اُن کے گناہوں کی پاداش میں سزا دیں اور اُن کے دلوں پر مُہر ثبت کر دیں تا کہ وہ کچھ سُن ہی نہ سکیں! (۱۰۰)

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۚ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾

یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ کچھ داستانیں/احوال، خبریں ہم تمہیں سناتے ہیں۔ بے شک ان سب کے پاس ان کے رسول روشن دلیل لے کر آئے تھے، اُن سے تو یہ بھی نہ ہوا کہ جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے اُس پر ایمان لاتے/بعد میں اسے سچ سمجھ کر مان لیتے، اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر یُونہی مُہر ثبت کر دیتا ہے/اللہ تعالیٰ اس وجہ سے مُنکرینِ حق کے دلوں پر ٹھپا لگا دیتا ہے۔ (۱۰۱)

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور اُن میں سے ہم نے اکثر کو قول و قرار میں سچّا نہ پایا، بلکہ اکثریت کو فاسق پایا/اکثر کو بے حکم ہی پایا۔ (۱۰۲)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف، سو اُنہوں نے انکار کیا، ہماری آیات کے سلسلے میں ظُلم کا رویہ اپنایا، تو دیکھو تو سہی! کہ اِن مُفسدوں کا کیسا انجام ہوا!۔ (۱۰۳)

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اے فرعون! میں بلاشبہ پروردگارِ عالم کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں!۔ (۱۰۴)

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٠٥﴾

میرا منصبِ رسالت یہی ہے کہ حق بات/سچ پر قائم رہوں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف حق بات ہی کہوں گا۔ میں تم لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح دلیل/نشانی بھی لایا ہوں! سو میرے ساتھ/ہمراہ بنی اسرائیل کو جانے کی رُخصت/اجازت دے دیجئے۔ (۱۰۵)

قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٠٦﴾

کہا فرعون نے ایسی کوئی نشانی/معجزہ لے کر آئے ہو تو اس کو پیش کرو، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو!۔ (۱۰۶)

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿١٠٧﴾

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا، وہ دفعتاً/صریح صاف دکھائی دینے والا اژدھا بن گیا۔ (۱۰۷)

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾

اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو دیکھنے والوں کی نظروں نے دیکھا کہ یکا یک وہ سفید روشن/خوب چمک دار ہو گیا۔ (۱۰۸)

Marfat.com

الفاظ ومعانی آیت ۱۰۰ تا ۱۰۸

﴿اَوَلَمْ یَھْدِ﴾ کیا بیان نہیں کیا/ کیا ظاہر نہیں کر دیا، کیا اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں دی۔ ھَدٰی، یَھْدِیْ نشان دہی کے معنیٰ میں آتا ہے۔ ﴿لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ﴾ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے میراث پائی ہے زمین میں، قیام پذیر ہوئے ہیں زمین میں۔ ﴿مِنْ مبَعْدِ اَھْلِھَا﴾ بعد ہلاک ہو جانے کے اس سے مُراد دورِ حاضر کے لوگ جو" سابقہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کے مکانوں اور زمین کے وارث قرار پائے یا آئندہ بھی وارث بنیں گے"۔ (بحوالہ معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ جلد چہارم)

"اس زمین کے لوگوں سے" اِس سے خاتم النبیین ﷺ کے زمانے کے کُفار مُراد ہیں اُنہوں نے اگلی اُمتوں کے مکانات لے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اوپر بیان کر دیا۔ (بحوالہ تفسیر قادریؒ جلد اوّل)

﴿اَنْ لَّوْنَشَآءُ﴾ یہ کہ اگر چاہیں ہم تو۔ ﴿اَصَبْنٰھُمْ﴾ پکڑیں ہم اُنہیں۔ اَصَبْنَا اِصَابَۃٌ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مُتکلم قواعد کے مطابق۔ ﴿بِذُنُوْبِھِمْ﴾ اُن کے گناہوں کے سبب میں، کیا ہم ان پر عذاب کریں جیسا کہ اگلے لوگوں پر کیا۔ ﴿وَنَطْبَعُ﴾ اور مُہر کر دیں ہم نے طَبع کے معنیٰ چھاپنے اور مُہر لگانے کے ہیں ﴿عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ﴾ اُن کے دلوں پر پس وہ نہ سُنیں عقل اور عبرت کی رُو سے یا دلِ حزیں پر مُہر ہونے کے سبب اس واسطے کہ دل کھلا ہوا ہے تو جو کچھ آدمی سُنتا ہے اُسے سمجھ بھی لیتا ہے تو کلامِ حق سننے سے دل کے کان کو فائدہ ہی ملتا ہے۔ ع

این سخن از گوشِ دل باید شنود

اِس مفہوم کی یوں وضاحت کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ ماضی کے گزرے ہوئے واقعات سے کوئی عبرت نہیں لیتے اور ہدایت اختیار نہیں کرتے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ غضبِ باری تعالیٰ سے اُن کے دلوں پر مُہر ثبت ہو جاتی ہے پھر تو وہ کچھ نہیں سنتے۔ حدیث مبارکہ میں آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کا (ارشاد) قول ملتا ہے کہ جب کسی انسان سے پہلے پہل کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اُس کے دل پر سیاہی کا نقطہ لگ جاتا ہے اور جب وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا سیاہی کا نقطہ اور جب تیسری بار گناہ کا اِرتکاب ہوتا ہے تو تیسرا سیاہی کا نقطہ لگ جاتا ہے، مسلسل گناہوں کے سبب یہ سیاہی کے نقطے اس کے سارے قلب کو گھیر لیتے ہیں اور انسان کے دل میں باری تعالیٰ نے جو فطری مادّہ اچھائی اور بُرائی کی پہچان کے لئے بنایا ہوتا ہے وہ مغلوب ہو جاتا ہے، جس کا انجام کار یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھی شئے کو بُری اور بُری شئے کو مُفید سمجھنے لگتا ہے اسی کیفیت کو طَبع مہر لگانے سے اس آیت میں تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ﴾ دل پر کافروں کے، اِس سے مُراد وہ کُفارِ قریش ہیں جنہیں ربِّ جلیل نے جان لیا کہ وہ ایمان لانے کے نہیں۔ ﴿وَمَا وَجَدْنَا﴾ اور نہ پایا ہم نے اُن کو۔ ﴿لِاَکْثَرِھِمْ﴾ اگلی اُمتوں کے واسطے۔ ﴿مِنْ عَھْدٍ﴾ وعدہ نبھانا / پورا کرنا جو میثاق کے دن اُنہوں نے باندھا تھا وہ عہد خوف اور مضرت کی گھڑی میں کرتے تھے اگر ہمیں نجات مل گئی تو ایمان لائیں گے۔ کافروں کے دلوں پر نیکی / ایمان اپنانے

Marfat.com

کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔

اکثر مفسرین نے ایفائے عہد سے ''عہدِ الست'' مُراد لیا ہے جو عالم ارواح میں لیا جاچکا تھا بعض کے نزدیک یہ عہد وہ ہے جو عذاب ٹالنے کے لئے وہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام سے کرتے تھے اور بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو وہ باہم ایک دوسرے سے کرتے تھے اور وعدہ شکنی میں اس کو کچھ بھی نام دیا جائے اس عہد کی نوعیت کچھ بھی ہو، یہ سب فسق کے زمرے میں آتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے یہ عہد جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ اس وقت تمام انسانی ارواح نے اقرار وعدہ کے طور پر کہا بَلٰی بے شک اے اللہ! تو ہی ہمارا پروردگار ہے لیکن کائنات گیتی کے اکثر لوگوں نے اس عہد ازل کو فراموش کردیا اور ''عہد کی پاسداری نہ کی''۔ (بحوالہ کبیر)

﴿اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾ اکثر ان میں عہد و پیمان توڑ ڈالنے والے نکلے، اَكْثَرَ سے لطیف اشارہ یہ ملتا ہے کہ بہت سے لوگ تو اس قدر سنگ دل اور ظالم ہوتے ہیں اور عالمِ پریشانی اور تردّد میں اُنہیں اللہ یاد نہیں آتا۔ فٰسِقِيْنَ نافرمان لوگ فاسق کی جمع۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بے حُرمتی کرنے والا، فُسوق سے اسم فاعل واحد مذکر قواعد کے مطابق۔ (بحوالہ قاموس القرآن)

فسق اور فسوق کے معنیٰ ہیں ''میوہ کا چھلکے سے الگ ہوجانا'' اسی سے شریعت کی حدود سے باہر ہوجانے کے معنیٰ پیدا ہوئے فسق تھوڑے گناہ کے اِرتکاب کو بھی کہا جاتا ہے اور بہت گناہ کے ارتکاب کو بھی ''فاسق اُس شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلام کو بطورِ عقیدہ تسلیم کرلے اور اس کے احکامات سے عمل کرنے سے پہلو تہی کرے۔ (بحوالہ مفردات)

﴿فَانْظُرْ﴾ پھر دیکھ تو دیدۂ بصیرت سے کہ حق سے انکار کرنے کے بعد۔ ﴿كَيْفَ كَانَ﴾ کیسا ہوا۔ ﴿عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ پس دیکھو تو سہی، انجامِ کار تباہ کاروں کا کہ غرق ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے قدم رنجہ فرما ہوئے تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اُن کی صاحبزادی صفورا کو عقد نکاح میں لائے، پھر مصر جانے کا قصد کیا، اُسی درمیان وادی ایمن میں پہنچ کر خلعتِ نبوّت پایا اور عصا اور ید بیضا کے معجزے کے ساتھ مخصوص ہوئے۔ باری تعالیٰ نے اُنہیں حکم صادر کیا کہ مصر جائیں اور فرعون کو اللہ کی راہ کی طرف بُلائیں تکبّر اور دعویٰ خُدائی سے منع کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام جلوہ فگن ہوئے اور مدت کے بعد جب فرعون سے ملے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے اللہ کی راہ کی طرف بلانا شروع کیا۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ﴿يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ﴾ اے فرعون بلا شبہ میں ❶ رسول ہوں۔

﴿مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اہلِ عالم کے رَبّ کی جانب سے تمہاری طرف اور تمہاری قوم کی طرف۔ حَقِيْقٌ میں رسالت کے لائق ہوں حقیقٌ حقٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے اسم ہے قواعد کے مطابق۔

﴿قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ﴾ بے شک میں تمہارے پاس آیا ہوں دلیل ظاہر کے ساتھ۔ ﴿مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ تمہارے پروردگار کی طرف سے، کھُلا ہوا اور ظاہر معجزہ کہ میری رسالت پر گواہ ہو، بات یہ ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، میرے دعویٰ حق

❶ ...... لفظ فرعون کے معنیٰ ''سورج مہادیو کی اولاد'' قدیم اہلِ مصر سورج کو بڑا خدا رَع کہتے تھے اور فرعون اس کی طرف منسوب تھا۔ قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت دو فرعون کا تذکرہ ملتا ہے، پہلا فرعون رعمیس دوائم تھا ۱۲۹۲ تا ۱۲۲۵ قبل۔ دوسرا فرعون منفتہ یا فنقاح بحوالہ تفہیم القرآن جلد دوئم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) ۲؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ وفات ۱۲۷۲ قبل مسیح ہے۔

پر میرے معجزات بھی ہیں تقاضائے عمل تو یہ ہے کہ آپ میری بات سنیں اور اعتراف تسلیم کریں۔ ﴿فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ پس میرے ساتھ بنی اسرائیل اولادِ یعقوب کو بھیج دو اور اُن سے کام لینے سے باز آجا تاکہ یہ مقدس سرزمین جو اُن کے اسلاف کا وطنِ عزیز ہے وہ وہاں دوبارہ جا سکیں ''حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل فلسطین کو 'خیر آباد' کہہ کر مصر آگئے تھے، لیکن مصریوں نے اُن پر ظلم و جور کیا اور اپنا غلام بنالیا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن از جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

ملک ریان جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا مُصعب جس کا نام تھا وہ بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کا قائل تھا اور وہ اُن سے متعرض نہ تھا جب وہ بھی دارِ فانی سے کُوچ کر گیا تو ولید جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا تختِ سلطنت پر متمکن ہوا اور اپنی شان پر فخر کرتے ہوئے زبان پر لایا۔ ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ میں تمہارا پروردگار ہوں، بہت بلند ہوں، بنی اسرائیل نے اس دعویٰ کذب کو قبول نہ کیا اور اُنہیں اپنی غلامی کی زنجیر میں جکڑ لیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور یہ بات بَرملا کہی کہ اے فرعون! بنی اسرائیل سے ہاتھ کھینچ تاکہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے وطن میں چلے جائیں، فرعون نے سُنی ان سُنی کر دی ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا۔

﴿فَاِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَۃٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ تم اپنے دعوے میں واقعی کوئی دلیل معجزہ لائے ہو تو دکھاؤ، اگر تو ہے سچوں میں سے۔ ﴿فَاَلْقٰی عَصَاہُ﴾ پس ڈال دیا موسیٰ علیہ السلام نے عصا اپنے ہاتھ سے۔ ﴿فَاِذَا ھِیَ﴾ پس وہی۔ ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ﴾ ❶ اژدہا ہو گیا، ظاہر میں کسی کو اُن کے اژدھا ہونے میں شک تک نہ ہوا۔ روایت ہے کہ وہ عصا اژدھا ہو گیا مونہہ کھولے ہوئے اس کے دونوں گلّوں میں اسّی گز کا فاصلہ تھا، لب کا نیچے کا حصہ زمین پر رکھا اور اُوپری حصہ لَب کا فرعون کے محل کے کنگرہ پر، اور اس کے تخت کی طرف رُخ کیا سب خادم بھاگ گئے، فرعون بھی دوڑا، بھاگتے وقت ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) افراد ہلاک ہوئے۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو ایک بڑا اژدہا بن گیا، زرد رنگ مونہہ کھلے، قصر شاہی کی دیوار فصیل پر اس نے رُخ کیا تو ''فرعون خوف کھا کر اپنے تخت سے کود کر بھاگا اور عالمِ تردّد ڈر کے سبب ریح کا اخراج ہوا''۔ (بحوالہ کنز الایمان، خزائن العرفان از احمد رضا خان بریلویؒ)

اِسی عالمِ گھبراہٹ میں فرعون چلایا اے موسیٰ! میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں جس کا تو رسول ہے اپنا عصا اُٹھا لو! میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدھے کو گردن سے پکڑا تو وہی عصا ہو گیا، فرعون پھر اپنے تخت پر آ کر براجمان ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا پھر اور کوئی معجزہ آپ علیہ السلام رکھتے ہیں۔ معجزے اور کرامت کا اس لئے عمل ظہور میں آتا ہے کہ جو کام عام انسان نہ کر سکے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا میں تبدیل ہو جانا کوئی حیرت رتعجب کی بات نہیں! اس کے بعد ﴿نَزَعَ یَدَہٗ﴾ نزع کے معنیٰ ایک شئے سے کسی قدر سختی کے ساتھ، نکالنے کے آتے ہیں مُراد یہ ہے کہ اپنے دستِ مبارک کو کھینچ کر نکالا۔

❶ ......ثعبان بڑے اژدھے کو کہا جاتا ہے اور اس کی صفت مبینٌ بیان کر کے واضح کر دیا گیا کہ اس لاٹھی کا اژدھا ہونا ایسا عمل نہیں کہ گوشہ میں ہو بلکہ سب کے سامنے پیش آیا۔

Marfat.com

﴿فَاِذَا﴾ اور نکالا اپنا ہاتھ پس وہی تھا اُن کا ہاتھ ﴿بَیْضَآءُ﴾ ایسا سفید کہ اس کی سپیدی کمالِ مرتبہ تھی اور نہایت ہی نورانیت سمیٹے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفیدی بھی معمولی سپیدی نہ تھی بلکہ اس کے ہمراہ ایسی روشنی ہوتی تھی جس سے تمام تر فضا روشن ہوجاتی تھی۔ (بحوالہ تفسیر قرطبیؒ) ﴿لِلنّٰظِرِیْنَ﴾ دیکھنے والوں کے لئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مثلِ گندم رنگ تھے، مُفسرین نے تحریر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ جب گریبان میں ڈال کر نکالتے تو اس میں اس قدر نورانیت سما جاتی اس کی شعاعِ نور آفتاب پر غالب آجاتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا داہنا ہاتھ فرعون کو دکھایا پھر گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ اس قدر سفید نورانی تھا کہ زمین تا آسمان اُس سے منوّر اور تاباں ہوگئے پھر گریباں میں ڈال کر نکالا تو جیسا تھا پھر ویسا ہی ہوگیا۔ (بحوالہ مدارک)

تشریح وتوضیحات آیت ۱۰۰ تا ۱۰۸

آیت ۱۰۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ ہلاک ہونے والے تو اپنے انجام کو پہنچے، مگر کیا اُنہیں سبق عبرت نہیں ملا، جو ملک اور زمین کے وارث ہوئے اُنہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مُطلق ہے جب چاہے گناہ کے باعث سزا دے سکتا ہے اور اگلی قوموں کی طرح انسان اپنے اعمال کی شامت میں گرفتارِ بلا ہو کر مختلف تباہیوں سے ہمکنار ہوسکتے ہیں، پھر دوسری سزا ارتکاب جُرم میں مرتب ہوتی ہے کہ دل پر مُہر کردی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صدائے حق سے اُن کے کان جو بند ہوجاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے سوچنے، سمجھنے اور کسی کی نصیحت سننے کی توفیق سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ جو اپنی آنکھیں مُوند لیتا ہے اس کی عقلِ رسا، رسائی تک، سورج کی کرن کی روشنی تک نہیں پہنچ پاتی اُنہیں کچھ سُنائی نہیں دیتا وہ بہرے تو نہیں ہوتے! سب کچھ سماعت کرتے ہیں مگر اصل بات تو یہ ہے کہ باوجود وسائل کی دستیابی کے یہ لوگ ہدایت پانے سے محروم رہے۔

آیت ۱۰۱ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ ان تباہ شدہ بستیوں، عذابِ باری تعالیٰ میں گرفتار شدہ قوموں کے بعض قصے اور واقعات ہم اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے بیان کرتے ہیں اُن کے پاس اُن کے رسول مُعجزات کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ صاحبِ ایمان نہ ہوئے وہ اپنی اَنا کے خول میں گم تھے، نازاں تھے اور جو جھوٹ اُنہوں نے اپنایا تھا اُسی پر اِصرار کرتے رہے اور قبولِ حق سے قاصر رہے۔

جب انبیاء علیہم السلام اُن کے پاس آئے تو وہ اس سبب سے اُن پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے پہلے حق کو جھٹلا چکے تھے گویا یہی گناہ اُن کے ایمان نہ لانے کا سبب قرار پایا اور نُورِ ایمان کی نعمت اُن سے سلب کرلی گئی اس کو مُہر ثبت کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ آیت ۱۰۹۔ ۱۱۰ سورۃ الانعام پارہ ۷ وَاِذَا سَمِعُوْا میں باری تعالیٰ کا حکم رفرمان ہے:

وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔

''اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم بھی اُن کے دلوں اور اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے''۔

Marfat.com

آیت ۱۰۱ میں یہاں نشانیوں سے مُرادکوئی طلب کیا ہوا معجزہ ہے۔ ان لوگوں کے ایمان قبول نہ کرنے کی یہ علت نہیں کہ نشانیاں اور معجزات موجود نہیں ہیں بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ اُن کے دل اور اُن کی آنکھیں پھیر دی گئی ہیں یہ اس سے قبل بھی کائنات رنگ و بُو کی بے شمار نشانیاں دیکھ کر بھی نابینا بنے رہے۔ اللہ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی۔

آیت ۱۰۲ میں بتایا جارہا ہے کہ ان میں سے اکثر میں ''ایفائے وعدہ'' کی پاس داری اور استواری نہیں پائی، عہدِازلی کی طرف اشارہ ہے کہ معجزہ دیکھ کر ایمان لانے کے بارے میں جو اقرارِ عام اُنہوں نے اپنے رَبّ سے کیا اگر عذاب ٹل جائے تو ضرور راہِ حق پر عمل ہوگا لیکن ان میں سے اکثر نے بدعہدی کی، اکثر جن کے دلوں پر مُہر لگا دی جاتی ہے وہ سب جرم بدعہدی میں نافرمان ہوجاتے ہیں ''یوم الست کو'' جو وعدہ کیا گیا وہ وفا نہیں ہوا، راہِ زندگانی میں کتنے مرحلے مشکلات کے آتے ہیں جب انسان یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ اگر یہ مشکل ٹل گئی تو پھر عہد نبھایا جائے گا جب تک مصیبت سے چھٹکارا ملتا ہے تو پھر وہی راستہ اختیار کرلیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے لمحہ فکر یہ ہے! ہم نے جو عہد و پیمان حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے باندھ رکھا ہے ان کو استقامت کے ساتھ استوار کریں۔

آیت ۱۰۳ میں اظہار بیان ہے کہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مَبعوث کیا گیا اور فرعون کے رؤساء اور اُمراء کی طرف نہایت واضح احکامات اور معجزات عطا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، مگر اُنہوں نے ظلم وزیادتی کا رویہ رکھا نبی کے ساتھ بھی اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کے دین اور آیات کے ساتھ بھی۔ ظالموں نے اس انداز سے انکار کیا گویا اُنہوں نے کُفر وشرک کا ارتکاب کیا، قرآن حکیم میں بارہا کُفر کے لئے فسق اور شرک کے لئے ''ظلم'' کا لفظ آیا ہے، جو لوگ کُفر اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں درحقیقت وہ ایک عظیم صداقت کے ساتھ ظلم کرتے ہیں یہ توضرب ہے حاکمیّت باری تعالیٰ اور عقیدۂ توحید کے ساتھ چنانچہ اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کُفر ظلم ہے، قرآن پاک اِس بات کا اظہار کرتا ہے کہ جو انسان بھی کُفر اور ظلم اختیار کرتا ہے وہ راہِ مستقیم سے ہٹ کر غلط راستوں کو اپنالیتا ہے فاسق اور فاجر ہو جاتا ہے اور آخر کار بَہشت کے بجائے جہنّم کا مستحق ہوتا ہے پھر دیکھئے ایسے فساد پرور لوگوں کا انجام کیا ہوا۔

آیت ۱۰۴ میں بتایا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس توراۃ، نشانیوں اور معجزات کے ساتھ گئے اور فرمایا میں تمام جہانوں کے رَبّ کا رسول ہوں، حق و باطل اور ایمان وکُفر کے مابین یہ معرکہ حق کی تمہید ہے اس منظر اور پسِ منظر میں ایک طرف پروردگارِ عالم کی جانب سے دعوتِ عام ہے اور مدِ مقابل وہ طاغوتی قوت وطاقت ہے جس نے ربوبیت اور بعثت نبوت کے تمام حقوق اپنے لئے مختص کئے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بتا دیا کہ تم صرف فرعون ہو اور میں اللہ کا رسول ہوں اور جو بات وہ کہتے ہیں، کرتے ہیں وہ باری تعالیٰ کی جانب سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں تک یہ دعوتِ حق پہنچائیں۔

آیت ۱۰۵ میں اظہار بیان ہے کہ بعثت نبوت اور اللہ کی ربوبیت کا تقاضا یہی ہے کہ میں رَبِّ جَلیل کی طرف حق کے سوا کوئی اور غلط بات منسوب نہ کروں میں تمہارے پاس ایسی صریح کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اس لئے جو رسول حقیقت الوہیت سے باخبر ہے وہ اللہ کے بارے میں صداقت کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتا ہے کیونکہ وہ مقام وحدت الوجود اور مرتبہ کبریائی سے

واقف ہوتا ہے اس حقیقت عظیم کے نظریہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے کہا اے فرعون! اپنے ظلم وجبر سے توبہ کرو اور بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ جانے دو اور رہنے کی آزادی دو! اور مصر سے نکل جانے دے۔

آیت ۱۰۶ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ فرعون نے جواب میں کہا کہ اگر تم کوئی نشانی رمعجزہ لائے ہو، تو اُس کو پیش کیا جائے اگر واقعی تم سچائی پرکار بند ہو! فرعون نے نشانی رمُعجزات کا مطالبہ اس لئے کیا کہ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پروردگار عالم کے رسول ہیں تو اور جھوٹ دعویٰ کررہے ہیں تو آپ علیہ السلام کی دعوت اختتام پذیر ہوجائے گی۔ حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو یقین ہی نہ رہے گا پھر جیسا چاہیں کہتے رہیں وہ محض ایک بے دعویٰ کے دعویدار ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ حق میں پیکر صداقت تھے۔

آیت ۱۰۷ میں بتایا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اچانک عظیم معجزات کے سبب لوگ حیران وششدر رہ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے ایک اژدھا کا رُوپ دھارلیا اور اس کی حقیقت یوں آشکار ہوئی کہ اب اس کے اژدھا ہونے میں کسی کو شک ہی نہ رہا تھا۔

آیت ۱۰۸ میں بیان کیا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے جو مُعجزات اپنی صداقت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے عطا کئے تھے اُنہیں پیش کردیا جب موسیٰ علیہ السلام اپنے دست کو بغل میں دے کر نکالتے تو سب دیکھنے والوں کے سامنے روشن ہوجاتا تھا، حقیقت تو یہ تھی کہ لوگوں کے پاس جیسے ''کمالاتِ فن'' معلوم ہوتے ہیں اسی طرح کے معجزات بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو دیئے جاتے ہیں۔ فرعون کا دَورِ سحر اور کمالات جادو کے اظہار کا زمانہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات سے سرفراز کیا گیا کہ جادُوگری پر اُن کی عظمت اور کمالِ عظمت ثابت ہوگئی اور ہاتھ کو بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ روشن، تاباں اور سفید ہوگیا اور پورا ماحول چمکتا ہوا نظر آیا۔

آیت ۱۰۰ تا ۱۰۸ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر

ہلاک ہونے والے تو اپنے انجام تک پہنچے۔ مگر ان کی ہلاکت سے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان چھوڑ دیا کیسی کیسی خوش حالی اور مضبوط ترین اور طاقت ور قومیں تھیں، جن کے پاس وسائل کی کمی نہ تھی، دولت وثروت تھی، مگر مسلسل گناہ میں ملوث رہنے کے سبب اللہ تعالیٰ کی عذاب رگرفت میں آئے اور تباہی ایسی ہوئی کہ بس نشانِ عبرت کے سوا کچھ نہ رہا دل پر عمل کا اثر ضرور پڑتا ہے، اگر عمل اچھے نہ ہوں تو دل کا دروازہ حق بات کی ہدایت کے لئے بند ہوجاتا ہے۔ اُمتِ مُسلمہ کی رُشد وہدایت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تباہ شُدہ بستیوں اور عذابِ الٰہی کے احوال اور تمام واقعات بیان کردیئے گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم واضح دلیل روشن اور مُعجزات لے کر آئے لیکن حق کو لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ حق دی، اور کہا میں تمام جہانوں کے ربّ کا رسول ہوں! میں تمہاری تربیت کرنا چاہتا ہوں، کُفر وشرک سے اور ظلم وستم سے بچو بنی اسرائیل کو میرے ہمراہ جانے دو! فرعون کا دُور جادو کے کمالات کا دُور تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا وہ اژدھا بن گیا اِس معجزہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمالِ عظمت جادوگروں پر ثابت ہوئی۔

Marfat.com

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾	کہنے لگے قوم فرعون کے سردار/رئیس واقعی یہ شخص تو بڑا کاہن/جادوگر ہے۔(١٠٩)
يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾	یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے اور اب کیا صلاح/مشورہ دیتے ہو!۔(١١٠)
قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾	اُنہوں نے کہا (طے کر کے) آپ اُن کو اور اُن کے بھائی کو مُہلت دو! اور شہروں میں لوگ جمع کرنے والے/ہرکارے بھیج دو!۔(١١١)
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾	تا کہ وہ تمہارے پاس مہارت رکھنے والے جادوگروں کو لے آئیں۔ (١١٢)
وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾	اور بہت سارے کاہن/ماہر ساحر فرعون کے پاس آ گئے! کہا ہم کو واقعی بڑا صلہ/انعام ملنا چاہئے کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں غالب آ جائیں۔(١١٣)
قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾	کہا فرعون نے کیوں: نہیں! تم کو مقرّب لوگوں میں شامل کر لیا جائے گا ر تم دربار کے خاصانِ خاص میں داخل ہو جاؤ گے۔(١١٤)
قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾	کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام آپ پہلے ڈالیں، یا ورنہ ہم ہی پہل کرتے ہیں ڈالنے میں۔(١١٥)
قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم ہی ڈالو! پس جب اُنہوں نے ڈالا، تو لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا اور اُن پر ہیبت طاری کر دی/آنکھوں کو مسحور کر کے دلوں کو خوف زدہ کر دیا اور سحر کا بڑا کرتب دکھایا۔(١١٦)
وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾	اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی! کہ ڈال دے اپنا عَصا پس کیا تھا کہ عصا کا ڈالنا تھا کہ نگلنے لگا فریب طلسم کو!(١١٧)

الفاظ و معانی آیت ١٠٩ تا ١١٧

﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ کہا قومِ فرعون کے سرداروں نے، لفظ مَلَا کسی قوم کے مقتدر سرداروں کے لئے بولا جاتا ہے ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ﴾ جاننے والا، سحرو جادو، علیم بہت جاننے والا علم سے مبالغہ عَلِمَ اس نے جانا، عِلْمٌ سے ماضی، واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔(بحوالہ قاموس القرآن)

جب فرعون کے دربار کے لوگ لکڑی کے عصا کو مُہیب اژدھے کی صورت اختیار کرتے دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک کو چندے آفتاب/روشن دیکھا تو یہ جان نہ سکے کہ یہ تو معجزہ ہے۔ ان کی عقل سلیم یہ سمجھنے سے قاصر رہی یہ فطرت اور قوانین کے خالق کی قدرت کی ایک نشانی ہے وہ تو صرف اتنا خیال کر سکے کہ یہ تو کاہن کا ایک فریب طلسمِ نظر ہے۔ یُرِیدُ چاہتا ہے یہ جادوگر۔ ﴿اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ﴾ یہ کہ تمہیں نکال دے تمہاری زمین سے، مراد ولایتِ مصر ہے اور بنی اسرائیل کو حکومت سپرد کر دے فرعون نے جب یہ گفتگو سُنی تو کہنے لگا۔ ﴿فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ﴾ پھر کیا حکم کرتے ہو تم مجھے اس کی تدبیر کا! اے قومِ قبط! کے سردار باہم اپنی آراء کا اظہار کرو اس فتنہ کا تدارک کیسے کیا جائے؟ مقامِ حیف تو یہ ہے کہ اُنہیں یہ احساس ہی نہیں رہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں وہ اُنہیں اپنا سیاسی حریف جاننے لگے! حالانکہ اللہ کا رسول تو خیر خواہی میں مصروفِ عمل رہتا ہے اور قوم کے لوگوں کو ظلم سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ﴾ کہا اُنہوں نے ڈھیل/مُہلت دے، اَرْجِهْ، اِرْجَاءٌ سے مشتق جس کے معنیٰ ڈھیل دینے اور آس دلانے کے آتے ہیں، فعل امر واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق ﴿وَاَخَاهُ﴾ اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو، تاخیر کرو اس کی مہم میں عجلت نہ کرو۔ ﴿وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ﴾ اور بھیج شہروں میں جو ''صعید'' مصر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مَدَآئِنَ، مَدِیْنَۃٌ کی جمع ہے۔ جو ہر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے ﴿اَرْسِلْ﴾ تو بھیج دے، پیغام دے۔ اِرْسَالٌ سے فعل اَمر کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے لحاظ سے ﴿حٰشِرِیْنَ﴾ گروہ اکٹھا کرنے والے، اس کا واحد حَاشِرٌ ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''سپاہی جو اطراف ملک سے جادوگروں کو جمع کر کے لائیں''۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

﴿یَاْتُوْکَ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ﴾ لائیں تیرے پاس ہر کاہن/جادوگر کو جو جاننے والا ہو اور اپنے فن میں کامل ہو، مفسرین نے لکھا ہے کہ جس قدر ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے اس قدر/اتنے کسی دور میں نہیں ہوئے اور ساحروں کے سردار 'صعید' کے شہروں کے کنارے بسا کرتے تھے ''تفسیر دمیاطی'' میں ہے کہ مدائن صعید میں دو بھائی تھے اور انہیں ''فنِ جادو'' میں بڑی مہارت تھی جب فرعون کے بھیجے ہوئے ہرکارے/لوگ اُن کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنی والدہ سے کہا ہمیں ہمارے والد کی لحد/قبر پر جانے دیا جائے ماں کی اجازت پانے کے بعد وہ ماں کے ہمراہ قبر پر گئے اور اپنے والد کو صدا دی، اُس نے جواب دیا وہ/بولے اے ابا! شہنشاہ مصر نے طلب کیا ہے کیونکہ اُن کی سرزمین میں دو آدمی آگئے ہیں اُن کے ساتھ لشکر ہے نہ سپاہ، انہوں نے شاہِ مصر کو تنگ کر دیا ہے اُن کے پاس ایک عصا ہے جب اُسے ڈالتے ہیں تو اژدھا ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس کے سامنے آتا ہے نگل جاتا ہے فرعون نے اُن سے مقابلہ کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے لحد سے باپ نے جواب دیا کہ جب تم مصر میں پہنچنا، تو دریافت کرنا جب وہ دونوں آدمی سوتے ہیں تو وہ عصا اژدھا ہوتا ہے یا نہیں! اگر اژدھا ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ جادو نہیں؟ اس لئے کہ جب جادوگر سوتا ہے تو اس کا جادو اثر نہیں کرتا، اگر حالِ کیفیت ایسی ہے تو تم کیا؟ جہاں میں کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اُن سے مقابلہ کر سکے وہ دونوں بھائی اپنے شاگردوں اور مصاحبوں سمیت بارہ ہزار آدمی تھے۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اول از مولوی فخر الدینؒ)

Marfat.com

اور ''زادالمسیر'' میں لکھا ہے کہ ستر ہزار مصری آئے اور فرعون کی ڈیوڑھی /محل میں جمع ہوئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس اُن کے بُلانے کے بعد اور جب فرعون سے اُن کی آنکھیں چار ہوئیں تو کہا جادوگروں نے ﴿قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا﴾ اور کیا ہوگا ہمارے لئے کچھ /بدلہ۔

﴿اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ اگر ہم ہوں غالب موسیٰ علیہ السلام پر۔ ﴿قَالَ نَعَمْ﴾ فرعون بولا ہاں! صلہ/بدلہ ملے گا۔

﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ اس پر کچھ اُجرت /انعام بھی ملے گا تم سب میرے پسندیدہ /مقرّبین میں ہو جاؤ گے جب چاہنا میرے پاس چلے آنا، تحریر ملتی ہے کہ ان جادوگروں کے گروہ میں چار آدمی سردار تھے اور وہ دونوں بھائی جنہیں ''سابور'' اور ''عاذور'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے شامل تھے۔ ''مُصفّی'' اور ''شرح لباب'' میں لکھا ہے کہ ان چار سرداروں میں ایک ساحر اور سردار تھا جس کا نام شمعون تھا جب وہ مصر میں آئے تو ''سابور'' اور ''عاذور'' دونوں بھائیوں نے جب اپنے والد سے سوال جواب کا تذکرہ لوگوں سے کیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونے جاگنے اور عصا کے اژدھا بن جانے کا حال خوب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سوتے ہیں تو عصا، اژدھا ہو کر اُن کی پاسبانی کرتا ہے اس بات سے ان جادوگروں کو خاصا تردد لاحق ہوا، دغدغہ ❶ ہوا۔

مگر اس حال کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بُلایا اور یہ بات قرار پاگئی کہ ساحروں سے مقابلہ کریں اور مقابلے کی مجلس کا اہتمام اور انتظام ہوا، پھر کیا ہونا تھا، جادُوگر چند عصے اور لاٹھیاں، عصے، رسیّاں میدان میں لے کر آئے اور فرعون تختِ شاہی پر فروکش ہوا اور مصر کے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ ❷ ستر (٧٠) ہزار جادُوگر ایک طرف صف آراء ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ایک جانب استادہ /کھڑے ہوئے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ادب اور احترام کا معاملہ کیا پہلا موقع اُن کو دینے کی پیش کش کی۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى﴾ کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ساحروں نے۔ ﴿اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ یا یہ کہ تو ڈال عصا اپنا۔ ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴾ یا یہ کہ ہم ہی ہوں ڈالنے والے، رسیّاں اور لاٹھیاں تُلْقِیْ تو ڈالتا، القاءٌ کے معنی ڈالنے کے آتے ہیں فعل مضارع واحد مذکّر غائب۔ جادوگروں کا یہ کہنا '' کہ آپ پہلے ڈالیں عظمت اقرار اور تکبّر اظہار تھا وہی قطعی بات کی پرواہ نہیں کی تھی کہ آغازِ عمل اُن کی طرف سے ہو کیونکہ بہر نوع اپنے فنِ مہارت پر یقین تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے منشاء کو جانتے ہوئے، محسوس کرتے ہوئے اور اپنے مُعجزہ کامل پر یقین رکھتے ہوئے پہلا موقع اُن کو فراہم کر دیا۔

﴿قَالَ﴾ کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کرم اور خلق کی راہ جو انبیاءؑ کو ہوتی ہے۔ ﴿اَلْقُوْا﴾ تم ہی ڈالو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزم واستقلال کا ثبوت دینے کے لئے اُن سے پہل کرائی اس میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ پہلے ساحر اپنی لاٹھیوں اور رسیّوں کو

---

❶ ..... دغدغہ بمعنی خوف /اندیشہ /رشک وشبہ بحوالہ فیروز اللغات۔

❷ ..... اُن کی تعداد میں مختلف روایات ہیں ٩٠٠ سے لے کر تین لاکھ تک، اُن کے ساتھ لاٹھیوں اور رسیوں کا ایک انبار تھا جس کو تین سو (٣٠٠) اُونٹ میں لاد کر لایا گیا تھا۔ (بحوالہ تفسیر قرطبیؒ)

Marfat.com

سانپ بنالیں تو پھر عصا موسیٰ کا معجزہ صرف یہی کہ وہ اژدہا بن جائے بلکہ اس کا اظہار اس طرح ہو کہ ''وہ جادو سحر زدہ سانپوں کو نگل بھی جائے تا کہ فنِ جادوگری کی کھلی شکست پہلے ہی اُن پر عیاں ہو جائے''۔ (بحوالہ بیان القرآن)

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا﴾ پھر جب ڈالا جادوگروں نے جو بنایا تھا۔ ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ جادو کر دیا، آنکھوں پر لوگوں کی یعنی دکھائی دی اُنہیں خیالی شئے جس کی حقیقت کچھ نہ تھی اور اصلیّت بھی نہ تھی آیت کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا جادو ایک نوعیّت کی فریبِ نظر اور تخیّل کا احساس تھا، جس سے دیکھنے والوں کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ رسیّاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں۔ ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ اور ڈرایا لوگوں کو، اِسْتَرْهَبُوْا، اِسْتَرْهَابٌ سے فعل ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ قواعد کے مطابق۔ یعنی اُنہوں نے لوگوں کو خوف زدہ کر دیا اِرھبوا باب استفعال، بابِ افعال کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ ﴿وَجَآءُوْا بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ اور لائے جادو بڑا۔ گویا ''بذعم خویش'' اُنہوں نے فنِ سحر کا عظیم مظاہرہ کیا، موٹی موٹی رسیّوں کو درمیان سے خالی بٹا تھا اور روغن اُس پر چڑھایا تھا، لمبی لمبی لکڑیاں اندر سے خالی کر کے سب میں پارہ بھر دیا تھا جب تمازتِ آفتاب ان میں پہنچی تو وہ رسیّاں اور لکڑیاں باہم لپٹنے لگیں۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

تفسیر عین المعانی میں تحریر ہے کہ ''زمین کے نیچے جادوگروں نے کھود کر آگ جلا دی تھی جب زمین کے نیچے سے آگ کی گرمی اور اُوپر سے آفتاب کی حرارت نے اثر کیا تو شکلیں حرکت میں آ کر ایسی دکھائی دیں کی تمام میدان سانپوں سے بھرا ہوا ہے''۔ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى﴾ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ ﴿اَلْقِ عَصَاكَ﴾ ڈالے اپنا عصا، اَلْقِ تو ڈال، اِلْقَاءٌ سے فعل اَمر کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا تو وہ اژدہا ہو گیا، منہ کھولے ہوئے۔ ﴿فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ پس جب عصا اژدہا ہوتا تھا تو نگل جاتا تھا جو کچھ فریب وہ کرتے تھے، اور خلق کو جھوٹ دکھاتے تھے۔ تَلْقَفُ وہ نگل جاتی ہے، لَقْفٌ سے جس کے معنیٰ کسی شئے کے پُھرتی کے ساتھ نگل جانے کے ہیں، فعل مضارع واحد مؤنث غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿يَاْفِكُوْنَ﴾ جس کو وہ پلٹ رہے تھے اِفْكٌ سے مُضارع جمع مذکر غائب، جب رسیوں اور لکڑیوں کو اژدہا نگل چکا تو تماشائیوں کی طرف رُخ کیا اور لوگ بھاگنے لگے اور اس بھیڑ میں لوگوں کی خاصی تعداد تباہی اور ہلاکت سے ہمکنار ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس اژدھے کو پکڑ لیا، وہی عصا ہو گیا اور حق تعالیٰ نے اُن رسیّوں اور لکڑیوں کو مَعدُوم کر دیا۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ)

تشریح وتوضیحات آیت ۱۰۹ تا ۱۱۷

آیت ۱۰۹ میں اظہار بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر قومِ فرعون کے دربار کے لوگوں نے اُسے جادو سے تعبیر کر کے یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر، دانا جادوگر ہے بھلا اس حقیقت سے کیا انکار، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر اپنے عروج کمال پر تھا، ''اس حادثۂ وقت کو کیا نام دیا جائے'' کے مصداق اُنہوں نے معجزات کو بھی جادو قرار دیا، معجزہ میں کُلّی طور پر انسان کو تو کچھ امتیاز ہی نہیں ہوتا، معجزات تو صرف باری تعالیٰ کی مشیّت اور رضا سے ظاہر ہوتے ہیں، جب فرعون کے

دربار کے ❶ لوگوں نے لکڑی کے عصا مُہیب اژدھا کی شکل اختیار کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کو سورج کی کرن سے روشن پایا تو یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ مُعجزہ ہے، فطرت اور قانون فطرت کے خالق کی قدرت کا ایک کرشمۂ قدرت ہے اس معجزے کو بھی اُنھوں نے جادو سمجھ لیا۔

گیتی کائنات میں جادو کا اعتقاد، قدیم طریقۂ کار، عالمگیر گُمراہیوں میں ایک جُہل گُمراہی ہے جو آج تک دَورِ جدید میں بنی نوعِ انسان کے لئے، اُفتاد اور مصیبت کی علامت ہے قرآنِ حکیم نے چودہ صدی پہلے اس سِحر کی نشان دہی کر دی تھی، صد حیف! جہلِ فرد کی تاریکی میں مُبتلا ہو کر مسیحی جہل نے ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

آیت ١١٠ میں بتایا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جن کو تم ''ماہر ساحر'' کے نام سے موسوم کرتے ہو! تمہیں تمہاری سرزمین / وادی سے بے دخل کرنا چاہتا ہے تو اب بھلا بتاؤ تو سہی! تمہاری کیا صلاح ہے تو اے قوم قبط کے رئیسو! مشورہ تو دو اس فتنہ کا سدِّ باب کیونکر کیا جائے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعویٰ کیا ہے وہ دوررس نتائج کا حامل ہیں، اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ وہ سرزمین مصر سے ہمیں نکالنے کا متمنّی ہے اقتداء اور سلطنت سے ہمیں محروم کرنے کا خواہاں ہے وہ ہمارے نظام کے خلاف سازش کر رہا ہے ''بلکہ وہ انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے دَورِ جدید میں اسے یہی کہا جا سکتا ہے''۔ (بحوالہ تفسیر ظلال القرآن از سید قطب شہید جلد سوئم) اس طرح فرعون اور اس کے ساتھیوں نے احساس کر لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کس قدر موثر ہے اور یہی حقیقتِ اَمر تمام طاغوتی قوتیں ہر دور میں اس کا ادراک کر لیتی ہیں ایک عرب نے ایک فطری دانش اور ادراک کی صلاحیّت کے بناء پر یہ کہا کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں کو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی دعوتِ ایمان و توحید دیتے ہیں یہ ایک ایسی دعوتِ حق ہے جسے بادشاہ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے یہ عرب منکرین درحقیقت اصل عربی زبان کے مفہوم و معانی سے واقف تھے اُنہیں علم تھا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد اعلان حکمرانوں کے خلاف کھلی بغاوت کے مترادف ہے ایک قلب حزیں میں یا ایک سرزمین میں کلمہ کی شہادت اور پھر غیر اللہ کی اور خلافِ شریعت حکمرانی کا تصوّر قائم ہی نہیں ہو سکتا، اب فرعون اور اس کے لوگوں کے درمیان باہمی مشاورت اور مذاکرات اور مشوروں کا آغاز ہو گیا۔

آیت ١١١ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ باہمی گفت و شنید کے بعد یہ طے ہوا کہ فرعون سے بصد احترام یہ کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے سلسلے میں عُجلت نہ کی جائے۔

اگر یہ جادوگر ہیں اور فنِ ساحری میں مہارت رکھتے ہیں اور جادُو کے ذریعہ ہمارے ملک کو فتح کرنے کی کوشش میں ہیں تو اُن کا تقابلی مقابلہ ہمارے لئے کچھ مشکل تو نہیں ہمارے وطن میں فن جادو کے ماہرین کی ایک فوج ''ظفر موج'' موجود ہے تو جادوگر اپنے ساحر سے مات دیں گے چنانچہ کچھ لوگوں کو شہر سے اطراف میں بھیج دیا گیا۔

---

❶ ...... فرعون اس لفظ کو لغت میں تفرعین سے مشتق بتایا ہے جس کے معنیٰ غرور کرنے والے کے ہیں لیکن اصل بات یہ فروہ سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مفہوم لغت قدیم مصر میں ''شہنشاہِ اعظم'' کے ہیں عربوں نے معرب کر کے فرعون اور اس کی جمع فراعنہ بنائی، فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں بلکہ شاہانِ مصر کا لقب ہے جو مصر میں حام بن نوح کی نسل سے تھے، جس طرح برصغیر ہندوستان میں راجہ اور قدیم روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا ہے سلطنتِ مصر کے چار دور ہیں۔ (بحوالہ تفسیر فتح المنان، از عبدالحق حقانی جلد دوئم)

Marfat.com

آیت ١١٢ میں اظہارِ بیان ہے کہ ہر علم والے جادوگر کو آپ کے پاس لا کر حاضر کردیں چنانچہ لوگ روانہ ہوئے اور ماہرین کو تلاش کر کے ہر شہر سے ساحروں کو جمع کر کے لائے تا کہ اُن کا مقابلہ کیا جائے، سو ایسا ہی کیا گیا، اُس وقت مصر میں کاہن اور جادوگری اپنے عروج پر تھی خود کاہن ہی جادوگری کا کام سرانجام دیتے تھے۔ گویا جادو بُت پرستانہ مذہب کا جزو بن گیا تھا۔ (بحوالہ اسرار التنزیل از امیر محمد اکرم اعوان) یہی موضوعِ سخن بیان کیا جارہا ہے آیت ۵۷ سورۃ طٰہٰ پارہ قَالَ اَلَمْ ١٦ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى

فرعون کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جادو کے زُور سے ہمارے ملک سے ہمیں نکال دو گے۔ (آیت:۵۷)

گویا جب فرعون کو واضح دلیل کے ساتھ وہ مُعجزات دکھائے گئے، جو عَصا اور یدِ بیضا کی شکل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ہائے رہے! بَدبختی! فرعون نے اُسے جادو کا کرتب سمجھا اور گویا ہوا، اِس سحر کی اثر پذیری کے ذریعہ سے کیا ہمیں ہماری سرزمین وطن سے بے دخل کرنا چاہتے ہو، مزید برآں اسی مفہوم کا بیان آیت ۵۹ سورۃ طٰہٰ پارہ ١٦ قَالَ اَلَمْ میں آیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا وعدہ جشن کے دن کا ہے اور یہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔ (آیت ۵۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے "نُو روز کا دن اور چاشت کی ساعت سب اکٹھے ہو جائیں"۔ (بحوالہ قرآن کریم، اردو تفسیر حواشی از صلاح الدین یوسف) اس زینت جشن سے مُراد فرعونیوں کی عید تھی اس میں وہ آراستہ ہو کر جمع ہوئے تھے" (بحوالہ کنز الایمان از احمد رضا خانؒ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ دن عاشورہ دسویں محرم کا تھا"۔

آیت ١١٣ میں بیان کیا جارہا ہے کہ بہت سے جادوگر فرعون کے پاس آگئے ان جادوگروں نے اُجرت کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہمیں کیا انعام ملے گا، اگر ہم موسیٰؑ پر غالب رہے تو، حقیقت تو یہ ہے کہ پیشہ ور کاہن کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ پیسہ کمایا جائے دنیا میں دستور یہ رہا ہے کہ ہمیشہ اہلِ علم طاغوتی اور ظالم شہنشاہوں کی خدمت کو اپنا شعار سمجھا۔

صاحبِ تفسیر کبیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ "جادو کے بَل بوتے پر کچھ ہوسکتا تو اُنہیں فرعون سے مطالبہ اُجرت کی کیا ضرورت تھی جادو کے زور سے مٹی کو سونا کر دیتے اور دنیا کے بادشاہ بن جاتے مگر جادو صرف فریبِ نظر ہے۔ شئے کی حقیقت کو نہیں تبدیل کر سکتا۔

آیت ١١٤ میں وضاحت کے بتایا جارہا ہے کہ فرعون نے کہا بے شک تمہیں کامیابی کی صورت میں اُجرت تو پیش کی جائے گی اس کے علاوہ تم دربار کے خاصان خاص میں داخل ہو جاؤ گے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ طاغوتی حکمرانوں نے ان پیشہ ور لوگوں کو انعام سے بھی نوازا ہے اور اپنا مقرب بھی بنایا ہے، فرعون نے یقین دہانی کرا کے اُنہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بلا خوف و خطر مقابلہ کریں لیکن اُن کو خبر ہی نہ تھی کہ یہ فریضہ سرانجام دینا اس قدر

آسان تو نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دی جائے یہاں معاملہ تخیلاتی سحر کا نہ تھا بلکہ اللہ کے رسول علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مُعجزات کے ساتھ تھا، جادوگر اُجرت کے سلسلے میں قدرے مطمئن ہو کر فرعون کی قربت پانے کی کوشش میں مقابلے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

آیت ۱۱۵ میں بتایا جا رہا ہے کہ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ پہل کریں ورنہ ہم ہی عصا ڈالتے ہیں رگویا پہل کی ابتداء کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ پُر یقین اور پُر اعتماد تھے اس لئے کہا کہ تم ہی آغاز کر دو، مقابلے کی تاریخ کا تعین ہوا، ایک مقررہ مقام پر سب یکجا ہوئے ایک طرف مصر کے جادوگروں کا جمِ غفیر موجود تھا دوسری طرف صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام او حضرت ہارون علیہ السلام سادہ لوح، دونوں بھائی جن کے پاس ساز و سامان کے کوئی اسباب مُہیا نہ تھے، جادوگر اپنی قوت اور شجاعت پر نازاں تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نفس کے اندر ایمان، ایقان اور طمانیت قلب کا عزم پیکر تھا۔

آیت ۱۱۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے اور ربّ جلیل کی تائید اور رضا اُنہیں حاصل تھی اور اُنہیں باری تعالیٰ کی مدد کا کامل یقین تھا اس لئے بلا کسی خوف اور خطر سے جادوگروں کو کہا کہ جو کچھ دکھانا چاہتے ہو کر دکھاؤ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد کامل تھا کہ اُن کے مُعجزے کے سامنے جادو ناکام ہو جائے گا، پس جب ساحروں نے جادو کیا تو لوگوں کی آنکھوں میں ''نظر بندی'' کے آثار نمایاں ہوئے اور عارضی طور پر اُن پر ہیبت طاری ہوئی اس کا اثر صرف نظر بندی تک اثر انداز ہوا۔ علامہ ابن حُبان الاندلسی رقم طراز ہیں کہ ''جادو کسی شئے کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا'' البتہ اس کے اثر سے دیکھنے والے یہ گُمان کرنے لگتے ہیں کہ ''چیز کی حقیقت بدل گئی ہے''۔ (بحوالہ بحرِ محیط)

آیت ۱۱۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا روحی کی ''اپنا عصا ڈال دیجئے'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا پھینکتے ہی وہ عصا ایک خوفناک اژدھا کی صورت اختیار کر کے سب کچھ نگل گیا۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہ اجتماع سکندریہ میں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اژدھے کی دم سمندر پار پہنچ گئی تھی وہ جادوگروں کی سحر کاری کو ایک ایک کر کے نگل گیا اس طرح جادو کا خاتمہ ہوا۔ (بحوالہ کنز الایمان از احمد رضا خانؒ)

آیت ۱۰۹ تا ۱۱۷ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر

جادُو اور مُعجزہ میں خاصا فرق ہوتا ہے، جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مُعجزہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برتری کے قائل تھے، جادوگر کا تعلق ربط شیطان سے ہوتا ہے جادوگر کا شمار بدکار میں ہوتا ہے۔ جبکہ نبی کا ربطِ عمل حسن ذاتِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے عقائد اور اعمالِ حسنہ میں لطافت اور پاکیزگی ہوتی ہے جادو کا عمل ذاتی فخر اور بات منوانے کی خاطر ہوتا ہے جبکہ مُعجزہ کا اظہار عظمتِ باری تعالیٰ کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہوتا ہے مُعجزات کے سلسلے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ قوموں کے مزاج اور رجحانات کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے مُعجزے ملے، جس سے جادُوگروں کے طِلسم کو باطل کیا گیا۔ جادوگر فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ہم غلبہ پا گئے تو کیا ہمیں بڑا صِلہ ملے گا، فرعون نے کہا بے شک تم مُقربین میں شامل ہو جائیں گے۔

Marfat.com

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
پس حق عیاں ہوا، اور جو کچھ اُنہوں نے کہا تھا غلط ثابت ہوا۔ (۱۱۸)

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
پس وہ مغلوب ہوئے / وہ لوگ شکست خوردہ ہوئے اور ذلیل و رُسوا پلٹے۔ (۱۱۹)

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾
اور وہ جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ (۱۲۰)

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
اور (وہ بے ساختہ) بولنے لگے ہم ایمان لے آئے ہیں، سارے جہانوں کے پروردگار پر۔ (۱۲۱)

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
جو ربّ ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا۔ (۱۲۲)

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
فرعون کہنے لگا! تم میری اجازت لینے سے قبل کیوں ایمان لائے ہو، یہ تو ایک فریب / سازش ہے جو تم لوگوں نے مل کر کی ہے، شہر میں۔ تا کہ یہاں کے باشندوں / رہنے والوں کو باہر نکال دو، سو اب تم کو اِس سازش کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ (۱۲۳)

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
قسم ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری جانب کے پاؤں کٹوا دوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ (۱۲۴)

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
جادوگروں نے جواب میں کہا ہمیں تو مر کر اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر ہی جانا ہے۔ (۱۲۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۱۸ تا ۱۲۵

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ﴾ پس ثابت اور ظاہر ہوگئی صداقت / سچائی، ﴿وَبَطَلَ﴾ اور زائل ہوگیا، مٹ گیا بَطَلَ، بُطْلَانٌ جس کے معنیٰ ضائع ہونے کے آتے ہیں فعل ماضی کا صیغہ، واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ وہ عمل کرتے تھے جادُو سے اور ساحروں نے کہا باہم کہ اگر یہ سحر / جادُو ہوتا تو چاہئے تھا کہ ہمارے جادو کو زائل کر دیتا۔ ﴿فَغُلِبُوْا﴾ پھر مَغلوب ہوگئے جادوگر۔ ﴿هُنَالِكَ﴾ جہاں سے موسیٰ ہوئے غالب اور فرعون اور اس کی قوم مَغلوب اور منکوت ہار گئی۔

﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ اور پھرے اس جگہ سے ذلیل، مایوس اور نامُراد۔ ﴿وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ﴾ اور ڈال دیئے گئے جادو گر اپنے منہ کے بل ﴿سٰجِدِيْنَ﴾ سجدہ کرنے والے اللہ کو۔ سجدے میں ڈال دیئے گئے کہہ کر اس طرف لطیف اشارہ کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بورُونما ہوا اُس کو دیکھ کر یہ ایسے مبہوت و بے بس ہوگئے کہ بے اختیار سجدہ ریز ہوگئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توفیق بخش دی تو وہ سجدے میں چلے گئے۔ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ﴾ کہا فرعون نے ساحروں سے تم ایمان لے آئے ہو موسیٰ علیہ السلام پر اور اس کی تصدیق تم نے کر دی۔ ﴿قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ تم نے میری اجازت سے پہلے ایمان قبول کر لیا۔ اٰذَنَ میں اجازت دوں، اِیْذَانٌ سے جس کا مفہوم اجازت دینے کے ہیں فعل مضارع کا

Marfat.com

صیغہ واحد متکلم۔ ﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ تا کہ تم نکالو اِس شہر سے اُن لوگوں کو جو قبطی ہیں اور یہ ملک تمہارے اور بنی اسرائیل کے لئے خاص ہو جائے ﴿تُخْرِجُوْا﴾ تم نکالو گے اخراج سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر قواعد کے لحاظ سے۔

﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس قریب ہے کہ تم جان لو گے نتیجہ اس عمل کا جو تم نے ترتیب دیا ہے یہ دھمکی تو مجمل/بے سود تھی، پھر اس کے اظہار کے لئے فرعون بولا۔ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ﴾ البتہ کاٹوں گا میں۔ ﴿اَيْدِيَكُمْ﴾ داہنے ہاتھ تمہارے۔ ﴿اُقَطِّعَنَّ﴾ میں ضرور کاٹ لوں گا تَقْطِيْعٌ سے فعل مضارع واحد متکلم۔ ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ اور بائیں پاؤں تمہارے۔

﴿مِنْ خِلَافٍ﴾ مختلف سمتوں سے، یعنی ہر طرف سے ایک عضو۔ ﴿ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ پھر سُولی پر لٹکا دوں گا تم سب کو فضیحت کرنے کے لئے اور دوسروں کو درسِ عبرت دینے کے لئے، کس قدر المناک سزا ہے جس کی ان نیک لوگوں کو دھمکی دے رہا ہے، ایک سمت کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں کاٹ کر، زندہ سولی پر چڑھا دینا کہ تڑپ تڑپ کر، ہچکیاں لیتے ہوئے موت کی آغوش سے ہمکنار ہو جائیں، لیکن اُن کو پتہ ہی نہیں عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے لوگ، عرفانِ محبت کی سزا جھیلنے کو ہمہ وقت بخوشی آمادہ رہتے ہیں۔ ﴿قَالُوْا﴾ بولے ساحر کہ ہمیں موت سے کیا خوفزدہ کرتا ہے، قتل کی کیا دھمکی دیتا ہے ہم تو موت کے اس قدر طلب گار ہیں جس قدر آدمی آبِ ذُلال کا (آبِ ذلال، صاف شفاف اور میٹھا پانی، نتھرا ہوا پانی، کسی بھیگی ہوئی دوا کا پانی)۔ (بحوالہ فیروز اللغات) اردو جدید، ﴿اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ﴾ بے شک ہم اپنے رَبّ کی طرف پھر کر جانے والے ہیں، پھر کیونکر ہم موت کے خواہاں نہ ہوں، مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آنی ہی آنی ہے تختہ دار پر آئے یا کسی اور طریقہ سے!۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۱۸ تا ۱۲۵

آیت ۱۱۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ پس حق تو پھر ظاہر ہو گیا، ساحروں اور فرعون کے لوگوں کا تمام کا تمام فریب باطل ثابت ہوا، حق تو حق ہی ہوتا ہے باطل کی خوبی یہ ضرور ہوتی ہے کہ وہ عارضی طور پر آنکھوں کو چکا چوند کر کے دلوں کو مرعوب ضرور کرتا ہے اور پھر لوگ یہ سوچنے لگتے ہیں کہ جھوٹ غالب ہی رہے گا لیکن جب واسطہ ایک سنجیدہ پُرعزم اور صداقتِ حقیقت سے ہوتا ہے تو وہ غُبارے کی طرح ہوتا ہے جو فضائے بسیط پر بکھرتے ہی پھٹ جاتا ہے وہ مانندِ حباب گُم ہو جاتا ہے اور محض گھاس کے شعلہ کی طرح ہوتا ہے جو فی الفور بجھ جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں جو اندازِ تعبیر کی وضاحت/بیان کی ہے اس سے اس بات کا احساسِ علم ہوتا ہے کہ حق ایک عظیم حقیقت کا عکاس ہے جو بھاری وجود کا مالک ہے، حق کے سوا تمام دیگر اُمور ہوا/فضا میں محیط ہو کر تحلیل ہو جاتے ہیں اور صداقت باطل پر غالب آ جاتی ہے۔

آیت ۱۱۹ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ فرعون اور اس کے لوگ میدان مقابلہ میں شکست سے دوچار ہونے کے سبب خوب رُسوا ہوئے اور تذلیل اُن کا مقدر بنی۔

آیت ۱۲۰ میں بتایا جا رہا ہے کہ کمالاتِ مُوسوی کی فیضان فتح کا منظر نامہ دیکھا تو جادوگر عقیدت سے مامور ہو کر سجدے میں چلے گئے اور اس رَبِّ جلیل پر ایمان لانے کی خبر کا اعلان کر دیا جس کی اُلوہیت اور وحدانیت کی دعوت مُوسیٰ علیہ السلام و ہارون

Marfat.com

علیہ السلام کی تھی۔ جب جادوگروں نے عصائے موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ نظروں کے سامنے دیکھا کہ وہ اژدھا کی صورت اختیار کر کے لاٹھیوں اور رسیّوں کو نگل گیا تو ساحروں کی سمجھ میں آیا، یہ تو جادو سے بالاتر، کوئی اور حقیقت ہے اور یہ علامتِ نشان دیکھ کر بے اختیار سجدے میں جا گرے۔ مفسرین نے تحریر کیا کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے ظہورِ حق پر سجدہ شکر ادا کیا''۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی از حضرت شبیر احمد عثمانیؒ) ساحر معجزہ والے مقابلے میں شکست کے بعد اللہ تعالیٰ کے آگے جھک گئے، معلوم ہوا کہ ''کامیاب ہونے پر سجدہ کرنا اللہ کے مقبول بندوں کی سُنّت ہے''۔ (بحوالہ تشریح القرآن از عبدالکریم پاریکھ)

آیت ۱۲۱ میں اظہارِ بیان ہے کہ ساحروں نے مان لیا، ایمان لے آئے پروردگارِ عالم پر، جادوگروں کے اندر حق پسندی اور سچائی کی روشنی کی کرن دبی ہوئی موجود تھی جو عصائے موسیٰ کے معجزات کے سبب بھڑک اُٹھی، انسان کے اندر جذبۂ صادق موجود ہو تو توفیق باری تعالیٰ سے وہ اپنا اثر دکھاتی ہے۔

آیت ۱۲۲ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی پروردگار ہے، جادوگروں جب سر بسجود ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ایمان لانے کا اقرار کرلیا، فرعون کے ساتھی اس مغالطہ میں پڑ سکتے تھے کہ سجدہ فرعون کو کیا گیا جس کو وہ خدا مانتے تھے (العیاذ باللہ) اس لئے ان ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ربّ کہہ کر اس حقیقت کا اعترافِ حق کرلیا کہ یہ سجدہ ہم خالقِ کائنات وحدہٗ لاشریک کو کررہے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

آیت ۱۲۳ میں بتایا جارہا ہے کہ فرعون نے کہا کہ تم لوگ میری اجازت طلب کئے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہو یہ ایک پُرفریب سازش ہے جو تم نے شہر میں کی ہے، اس کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو تم عنقریب اس بات کو جان لوگے کہ فرعون نے زمین پر یقینی طور پر سرکشی کررکھی تھی، چنانچہ اسی موضوعِ سخن کا بیان آیت ۶ سورۃ القصص ۲۸ پارہ اَمَّنْ خَلَقَ ۲۰ کی آیت ۶ میں ارشادِ ربی ہے:

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ۔

اور اُن کو زمین میں قدرت واقتدار عطا کریں، فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو وہ کچھ دکھادیں گے جن کا وہ اندیشہ رکھتے تھے، جس کے لئے اُنہیں ہر وقت ڈر اور خطرہ بنا ہوا تھا۔ آیت:۶

ہامان، فرعون کا وزیر تھا یہاں زمین سے مُراد ملک شام ہے اُنہیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے وطن ولشکر کی تباہی ہوگی اس اندیشہ کو ہم نے حقیقت کردیا۔

آیت ۱۲۴ میں بیان کیا جارہا ہے کہ فرعون نے اپنے زعم کے مطابق ان پاک داماں لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا اور تم نشانِ عبرت بن جاؤ گے! تشدد، اذیّت، سخت گیر اور عبرت آموز سزائیں وہ محرکات وسائل، جو ہر طاغوتی نظام حکومت حق کے مقابلے میں لے آتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے ہر طاغوتی طاقت، جہل خرد میں کھوئی ہوتی ہے اور ہر طاغوتی طاقتِ متکبر اور مغرور ہوتی ہے ظلم وتشدّد ہمیشہ سچائی کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے، سچا اور حقیقی ایمان اگر ایک لمحہ کے لئے بھی میسّر آجائے تو بصیرت، بصارت اور حکمت ایمانی کی توانائی

Marfat.com

پیدا کر دیتا ہے اور کائنات رنگ و بُو کی کوئی طاقت اس کو مرعوب و معتوب نہیں کر سکتی، وہ ساحر جو حوصلہ و انعام کی طلب میں کوشاں تھے، ایمان لانے کے بعد ایسے بے نیاز ہو گئے کہ کوئی جسمانی اذیّت کی دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی۔

آیت ١٢٥ میں اظہارِ بیان ہے کہ مؤمن ساحرین کی استقامت کا یہ عالم کہ انہیں نے کہا، کہ ہم کو تو اپنے رَبّ کی طرف ہی مرنے کے بعد رجوع ہونا ہے گویا وہ توحید اور شرابِ معرفت سے معمور اور مخمور ہو چکے تھے کہ گویا نظارہ بہشت و جہنم اُن کی نگاہوں کے سامنے تھا، بھلا انہیں فرعون کی دھمکی کی کیا پرواہ تھی ان کا بَرملا کہنا تھا کہ آخرت کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان دہ ہے اللہ کی رحمت، اور خوشنودی کی راہ کی خاطر گیتیٔ کائنات کا رنج والم برداشت کرنا عاشقوں کے لئے سہل اور عزت و توقیر کا مُوجب ہے۔

آیت ١١٨ تا ١٢٥ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر

جادُوگروں کو مغلوب ہونا پڑا وہ رُسوا اور ذلیل ہو کر رہ گئے جس قدر رُعب اُنہوں نے جمایا تھا سب کا سب ختم ہو گیا، یہ حق کی جیت تھی اور باطل کی شکست، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحروں پر عظیم فتح ملی اور لوگوں کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا اُن کی اُن شعبدہ بازی کی کوئی حیثیت نہیں! اب ہونا کیا تھا، ذِلّت و رُسوائی کا احساس ہوا تو حقیقت کا پتہ چل گیا حق کو توقیر عزّت ملی تو ''زمین بوس ہوئی قوم حجاز'' کے مصداق وہ سب ساحر سجدے میں گر گئے اور خبر کے طور پر اعلان کیا گیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حقانیّت اور احدیت کو تسلیم کر لیا ہے ہم رَبّ پر ایمان لاتے ہیں، وہ پروردگار جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اپنا رَبّ مانتے ہیں۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مُعجزہ دیکھا، فرعون اور اس کی قوم نے اس منظر کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھا، مگر ایمان لانے کی توفیق تو صرف اُن جادوگروں کو نصیب ہوئی یہ صلہ تھا اس بات کا کہ اُنہوں نے نبی کے ادب کا لحاظ کیا تھا، نبی کا تقدس کرنا سعادت کی دلیل ہے جب لوگوں کو احساس ہوا کہ جادوگر تو ایمان لا چکے ہیں تو دیگر احباب بھی اکثریّت کے ساتھ اس طرف مائل ہوئے اور منادی کرا دی گئی کہ حق تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ مگر فرعون نے رُخ بدلا، نئی چال چلی کہنے لگا، اچھا اب مجھے پتہ چلا کہ یہ میرے ملک کے خلاف سازش تھی، تمہاری منشاء یہ ہے کہ اس طرح سے لوگوں کو سراسیمہ کر کے مسندِ اقتدار پر قابض ہو جاؤ اس تمام عمل کو ایک سیاسی سازش کا نام دے کر حقیقی اثر زائل کرنا، چاہا اور کہنے لگا، میں تمہاری اس حرکت پر سزا دے کر تمہارا راز افشاں کرتا ہوں اور تمہیں تمہارے ہاتھ اور پیر کاٹ کر تمہارے نصف بدن کو سولی پر لٹکا دیا جائے گا، لیکن ساحروں نے تو کہہ دیا تھا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رَبّ پر ایمان لائے۔ جادوگروں کے اندر حق پسندی کی ایک کرن دبی ہوئی موجود تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مُعجزے کی برکت سے بھڑک اُٹھی، سعادت کا کوئی پہلو انسان کے اندر موجود ہو تو اللہ کی توفیق سے اپنا اثر دکھا جاتا ہے۔

ساحروں نے جواب دیا، ہم سب مر کر اپنے رَبّ کی طرف تو لوٹیں گے گویا غالبؔ کی زبان میں یوں کہیے

ع موت کا ایک دن مُعیّن ہے

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور تو نے ہم میں کیا بُرائی دیکھی، یہی نا کہ جب رَبّ کی نشانیاں ہمارے پاس آئیں تو ہم اپنے رَبّ کی آیتوں پر ایمان لے آئے، اے ہمارے رَبّ ہم پر انڈیل دے فیضان صبر اور ہمیں موت دے، حالتِ اسلام پر۔ (۱۲۶)

الفاظ و معانی آیت ۱۲۶

﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا﴾ اور تو ہم سے اسی لئے بدلہ لیتا ہے/ناپسند کرتا ہے مگر یہ کہ ہم ایمان لائیں۔ تَنْقِمُ، نَقَمُ سے غصّہ کرتے اور ناپسند کرتے ہیں فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ ﴿لَمَّا جَآءَتْنَا﴾ جبکہ آئیں وہ نشانیاں ہمارے پاس اور ہم نے دیکھ لیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر، ید بیضا تو مُعجزہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، پھر فرعون کی جانب سے مُنہ پھیر کر اللہ جلّ جلالہٗ کی طرف مُتوجّہ ہو کر اُنہوں نے کہا۔ ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رَبّ! ﴿اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا﴾ ہم کو صبر عنایت فرما۔ تا کہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو سہہ لیں اور حق کے ساتھ ایمان پر استقامت کے ساتھ قائم رہیں اور بے صبری نہ کریں کیونکہ قرآن میں حکم ہے "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ" اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [1] تو اے اللہ! کامل صبر کی توفیق عطا فرما۔ ﴿وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ﴾ اور مسلمان ہونے کی حالت میں ہمیں موت سے ہمکنار کرنا۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۲۶

آیت ۱۲۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ جادوگروں نے فرعون کو بر ملا کہا کہ اگر ہم سے کوئی خطا سرزد ہوتی یا کوئی بُرائی ہم انجام دیتے تو سزا دینا واقعی معقول بات تھی ہمارے لئے سزا اس لئے تجویز ہوئی کہ ہم نے اقرار کرلیا، اعتراف کرلیا، مان لیا، قبول کرلیا کہ اللہ'' وحدہٗ لاشریک'' ہے اور آیاتِ رَبّانی پڑھ کر، سیکھ کر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو حق سمجھ لیا ہے، سچائی وحقیقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ انعام سے نوازا جاتا، لیکن کتنی بدنصیبی کا مقام ہے کہ ہمیں سزا کا مستحق قرار دیا جارہا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، ہماری جان تو اس مقصدِ حق پر نثار ہے کافر ہمیں ایذا پہنچائیں اس کی فکر نہیں؟ اے اللہ ہمیں اسلام پر قائم رہتے ہوئے موت نصیب فرما، زندگی اور حیاتِ نو کے لُطف و کرم سے بڑھ کر اسلام عزیز ہے صبحدم آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت جنہوں نے فرعون کے ساحر کا فن دیکھا یا انہیں شام ڈھلے آفتاب کی کرن نے موسیٰ کے رَبّ کے فرمانبرداروں میں دیکھا۔

بات یہ ہے کہ جادوگروں کی گُفتگو مقابلہ کے آغاز سے پہلے نہایت ہی خوشامدانہ تھی، پھر اس کے بعد یہ پُرعزم اور ایمان کی حرارت میں ڈوبی ہوئی یہ گفتگو اس بات کی نشاندہی کر رہی ہے کہ اگر انسان کے دل و دماغ سے ایمان کی تابانی مفقود ہوجائے تو پھر اس سے زیادہ اور کیا شئے ہوسکتی ہے کہ اگر قلب و نظر میں ایمان کی تازگی ہے تو ایمان کی دولت سے انسان سرشار رہے تو اس سے زیادہ بلند و بالا کوئی منزل نہیں، جس رَبّ کی نشانیوں کو تسلیم کرنے سے ہم تیری نگاہ میں مُجرم قرار پائے اُس رَبِّ جلیل سے ہم لبِ کُشا ہیں کہ وہ ہماری زیادتیوں سے درگزر فرما کر ہمیں صبر وجمیل کی توفیقِ کرامت عطا فرمائے۔

[1] ..... نعمت میں اللہ کے شکر کی تلقین اور صبر میں باری تعالیٰ سے استقامت کی تاکید ہے

Marfat.com

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور قومِ فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو یونہی چھوڑے رہنے دو گے کہ وہ زمین پر فساد برپا کرتے رہیں اور وہ آپ کو اور آپ کے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دیں / موقوف کر دیں، فرعون نے کہا، ہم قتل کر دیں گے اُن کے بیٹوں کو اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم بلا شبہ اُن پر غالب ہیں / اُن پر ہمارے اقتدار کی گرفت بھاری ہے / زور آور ہے۔ (۱۲۷)

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: کہ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو بے شک یہ زمین اللہ کی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور انجام خیر تو اللہ سے ڈرنے والوں / پرہیزگاروں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ (۱۲۸)

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا! آپ علیہ السلام کے آنے سے قبل بھی ہمیں ستایا جاتا تھا، ہم تو مصیبت میں ہی رہے، آپ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی، اُنہوں نے جواب دیا قریب ہے وہ ساعت کہ تمہارا ربّ ہلاک کر دے گا، تمہارے دشمن کو اور تمہیں اس سرزمین میں خلیفہ بنا دے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کیسے کام انجام دیتے ہو / عمل کرتے ہو۔ (۱۲۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹

﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو یوں چھوڑ دیں گے تا کہ فساد کریں زمین مصر میں اور لوگوں کو آپ سے پھیر دیں، قبطی سرداروں کو جب نظر آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اَثر و رسوخ میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے بنی اسرائیل کے علاوہ اُن کی اپنی قوم کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل بہ کرم ہوتے جا رہے ہیں تو اُنہیں اپنے آنے والے وقت کے بارے میں خطرات محسوس ہونے لگے، فرعون کو اس طرف راغب کیا کہ اگر یہی صورتِ حال رہی تو فساد و فتنہ کی چنگاری بھڑک اُٹھے گی، فساد پھیلانے والوں کا ہر دَور میں شیوہ رہا کہ اہل اللہ کو فتنہ انگیز اور اُن کی دعوتِ توحید اور دعوتِ ایمان و یقین کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں سو قومِ فرعون نے بھی یہی کہا۔ ﴿وَيَذَرَكَ﴾ اور تمہاری پرستش ترک کر دیں۔ ﴿وَاٰلِهَتَكَ﴾ اور تمہارے معبودوں کی عبادت سے مُنہ موڑ لیں۔ ﴿اٰلِهَتَكَ﴾ تیرے بنائے ہوئے، اٰلِهَةٌ کا واحد اِلٰہٌ ہے اِلٰہ معبود کو کہتے ہیں قواعد کے مطابق اسم ہے۔

مُفسرین نے لکھا ہے کہ ”فرعون خلق کو اپنی پرستش کا حکم کرتا تھا اور خود ستاروں کو پوجتا تھا“ ❶ درست بات تو یہ ہے کہ اس

❶ ...... سدی کا قول ہے

Marfat.com

نے اپنی صورت کے بُت تر شوائے تھے اور اپنی قوم کے ہر ایک کو ایک بُت دیا تھا کہ اس کی پرستش کیا کرو تا کہ وہ اُنہیں فرعون سے قریب کر دے اور اسی سبب سے کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی یہ بُت تمہارے چھوٹے معبود ہیں اور ''میں تمہارا بڑا معبود ہوں''! العیاذ باللہ۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَھُمْ﴾ فرعون نے عالم برافروختگی میں کہا، قریب ہے کہ ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں جیسا کہ اس سے پہلے کرتے تھے تا کہ اُن کی نسل منقطع ہو جائے جب اُن کے لڑکے قتل ہو جائیں گے تو پھر رفتہ رفتہ اُن کی بیٹیاں دوسری قوم میں چلی جائیں گی پھر اُن کی قوم کی نمائندگی ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ﴾ اور زندہ چھوڑ دیں گے ہم اُن کی عورتوں کو تا کہ وہ ہماری خدمت پر مامور رہیں نَسْتَحْیٖ ہم زندہ رہنے دیں گے اِسْتِحْیَاءٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع متکلم قواعد کے مطابق۔ ﴿وَاِنَّا فَوْقَھُمْ قٰھِرُوْنَ﴾ اور ہم اُن پر غالب ہیں اور وہ مغلوب اور ہمارے زیر حکم ہیں ''قتل ابناء'' کا یہ منصوبہ فرعونیوں کی ایماء پر ترتیب دیا گیا اور اس سے پہلے بھی، جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت نہیں ہوئی تھی ﴿قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گروہ کو ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِاللہِ وَاصْبِرُوْا﴾ اللہ سے مددگاری چاہو اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرو۔

﴿وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ اور اچھا انجام کار، فتح ونصرت وبہشت مخصوص ہے پرہیزگاروں کے واسطے، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس جور وستم کی ابتداء ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو باری تعالیٰ سے مدد پانے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور اطمینان دلایا کہ اگر تم درست سمت پر رہتے ہو تو زمین کا اقتدار بالآخر تمہارا ہی مقدر ہے۔

﴿قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا﴾ ایذاء دیئے گئے ہیں، ﴿اُوْذِیْنَا﴾ ہم کو ستایا گیا، قبطی ہم کو ایذاء دیتے تھے۔ اِیْذَاءٌ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ جمع متکلم قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا﴾ اس سے پہلے کہ آپ ہمارے پاس آئے ﴿تَاْتِیَنَا﴾ تم ہمارے پاس آئے تَاْتِیْ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق یہ اشارہ لطیف ہے اِن جور وستم کا جو ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ان پر وارد ہوتے رہے۔ ﴿وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ اور آپ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد بھی، ساحروں کے واقعہ کے بعد داستان ظلم وستم کا یہ نیا دور مظالم کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونق افروز ہونے کے بعد آغاز ہوا۔

﴿قَالَ مُوْسٰی﴾ موسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا۔ ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ﴾ تمہارا ربّ اُمید / آرزو رکھتا ہے، عَسٰی، امید ہے کہ قریب ہے فعل مقاربہ واحد مذکر غائب۔ (بحوالہ قاموس القرآن)۔ ﴿اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ﴾ یہ کہ وہ ہلاک کرے تمہارے دشمن کو کہ فرعون کو اس کی قوم سمیت، ﴿عَدُوٌّ﴾ دشمن، عَدَاوَۃ سے صفت مشبہ مذکر واحد وتثنیہ وجمع، قواعد کے مطابق، اس کی جمع اَعْدَاءِ ہے، بحوالہ قاموس القرآن۔

﴿وَیَسْتَخْلِفَکُمْ﴾ اور خلیفہ بنا دے تمہیں انہیں ہلاک کرنے کے بعد۔ ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین مصر یا ارضِ مقدسہ میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اظہارِ حقیقت امر کے لئے کہا کہ یہ بات بعد از مکان نہیں، کہ اگر تم لوگوں نے ہماری نصیحت پر عمل نہ کیا تو بہت جلد تم ہلاک وتباہ ہو جائے گا۔ ﴿فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر دیکھے باری تعالیٰ کی رحمت، دولت، ثروت، راحت، اور اقتدار

Marfat.com

کے وقت تم کیسے عمل کرتے ہو! اور کیا کام کرتے ہو! کفر یا شکر، عبادت یا معصیت تا کہ تمہیں اس کی جزا دے، بڑا ہی غور و طلب افکارِ عمل رفکر ہے۔ ﴿ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾ تمہیں اختیارِ حکومت اور اقتدار مل جانے کے بعد، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ دیکھے گا تم کہاں ربّ کی اطاعت وفرمانبرداری بجالاتے ہو، انصاف اور مساوات کے تقاضوں کی تکمیل میں کس قدر کاربند رہو گے، ایسا نہ ہو کہ اقتدار کی ہوس میں کھو کر اپنے سے قبل لوگوں کے انجام کو ہی بھول جاؤ، کیونکہ اقتدارِ حکومت بھی امتحان ہے اور مقصد اقتدار قیامِ عدل کی دعوت دیتا ہے اور مقامِ فکر یہ ہے کہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی کس حد تک تکمیلِ عمل ہوتی ہے یہ بھی آزمائش ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ١٢٧ تا ١٢٩

آیت ١٢٧ میں اظہارِ بیان ہے کہ قومِ فرعون کے لوگوں نے فرعون سے کہا کیا تم موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں اور اُن کی قوم کے لوگوں کو اسی روش پر قائم رہنے دو گے کہ وہ تمہارے ملک میں انتشار اور بدامنی کی فضا پیدا کریں، سرزمین مصر میں مخالفت کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کریں اور اہل مصر کے دین کو بدل ڈالیں، یہ اُنہوں نے اس لئے کہا تھا کہ جادوگروں کے ساتھ چھ لاکھ افراد ایمان لے آئے تھے۔ (بحوالہ مدارک) اور تمہارے ''ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر کے صنم'' رمورتی کو ٹھکرائیں۔

فرعون اپنے زعم میں تھا اور خود اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے عظیم دیوتا سورج کا اوتار سمجھتا تھا کس قدر کج فہمی میں مُبتلا تھا، ہاتھوں کے سجائے ہوئے پتھر کو بُت خانے میں بھگوان بنائے بیٹھا تھا، اپنی طاعت کے زعم میں اس قدر گفتار بلا رگرفتار تھا کہ کہا کرتا تھا کہ ہم اُن کی اولادِ نرینہ قتل کر دیں گے اور اُن کی بیٹیوں کو زندہ رکھیں گے، مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ ''صانع عالم کے وجود کا منکر تھا'' اس کا خیال تھا کہ عالمِ سُفلی کے مدبر کواکب ہیں اسی لئے اس نے ستاروں کی صورت پر بُت بنوائے تھے اُن کی خود بھی پوجا کرتا تھا اور دوسروں کو اُن کی پُوجا پاٹ کا حکم دیتا تھا''۔ (بحوالہ کنز الایمان، خزائن العرفان فی تفسیر القرآن از احمد رضا خاںؒ)

آیت ١٢٨ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو نوید مُسرّت دی کہ اللہ سے مدد چاہو! اور استعانت رعملی مدد طلب کرو بلاشبہ زمین کا مالک اللہ ہے مصائب اور آلام میں گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حوصلہ دے کر توقع دلائی کہ فرعون اور اس کی قوم ہلاکت سے دوچار ہو گی اور بنی اسرائیل اس سرزمین کے وارث ہوں گے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اپنی حکمت اور مصلحت کے ساتھ، جس کو چاہتا ہے کچھ عرصہ کے لئے اقتدار سونپ دیتا ہے، فتح ونصرت انہی کے لئے ہے جو انجامِ کار کی کامرانی کے لئے پرہیزگاری اپنا لیتے ہیں اور آخرت کی فکر کرتے ہوئے راہِ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

آیت ١٢٩ میں بتایا جا رہا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں نے لوگوں کو طرح طرح کے مصائب وآلام میں مُبتلا کر رکھا تھا اور لڑکوں کو بہت زیادہ قتل کر ڈالا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ آپ کے آنے سے قبل اور آپ کے جلوہ فگن ہونے کے بعد بھی ہم پر ظلم وستم جاری ہے ابھی ہماری اولاد کو قتل کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے تو ہماری مصیبت اور ہلاکت رفع دفع ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اُمید ہے عنقریب ربّ ہمارے دشمن کو پامال کر دے گا اور اس کی جگہ تم کو زمین کا مالک بنا دے گا اور دیکھنا یہ ہے کہ تم کیسے کام سرانجام دیتے ہو اور کس طرح نعمتِ شکر ادا کر کے سرفراز ہوتے ہو!۔

Marfat.com

لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو پکڑے رکھا قحط سالی اور پھلوں کی پیداواری، صلاحیت کی کمی میں کی تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ (۱۳۰)

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ
تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ
مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

پس جب اُنہیں خوش حالی / بھلائی ملتی تو کہتے ہم اس کے لائق / مستحق ہیں۔ اگر کوئی بُرائی / تکلیف پہنچتی تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے، سن لو! درحقیقت اُن کی بدحالی / نحوست تو اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو تو نہیں جانتے۔ (۱۳۱)

وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ
فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے تم کیسی ہی ہمارے پاس نشانی لے آؤ! ہمیں مسحور کرنے کے لئے / ہم پر اس کے ذریعہ جادو کرو تب بھی ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ (۱۳۲)

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ
وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

پس ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں / گھن کا کیڑا، مینڈک اور خون یہ سب جدا جدا / واضح نشانیاں تھیں، پھر بھی وہ تکبّر کرتے رہے، وہ لوگ جرائم پیشہ مُجرم تھے۔ (۱۳۳)

وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا یٰمُوْسَى ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىٕنْ كَشَفْتَ
عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَ لَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ
بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ﴿۱۳۴﴾

اور جب اُن پر کوئی عذاب نازل ہوتا تو یوں کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے دعا کرو اپنے رَبّ سے! جیسا کہ اس نے عہد دے رکھا ہے تم کو اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں گے / دور کردیں گے تو بے شک ہم آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ کردیں گے۔ (۱۳۴)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ
بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

پھر جب ہم نے ایک مدت تک عذاب اُٹھالیا جو ایک خاص مدت تک اُنہیں پہنچتا تھا تو وہ یک لخت ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ (۱۳۵)

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ
كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾

پس ہم نے اُن سے بدلہ لیا۔ سو ہم نے اُنہیں دریا میں غرق کردیا اس وجہ سے کہ اُنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اُن سے تغافل برتتے تھے / بے پرواہ ہوگئے تھے۔ (۱۳۶)

الفاظ و معانی آیت ۱۳۰ تا ۱۳۶

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ﴾ اور پکڑا ہم نے فرعون کے خادموں اور تابعین کو، قحط تنگی اور خشک سالی کے

Marfat.com

ساتھ، آلِ فرعون سے مُرادفرعون کی قوم ہے۔سِنِیْنَ ❶ سال، قحط کے برس قواعد کے مطابق اسم ہے یعنی رحمت باراں کی کمی اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی کی ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ﴾ اور نقصان بعض کو اُن کے میووں میں تھے ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ کہ ایسا ہو کہ وہ نصیحت مانیں اور کُفر سے باز آجائیں۔ ماحصل اس آزمائش کا یہ تھا کہ ظلم اور استکبار سے باز آجائیں جس میں مُبتلا تھے مگر وہ مُتنبہ نہ ہوئے۔

﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ پھر جب اُن پر آئی بھلائی فراغت ارزانی حَسَنَةٌ سے مُراد بھلائی پھولوں اور میواجات کی فراوانی۔ ﴿قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ﴾ کہنے لگے ہمارے واسطے ہے یہ بھلائی یہ تو ہمارا ہی استحقاق ہے۔ ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ اگر اُنہیں پہنچتی بُرائی جیسے قحط اور بلا۔ ﴿يَّطَّيَّرُوْا﴾ تو بُری فال لیتے /تَطَيَّرُوْا سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ اکثر اہلِ عرب کا مشغلہ تھا کہ پرندوں کی آوازوں سے بدشگونی پکڑتے" یہ شرک کرنے والوں میں فال گیری بہت قدیم ہے" اُن کے اوہام پرست مزاج "ہر شئے سے اثر قبول کرتے" کسی کام کو نکلے راستے میں کوئی جانور سامنے سے گزر گیا، کسی پرندہ کی آواز کان میں پڑھ گئی تو فوراً واپس گھر لوٹ آئے"۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ جانو تم کہ اُن کی خیر وشر کا سبب اللہ کے پاس اور وہ اُن کے اعمالِ بد ہیں کہ کراماً کاتبین لکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے گئے ہیں اور اُن کے بُرے/ بدکاموں کی شامت اعمال اُنہیں پہنچی ہے۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا اہلِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ﴾ جس وقت کہ تو لاتا ہے ہم پر۔ ﴿مِنْ اٰيَةٍ﴾ نشانی میں سے جس کے بارے میں گمان ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کا مُعجزہ ہے جیسے قحط اور بیماری وغیرہ۔ ﴿لِتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ تاکہ تو ہم پر جادو کرئے تسحر، سحر، فتح سے فعل مضارع واحد مذکر حاضر، نا ضمیر جمع متکلم، قواعد کے مطابق مَهْمَا جب کبھی/ کلمہ شرط ہے۔ (بحوالہ قاموس القرآن) ﴿فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ پھر ہم ایمان لانے والے نہیں، مفہوم یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کتنی نشانیاں اور علامات اپنی نبوّت کی دکھا کر ہم پر اپنی چلانا چاہیں تو ہم ایمان قبول کرنے والے نہیں گویا قوم فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تمام تر مُعجزات کو جادو کا نام دے کر نظر انداز کر دیا۔ ﴿فَاَرْسَلْنَا﴾ اور پس ہم نے بھیجا۔ ﴿عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ﴾ اُن پر طوفان۔ طوفان سے مراد مُفسرین کے نزدیک "پانی کا طوفان" ہے (بحوالہ معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ) طوفان سے سیلاب اور کثرت باراں مراد ہے جس سے ہر شے غرق ہوگئی، کثرت اموات بھی اس سے مراد لی گئی ہے جس سے ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی، لغت میں "ہر مہلک چیز کو طوفان کہا جاتا ہے" (بحوالہ ضیاء القرآن از محمد کرم شاہ الازہریؒ) ﴿وَالْجَرَادَ﴾ اور ہم نے ٹڈی بھیجی، جو فصلوں کی بربادی کا سبب ہیں۔ ﴿وَالْقُمَّلَ﴾ گھن یا کلّیان۔

ابن عباسؓ نے کہا قُمَّلَ وہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے اس کا ایک معنیٰ جوؤں اور پسوؤں کے بھی آتے ہیں جس سے جسمانی تکلیف پہنچتی ہے۔ ﴿وَالضَّفَادِعَ﴾ اور مینڈک۔ ضفدعۃ کی جمع ہے مینڈک، پانی جوہڑوں میں ہوتا ہے یہ اُن کے کھانوں، بستروں اور غلوں میں ہر جگہ ہوگئے جس سے ان کا آرام کرنا مشکل ہوگیا۔ ﴿وَالدَّمَ﴾ اور خون، ہوائیں کہ

❶ ...... سِنِین جمع سِنۃ یہاں اس کے معنیٰ قحط سالی ہے۔ بحوالہ قرطبیؒ۔

Marfat.com

پانی خون بن گیا پانی بھی پینا ان کے لئے محال ہوگیا۔ ﴿اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ یہ کُھلے کُھلے جُدا جُدا معجزات تھے یہ قدرت کی نشانیاں تھیں جو ایک دوسرے سے جُدا ہوتیں ہر دو آیات میں ایک ماہ کی مدت تھی اور ہر نشانی ہفتہ بھر رہتی۔ ﴿وَ لَمَّا وَقَعَ﴾ اور جب واقع اور نازل ہوا۔ ﴿عَلَیْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اُن پر عذاب، چھٹا عذاب اُن پر رِجز کے طور پر آیا یہ عام طور پر طاعون کی وباء کے لئے استعمال ہوتا ہے دیگر وبائی امراض، چیچک کے لئے بھی مستعمل ہے، تفاسیر میں مذکور ہے کہ ان لوگوں پر طاعون کی وباء پھیل گئی محتاط انداز کے مطابق ستر ہزار (۷۰۰۰۰) آدمی ہلاک ہوئے۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم)

﴿قَالُوْا یٰمُوْسَی ادْعُ لَنَا﴾ کہا اُنہوں نے عاجزی کے ساتھ اے موسیٰ علیہ السلام دعا کیجئے ہمارے واسطے ﴿رَبَّكَ﴾ اپنے ربّ سے۔ ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ بسبب اس چیز کے کہ عہد کیا ہے اُس نے گویا اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام سے وعدہ کرلیا ہے جب آپ دستِ دعا دراز کریں تو وہ قبول فرمائے گا ﴿عَهِدَ﴾ اس نے عہد لیا عَھْدٌ سمع سے جس کے معنیٰ تاکید کرنے اور وعدہ کرنے اور دیکھتے رہنے کے ہیں۔ فعل ماضی واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿وَلَنُرْسِلَنَّ﴾ اور البتہ بھیج دیں ہم۔ ﴿نُرْسِلَنَّ﴾ ہم ضرور بھیج دیں گے۔ مضارع با نون تاکید کا صیغہ جمع متکلم قواعد کے مطابق۔ ﴿مَعَكَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو تا کہ جہاں تیرا جی چاہے اُنہیں لے جا۔ ﴿اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ﴾ پھر وہ وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر میں سات (۷) دن رات مینہ برستا رہا اور بادلوں کی تاریکی میں لوگ پریشان رہے اور قبطیوں کے مکانوں میں پانی بھر گیا عورتیں اور مرد سب کھڑے رہے البتہ لڑکوں کو اُونچی جگہ بٹھا دیا جاتا، جو قبطی اپنے گھروں میں بیٹھنے کی کوشش کرتا ڈوب جاتا باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل کے مکانات ان سے متصل تھے، لیکن بنی اسرائیل کے مکانات میں پانی کا کوئی قطرہ بھی نہیں ٹپکا آخر قبطیوں نے عاجز آ کر فرعون کی طرف رجوع کیا اور اس سے مایوس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کرنے کی التجاء کی تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہ عذاب دفع کر دے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین پر پانی ہٹ گیا، مگر پھر اُنہوں نے کُفرانِ نعمت کیا پھر عناد کیا تو باری تعالیٰ نے آبِ نیل کو خون کر دیا جب بنی اسرائیل پیتے تو صاف شفاف پانی ہوتا جب قبطی پانی پیتے تو پانی خون ہو جاتا۔ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے اُن سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا، اِنْتَقَمْنَا ہم نے بدلہ لیا اِنتقام سے فعل ماضی جمع متکلم قواعد کے مطابق۔ ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ﴾ پھر ڈبو دیا ہم نے اُنہیں۔

﴿فِی الْیَمِّ﴾ دریائے قلزم میں مصر کے پاس۔ ﴿بِاَنَّهُمْ﴾ سبب اس کے کہ اُنہوں نے۔ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ ہماری قدرت کی نشانیاں جھٹلائیں وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کے لئے آمادہ ہی نہیں تھے۔ ﴿وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ﴾ اور غور و فکر کرنے سے غافل رہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۳۰ تا ۱۳۶

آیت ۱۳۰ میں اظہار بیان ہے کہ ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں اور فقر و فاقہ کی بلائے مصیبت میں گرفتار رکھا تا کہ وہ متنبہ ہو! اور کفر و معصیت سے نجات پائے، مگر حالت بے اعتنائی کو کیا نام دیا جائے کہ فرعون نے اپنی چار سو سال کی عمر عزیز میں سے تقریباً تین سو بیس (۳۲۰) برس تو سکون کے ساتھ، عالم فرحت میں بسر کئے اور اِس دوران کبھی

Marfat.com

بخار آیا نہ درد محسوس ہوا نہ بھوک میں مبتلا رہا اب کٹھن ساعت آئی، بارش کا فقدان ہوا، درختوں میں کیڑے لگنے سے پیداواری صلاحیّت میں کمی آئی دورِ آزمائش کا آغاز ہوا تاکہ ظلم اور استکبار سے بچا جاسکے، امتحان کی گھڑی تو کاروانِ زیست کا ایک حصّہ ہے چنانچہ آیت ۲ سورۃ الملک پارہ ۲۹ تبٰرَكَ الَّذِىْ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ

ترجمہ:...... اللہ وہ ہے جس نے زندگی اور موت پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے کام اچھے رعمدہ ہیں۔ (آیت ۲)

آیت ۱۳۱ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جب اُن کو مصائب و آلام اور زبوں حالی کے بعد فراغت، خوشحالی میسّر آتی ہے تو اسے اپنی سعادتِ استحقاق سمجھ لیتے ہیں اور بَرملا اظہار کرتے ہیں ذرا ہماری اِقبال مَندی، خوش طَالع رخوش نصیبی تو دیکھو! یہ وسعت رزق یہ ارزانی، یہ امن و عافیت کی فضا، ہماری اپنی صلاحیت ادراک اور کاوشِ عمل کا ثمرہ ہے یہ خوش گوار فضا اور مسرور کُن لمحات کے تو ہم لائق تھے، کس قدر نادانی ہے کہ اس کو اللہ کا فضل نہ جانتے اور اللہ کی رحمت و برکت قرار نہیں دیتے اور جب کوئی آفت ٹوٹ پڑتی تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے حالانکہ اللہ کی حکمت خاص کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان بُرائی اور اچھائی میں مُبتلا رہتا ہے یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تاکہ اللہ انسان کو آزمائے۔ قحط اور بدحالی کے تدارک کے لئے طرح طرح کی کوشش میں آج بھی لوگ مصروفِ عمل ہیں جب کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو اسے تدبیر حسن عمل کا اور اپنی فہم کا کرشمہ بناتے ہیں اور جب نتیجہ اس کے برعکس نکل جاتا ہے نیک لوگوں کو اس کا قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ اور ان کو اس بات کا قطعی علم ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کا حکم آنے پر ان کی شومی تقدیر اور بدبختی نے ان کو آ گھیرا۔

آیت ۱۳۲ میں اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے کہ اہلِ فرعون کا زعم تکلّم تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ کہہ رہے ہیں کیسی ہی نشانی مسحور کرنے کے لئے ہمیں دکھائیں ہم آپ کی بات باور کرنے سے قاصر ہیں اُن کی سرکشی حد سے بڑھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے حق میں دعا کی، نبی کا خاصا تو یہ ہوتا ہے وہ "مستجاب الدعوات" ہوتا ہے چنانچہ آپ علیہ السلام کی دعا مَبرور ہوئی، جب موسیٰ کے مُعجزات اور نشانیاں دیکھ کر وہ بضدر ہے کہ ہم کسی طرح ایمان لانے والے نہیں، جب یہ آخری فیصلہ بتادیا گیا تو باری تعالیٰ نے عظیم تر بلائیں اُن پر مُسلّط کردیں۔

آیت ۱۳۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب ساحروں کے ایمان قبول کرنے کے بعد بھی اہل فرعون اپنے کُفر و سرکشی پر قائم رہے تو باری تعالیٰ اُن کو مختلف عذاب میں گرفتار بَلا کر کے حق کی طرف رجوع کی دعوت دیتا ہے اور عبرت کے لئے طوفان بادِ باراں بھیجا، ابر چھایا، تاریکی چھائی، کثرت سے مینہ برسا، پانی میں ڈوب گئے وہ جو بچ گئے، طاعون میں مُبتلا ہوئے، وقفے وقفے سے عذابِ الٰہی آتا رہا۔ کبھی ٹڈی دل، کبھی فصل گندم میں گھن، کبھی مینڈک کی کثرت، کبھی خون کا عذاب، مگر اُن کے تکبّر و نخوت کا یہ عالم کہ مَعصیّت اور سرکشی اُن کی عادت بن گئی اور یہ قوم مُجرم ہی بنی رہی۔ عذاب کی نوعیّت تو دیکھئے! فرعون جس پانی کو ہاتھ لگاتا وہ خون بن جاتا دریائے نیل خون آلود ہوگیا، ان نشانیوں کی تفصیل توراۃ کی کتاب خروج کے باب ۷ اور ۹ میں درج ہے۔ (بحوالہ تفسیر تدبّر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ)

Marfat.com

(۱) بارش کے طوفان سے مُراد ایسا طوفان جس میں اولے برسے تھے، بائبل میں ژالہ باری کے طوفان کا تذکرہ ہے۔

آیت ۱۳۴ میں بتایا جارہا ہے کہ جب اُن پر آفت آپڑتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے کہ ہم سے یہ آفتِ بلا دور ہوگئی تو ہم آپ علیہ السلام کی بات تسلیم کرلیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ہمراہ کردیں گے اور آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے لیکن ایسے بد بخت لوگوں کا ہمیشہ یہی انداز بے اعتنائی رہا ہے کہ جب اُفتاد پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کے وعدے کیا کرتے ہیں اور جب بلائے ناگہانی سے نجات مل جاتی ہے تو اپنی وہی روش اپنا لیتے ہیں۔

آیت ۱۳۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب ایک مدت تک اُن تک عذاب پہنچتا اور اس کو ہٹا لیا جاتا تو دفعۃً عہد توڑ دیتے اور عہد شکنی کرتے، گویا جب ایک عذاب نازل ہوتا تو اس سے عاجز ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے عذاب سے نجات پاتے تو ایمان کی سعادت پانے کے بجائے کفر وشرک اپناتے، دوسرا عذاب نازل ہوتا تو پھر اسی طرح کرتے، وقفے وقفے سے پانچ عذاب اُن پر نازل ہوئے لیکن رعونت اور احساسِ تکبّر نے اِن کے ذہن کو ایمان کی سعادت اپنانے سے محروم رکھا، اس میں عبرت ہے اُن لوگوں کے لئے جو گناہ سرزد ہونے پر گرفتارِ عذاب ہوتے ہیں توبہ کرتے ہیں پھر عہد توڑ دیتے ہیں اور جب باری تعالیٰ ایک مقرّرہ میعاد مدت عذاب ٹال دیتا ہے تو پھر ظُلم کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔

آیت ۱۳۶ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور اللہ کے احکامات کو ماننے سے بے خبر رہے، اُن کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا گیا اور اُنہیں سمندر میں غرق کردیا گیا، اور اُنہیں ہلاک کردیا گیا۔ ''موضح القرآن'' میں تحریر ہے کہ ''یہ سب بلائیں اُن پر نازل ہوئیں، ایک ہفتہ کے فرق سے'' حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہہ آتے کہ یہ عذاب تم پر نازل ہوگا وہی عذاب اُن پر آتا، عالم اضطراب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرواتے دعا مقبول ہوتی تو پھر انکاری ہوتے، غرض یہ کہ نصف شب میں تمام شہر میں سے ہر ایک کا بیٹا ہلاک ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل آئے۔

آیت ۱۳۰ تا ۱۳۶ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

آلِ فرعون کو قحط سالی اور پیداواری صلاحیّت کی کمی کا سامنا کرنا پڑا، یہ تباہی اور بربادی فوری طور پر معرضِ وُجود میں نہیں آئی بلکہ کچھ شدّت آفت آئی، تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیا جائے خوش حالی نصیب ہوتی تو اِس کو اپنی نصیب کی خوش بختی کا حصّہ قرار دیتے، قحط کا تسلّط ہوا، پھلوں کی کمی ہوئی، یہ اس لئے کہ اُنہیں اپنی بے بسی کا کچھ تو احساس ہو، موقع ملا توبہ کرنے کا، مگر بدبختی کا یہ عالم کہ دِل کی سیاہی کا یہ حال کہ کہنے لگے یہ سب باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جادُو کے اَثر سے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو دعوت دیتے رہے لیکن اِن کا کہنا ہوتا کہ آپ علیہ السلام پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے، اُن پر بارش اور پانی کا طوفان اُمڈ آیا، عذاب کا سلسلہ چلتا رہا، اُنہوں نے تکبّر کیا یہ مُجرم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے آپ علیہ السلام دعا کیجئے ہمارے حق میں ہم مصیبت سے نجات پائیں گے تو آپ علیہ السلام کی اطاعت کریں گے لیکن وہ عہد توڑ دیتے جب مصیبت ٹل جاتی، نافرمانیوں کے سلسلے میں اُنہیں سمندر میں غرق کیا کیونکہ اُنہوں نے اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے اس قوم کو جس کو ذلیل، کمزور اور حقیر جانا تھا اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک / وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور آپ کے رَبّ کا وعدۂ خیر، بنی اسرائیل کے حق میں صبر کی وجہ سے پورا ہوا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے منصوبے اور بلند عمارتیں وہ جو تعمیر کرتے تھے وہ سب کچھ برباد کر دیئے۔ (۱۳۷)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار اُتار دیا تو اُن کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بُتوں کے گرویدہ بنے عبادت میں مگن بیٹھے تھے، بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے بھی ایک ایسا مَعبود مقرّر کر دو جیسے اُن کے مَعبود ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یقینی طور پر تم لوگ جاہل اور ناسمجھ ہو۔ (۱۳۸)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

بے شک یہ لوگ ایسے کام میں لگے ہوئے ہیں کہ برباد ہی ہو کر رہیں گے اور یہ کام نرا خسارے کا اور باطل ہے۔ (۱۳۹)

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

کہا گیا کہ اللہ کے سوا میں تمہارا کوئی اور معبود تلاش کروں! حالانکہ اس نے تم کو جہاں والوں پر فضیلت اور فوقیت دی ہے۔ (۱۴۰)

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

اور وہ وقت یاد کرو! جب ہم نے تم کو اہلِ فرعون سے نجات دی تھی جو تم کو سخت سے سخت سزا / ایذائیں دیتے تھے یہاں تک کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں / بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اس میں تمہارے رَبّ کی طرف سے بڑا احسان فضل ہوا / یہ ایک بڑی آزمائش تھی۔ (۱۴۱)

الفاظ ومعانی آیت ۱۳۷ تا ۱۴۱

﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ﴾ اور میراث دی ہم نے قوم کو، وہ لوگ جو تھے ناتواں / کمزور، پکڑے گئے اہلِ فرعون کے ہاتھوں، يُسْتَضْعَفُوْنَ وہ کمزور سمجھے جاتے تھے، اِسْتِضْعَافٌ سے فعلِ مضارع مجہول جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ﴾ مشارق مشرق / پورب کی جمع اَلْاَرْضِ زمین سے شام اور مصر کے دونوں ملک مراد ہیں۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

Marfat.com

شام کا علاقہ فلسطین جہاں حق تعالیٰ سبحانہ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ بخشا، شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی رحلت کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون نے عمالقہ کو شکست سے دوچار کر کے بنی اسرائیل کے لئے راہ ہموار کی۔ ﴿وَ مَغَارِبَهَا﴾ اور جہات غربی رپچھم زمین کا، مغارب، مغرب کی جمع ہے۔

﴿الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا﴾ اور وہ زمین کہ برکت رکھی جس میں، ارزانی اور کثرت محاصل کی وجہ سے یا وہاں پر انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام کے آنے کے سبب، الفاظ قرآن کے ترتیب حُسن پر غور کر کے تو دیکھئے یہ نہیں کہا کہ جو قوم ناتواں اور کمزور تھی بلکہ اشارہ لطیف تو یہ ہے کہ جس کو قوم فرعون نے حقیر جان رکھا تھا یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ شام اور مصر کی ان زمینوں میں باری تعالیٰ نے خاص انداز میں اپنی برکتوں کو نازل کیا ہے شام کی زمین کثیر تعداد میں انبیاء کرام کا مسکن اور مدفن رہی ہے اور سرزمین مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مزار اقدس ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مصر کے دریائے نیل کو سیّد النہار سے موسوم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''برکات کے دس حصے ہیں جس میں سے نو مصر میں ہیں اور باقی ایک پوری دنیا میں۔ (بحوالہ بحر محیط)

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ﴾ اور پورا ہو گیا اور وفا ہو چکا وعدہ تمہارے پروردگار کا۔ ﴿الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ نیکی رخیر کا وعدہ بنی اسرائیل پر، گویا فرعون کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں اور باری تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے حکومت اور اقتدار عطا کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ ﴿بِمَا صَبَرُوْا﴾ اور یہ وعدہ اس وجہ سے پورا ہوا کہ وہ اُنہوں نے شدّت آلام اور مصیبتوں پر صبر کا دامن تھامے رکھا۔ ﴿وَ دَمَّرْنَا﴾ اور ہم نے برباد کر دیا رہلاک کر دیا، تَدْمِیْر'' سے فعل ماضی کا صیغہ جمع متکلم قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾ اور جس کو وہ اُونچا بلند کرتے تھے جیسے ہامان کا محل۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولانا فخر الدینؒ)

اس میں بلند و بالا محل اور مکانات شامل ہیں اور اونچے اونچے درخت اور ''انگور اور وہ بیلیں بھی جن کو چھتوں پر چڑھایا جاتا تھا'' (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم) ﴿وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ اور عبور کرا دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے صحیح سلامت۔ ﴿فَاَتَوْا﴾ پس آئے اور گزرے۔ ﴿عَلٰى قَوْمٍ﴾ ایک گروہ قبیلہ الخم سے، یہ قافلہ جزیرہ سینا کے جنوب کے ساحل کے کنارے سے ہوتا ہوا مقام مفقہ تک پہنچا جہاں اہلِ مصر کا ایک ''بُت کدہ'' رصنم خانہ تھا۔ ﴿یَّعْكُفُوْنَ﴾ وہ جو قائم رہتے تھے روہ جمے بیٹھے رہتے تھے عُکُوْف سے فعل مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ قواعد کے مطابق۔

﴿عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ﴾ بتوں کی پرستش پر بُت اُن کے پاس تھے بنی اسرائیل نے ایک قوم کو ''بُت کدہ'' کا مجاور دیکھا۔

﴿الْحُسْنٰى﴾ بھلائی رخیر، خوبی، عمدہ حُسن سے فعل تفصیل اَحْسَن کا مؤنث ہے قواعد کے مطابق۔ ﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے شک تم ہو وہ گروہ کہ نادانی کرتے ہو اور جہل رکھتے ہو، اور دین میں خدا کے سوا اوروں کی عبادت کا خیال رکھتے ہو، اس سے بڑی نادانی اور ستم ظریفی اور کیا ہو گی کہ جس اللہ نے اُنہیں فرعون جیسے دشمنِ عظیم سے نہ صرف چھٹکارا دلوایا بلکہ اُن کی نظروں کے سامنے اُنہیں لشکر سمیت غرقِ آب کر دیا اور اُنہیں معجزانہ انداز میں دریا

Marfat.com

پار کرایا اب دریا کے عبور کرتے ہی وہ یادِ خدا اور خوفِ خدا سے غافل ہو کر ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھر بُت کے، صنم کے متلاشی ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ یہ بُت گائے کے ہم شکل تھے جو پتھر کی بنی ہوئی تھی۔

﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک جس کام میں یہ مصروفِ عمل ہیں یہ تباہ ہونے والی شئے ہے یہ من جانب اللہ بھی تباہی سے برباد ہو جائے گا یہ تو دستورِ عمل رہا ہے کہ حق کو باطل پر غلبہ دے کر درہم برہم کر دیا جاتا ہے۔ مُتَبَّرٌ ٹوٹ جانے والے، ہلاک کیا جانے والا، ہر ٹوٹے ہوئے برتن کو بھی مُتَبَّر کہا جاتا ہے تَبِیْرٌ سے اسم مفعول قواعد کے مطابق۔ یہ مورتیوں کی پرستش کرنے والے، جن کا ماحصل امر باطل اور گھاٹے کا ہے اس نے تمہیں بھی فریب میں ڈال رکھا ہے۔

اے نادانو! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسے لوگوں کی پیروی کرنے کے لئے مضطرب ہو، جو بہت جلد ہلاک اور تباہ ہونے والے ہیں اُن کا شرک کا بُطلان تباہی کا مُوجب ہے۔ ﴿وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں دنیا کی تمام تر قوموں پر فضیلتِ افتخار عطا کی ہے، اُس دَور میں دنیا کی تمام تر اقوام پر بنی اسرائیل کی فوقیت واضح تھی۔ تمام تر مُشرک قوموں میں بنی اسرائیل کو منصب رسالت ملا، بھلا کون نہیں جانتا! رسالت ایک عظیم فضل اور احسانِ عظیم ہے۔ ﴿وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ اور اس میں رَبّ کا بڑا فضل ہوا جب حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تمہیں اچھی اچھی نعمتوں سے سرفراز فرمایا تو تمہیں کب شایان ہے، تم کو کب زیب دیتا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرو۔ جب تمہیں معزز بنا دیا گیا، حکمران بنا دیا گیا اب تو اچھا نہیں لگتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سرِ خم تسلیم کرنے کی سوچو!۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۳۷ تا ۱۴۱

آیت ۱۳۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ بنی اسرائیل جن کو فرعون نے غلامی کی زنجیر میں جکڑ رکھا تھا اور اُن پر ظلم و جبر روا رکھا جاتا تھا جب اللہ کی رضا ہوئی تو غلامی و محکومی کے سخت شکنجوں سے نجات پا کر اُنہیں زمین کا وارث قرار دے دیا گیا اُنہیں رخصت بخشی گئی فلسطین کی وسیع تر حکومت کا اقتدار ملا، قومِ فرعون کو دریا میں غرق کر دیا گیا، تباہی ہوئی جس سے ان کے شہر اُجڑ گئے، اللہ کا وعدۂ خیر تکمیل پذیر ہوا۔ اسی موضوع سخن کا اظہار آیت ۵-۶ سورۃ القصص ۲۸ پارہ اَمَّنْ خَلَقَ ۲۰ میں ہوا ہے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ

اور ہم چاہتے ہیں کہ اُن لوگوں پر احسان کریں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا ہم اُنہیں کو پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث بنائیں۔ (آیت ۵)

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ

اور ہم نے فیصلہ کر لیا کہ اُن کو اقتدارِ حکومت بخشا جائے اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو اُن کے ہاتھوں وہ دکھائیں جن کا وہ اندیشہ رکھتے تھے۔ (آیت ۶)

آیت ۱۳۸ میں بیان کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کوسمندر کے پار اُتار دیا گیا تو راستے میں ان کا گزر ایک ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی، اُنہوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) جس طرح اُن کے معبود ہیں اسی طرح ایک معبود ہمارے لئے بھی بنادو، بنی اسرائیل کے اس مطالبہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصر کی طویل عرصہ تک غلامی کے اثرات سے اُنہیں ذہنی، فکری اور اخلاقی سطح کو اس قدر پست کردیا ہے وہ باری تعالیٰ کے جمال وجلال کی اس قدر نشانِ عظیم دیکھ کر اور اتنی نشانیاں اپنی نگاہوں سے دیکھ کر وہ فتنوں میں پھنسے رہے اور یہ سمجھ نہ سکے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور کسی کی عبادت جائز نہیں۔ (بحوالہ کنزالایمان از احمد رضا خانؒ)

بنی اسرائیل کی ذہنیت پر اہلِ مصر کی غلامی کا اثر یہ ہوا کہ مصر کو خیر باد کہنے کے ستّر (۷۰) برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اوّل حضرت یوشع بن نون کو اپنے آخری خطاب میں کہنا پڑا ''اگر خداوند کی پرستش تم کو بُری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اُسے جس کی پرستش کروگے چُن لو! اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کریں گے''۔

(بحوالہ یشوع ۲۴، ۱۴، ۱۵، ماخوذ تفہیم القرآن جلد دوئم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

آیت ۱۳۹ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نصیحت کی، بُت پرستی اور صنم پرستی کا یہ مذہب اہلِ حق اور میرے ہاتھوں سے تباہ اور نابود ہونے والا ہے جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں وہ محض فریب، باطل اور بے حقیقت ہے اُن کے معبود ہی نہ رہیں گے تو عبادت کا کیا حاصل ہوگا یہ شرک وبُت پرستی، یہ بُت پرستانہ تہذیب وتمدن کا ماحول، جس میں کئی ناخدا ہوں یہ خرافات، یہ توہمات زندگی کے فاسد تصورات سب کچھ باطل پر مبنی ہے ان تصورات اور اعمال بد کو دنیائے رنگ وبُو میں ختم ہونا ہے ورنہ اُن کے لئے آخرت میں بھی ہلاکت ہے۔

آیت ۱۴۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہارے لئے اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈوں! حالانکہ تم کو تمام اہلِ عالم پر فضیلت کا اعزاز حاصل ہے یہ بڑی ندامت کی بات ہے کہ جس مخلوق کو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے کارگہِ حیات میں فوقیت اور افضلیت دی ہے وہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کے صنم کے سامنے سربسجود ہوجائے! پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بُت کا متلاشی ہونا ناشکری اور احسان ناشناسی ہے، یہ کہنا ایک حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل توحید کی نعمت سے سعادتِ فیض پاکر گیتی کائنات میں فضیلت پاگئے اور مُشرک قوم کا شرک دیکھ کر پھر بدنیت ہوکر گمراہی پاکر اللہ کے عتاب اور غضب میں گھر گئے، توحید کی ناقدری کرنے والا، شرک کا ارتکاب کرنے والا عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتا!۔

آیت ۱۴۱ میں اظہارِ حقیقت کے طور پر وضاحت کی جارہی ہے کہ کیا وہ وقت بھول گئے جب ہم نے تم کو آلِ فرعون سے نجات دی جو تمہیں اَذیت ناک عذاب چکھاتے تھے، وہ تمہاری اولادِ نرینہ کو بے دردی سے قتل کردیتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے، یقیناً یہ باری تعالیٰ کی طرف سے ایک بھیانک اور دردناک سزا تھی۔ یہ سزا بنی اسرائیل کو مُشرکانہ عقائد کی وجہ سے ملی، اسی موضوعِ سخن کو آیت ۵۰ سورۃ البقرۃ ۲ پارہ ۱ الٓمّ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ

''اور جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی وہ تمہیں بُرے عذاب چکھاتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ (آیت ۵۰)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہے میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دے دی ہے''۔

فضیلت کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ ''قوموں کی ہدایت اور راہنمائی کا وہ منصب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک خاص دور میں منتخب کیا، یہود کو یاد دلایا ہے یہ فضیلت و بزرگی اللہ کے فضل سے حاصل ہوئی۔ (بحوالہ تفسیر تدبّر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ)

آیت ۱۳۷ تا ۱۴۱ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

بنی اسرائیل جن کو فرعون نے غلامی کی زنجیر میں جکڑ رکھا تھا اور ظلم اِن پر کرتا تھا کرشمۂ قدرت تو دیکھئے اس سرزمین میں برکتیں عطا ہوئیں اور اُنہیں مکمل طور پر اقتدار اور اختیار بخشا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا، اُن کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنایا گیا اس لئے وہ استقامت پر ثابت قدم رہے، گویا باری تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو جو فرعونیوں کے قبضے میں غلامی اور محکومی کے سخت عذاب میں مُبتلا تھے اُنہیں رفعت ملی، عزّت ملی، فلسطین کی وسیع و عریض حکومت کا اقتدار ملا، قومِ فرعون غرقِ آب ہوئی اور تباہی کا یہ منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ اُن کے شہر کے شہر ویران ہو گئے، باغ اُجڑ گئے۔

بنی اسرائیل کو جو اقتدار ملا اس کی وجہ یہ تھی کہ اُنہوں نے باوجود اپنی کوتاہیوں اور بُرائیوں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری کی، یہی صبر کی علامت ہے ''آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا'' کے مصداق اگر دورِ جدید میں ہم عزم و حوصلہ کے ساتھ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر قائم رہیں اور دعوت توحید کی خاطر ایمان کی شمع روشن کرنے کا عزم کریں تو ''آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا'' کے مصداق حالات کو سدھرنے اور بدلنے میں دیر نہیں لگتی، اللہ کی نصرت ہمارے ایمان کے ساتھ ہے۔

جب بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھتے ہیں تو اُنہوں نے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا بھی منظر دیکھا، ابھی کچھ قدم ہی آگے آئے تو دیکھا کہ قوم کے لوگ بُتوں کی پُوجا میں مصروف ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہماری عبادت کے لئے ایسے ہی بُت تراش دو، تا کہ بُتوں کی عبادت کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے ہی جاہل ہو! تم مجھ سے کیوں توقع رکھتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں یہ ہو نہیں سکتا! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اہلِ عالم پر فضیلت عطا کی اہلِ فرعون بیٹوں کو ہلاک کر دیتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے، یہ تمہارے لئے آزمائشیں تھیں۔

Marfat.com

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا اور مزید دس رات کا اضافہ کیا سو پوری ہوگئی چالیس راتیں ربّ کی مقرر کردہ میعاد/مدت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میرے بعد میری قوم پر ان کا نائب رہنا اور اُن کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر مت چلنا۔ (۱۴۲)

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب آئے موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کردہ وقت پر تو اُن کے ربّ نے اُن سے گفتگو فرمائی، عرض کیا! اے باری تعالیٰ! مجھے دیدار کرنے کی قوت دے تاکہ میں یارائے نظر پا کر تجھے دیکھ سکوں! ارشاد فرمایا مجھے تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے، البتہ اس پہاڑ کی سمت دیکھو! اگر یہ اپنے مقام پر ٹھہرا رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے، جب اُن کے ربّ نے پھر پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ اس سے ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر بے ہوش ہوکر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو عرض کی اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے میں توبہ کرتا ہوں، تیرے حضور، میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ (۱۴۳)

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ربّ نے فرمایا میں نے تمہیں لوگوں میں منتخب کرلیا، رسالت کا پیغام پہنچانے اور اپنی ہمکلامی کے لئے اب تم کو جو کچھ عطا ہوا ہے اسے لے لو! اور شکر گذار بندوں میں ہو جاؤ۔ (۱۴۴)

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے لکھ دی اُس کو تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل تحریر کردی، اب اُسے پوری قوت سے تھامے رہو! اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اچھی اچھی باتوں پر عمل کرکے نیکیاں اختیار کریں میں عنقریب تمہیں فاسقوں کا ٹھکانہ دکھادوں گا جو میرا حکم نہیں مانتے!۔ (۱۴۵)

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ

میں ایسے لوگوں کو اپنی آیات/احکامات سے برگشتہ/دور کردوں گا، جو زمین میں ناحق تکبّر کرتے ہیں اگر یہ لوگ ساری نشانیاں دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے والے نہیں! اگر راہِ ہدایت دیکھیں تب بھی اس پر چلنا پسند نہیں/گوارہ نہیں! اور اگر گمراہی کا راستہ/بغاوت کی راہ دیکھیں گے تو اُس طریقہ کو اپنا لیں گے، یہ تمام غلط رویوں سے کہ انہوں نے

Marfat.com

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

ہماری آیات کو جھٹلایا، اُن سے بے خبر اور غافل رہے۔ (۱۴۶) اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت کی ملاقات کے انکاری ہوئے اُن کے تمام اعمال اکارت گئے اور ان کو اس کی سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ (۱۴۷)

الفاظ و معانی آیت ۱۴۲ تا ۱۴۷

﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى﴾ اور وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کتاب دینے کا۔ ﴿وٰعَدْنَا﴾ کے دراصل معنیٰ وعدے اور معاہدے کے ہوتے ہیں، وعدہ سے مشتق ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ کی طرف سے توراۃ عطا ہونے کا وعدہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے چالیس راتوں کے اعتکاف کا۔ ﴿ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ تیس شب روز کا، ماہ ذی القعدہ سے چونکہ عرب کے مہینوں کے حساب کا مدار چاند کے نظر آنے پر ہے وہ رات اور دن کو دکھائی دیتا ہے تو باری تعالیٰ نے تاریخ کو رات کے ساتھ متعین کر دیا۔ ﴿وَاَتْمَمْنٰهَا﴾ اور تمام رُمکمل کیا ہم نے ان تیس دن کو، تَمَّ کامل ہوا، پورا ہوا۔ اِتْمَامٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق ﴿بِعَشْرٍ﴾ ساتھ اور دس کے، ماہ ذوالحجہ میں سے۔ ﴿فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ﴾ پھر ایک معین میعاد پوری ہوئی وہ ساعت جو اس کے رَبّ نے مقرر کی تھی۔ ﴿اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ چالیس شب و روز۔ ❶ ہوا یوں کہ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سربراہی میں وادی سینا میں آ کر آباد ہو گئے جہاں اُنہیں ہر طرح کی آزادی تھی مصر میں قیام کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر واضح کر دیا تھا کہ انعام حریت کے پاتے ہی باری تعالیٰ ایک مربوط کتاب عطا کرے گا جس میں زندگی بسر کرنے کی واضح ہدایات ہوں گی یہ عرصہ پہلے تیس دن اور دس دن کے اضافہ کے بعد چالیس دن کر دیا گیا یہ ''وہ لمحاتِ زندگی ہیں جو اللہ کے ذکر و فکر میں منہمک ہو کر روح قلب کی تسکین کا مُوجب قرار پائیں'' اولیاء کرام کی چالیس روزہ چلّہ کشی کی یہی اصل ہے''۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن، از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے اعتکاف تیس دن کا اور دس دن کا اضافہ کر کے چالیس دن کر دیا گیا اس میں کیا حکمت ہے تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ ''اس میں ایک حکمت تدریج اور آہستگی کی ہے''۔

فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بنی اسرائیل رُشد و ہدایت اور راہنمائی پانے کے لئے کوئی کتاب اُنہیں دی جائے۔ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ﴾ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہ میں کتاب لینے کی خاطر کوہِ طور کی طرف جاتا ہوں۔ ﴿اُخْلُفْنِيْ﴾ تو میرا خلیفہ رجانشین رہ، اُخْلُفِیْ میرا خلیفہ ہو اُخْلُفْ، خِلَافَةٌ نصر سے فعل اَمر واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق ﴿فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ﴾ میری قوم میں بنا جو کام بنانے کے لائق ہوں ان کاموں میں سے، چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح و فلاح کا کام اُن کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ اور عمل نہ کرنا راہِ مُفسدین پر۔ ﴿وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ اور کلام

❶ ...... (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر میں درج ہے کہ یہ تیس رات ماہ ذی القعدہ کی تھیں اور دس راتیں ذوالحجہ کی بڑھا دی گئیں اس سے پتہ چلا کہ تورات کا عطیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوم النحر عید الضحیٰ پر ملا۔ بحوالہ قرطبیؒ)۔

کیا اُن کے ساتھ اُن کے رَبّ نے ﴿کَلَّمَہٗ﴾ اس نے بات کی اس سے، ﴿کَلَّمَ تَکْلِیمٌ﴾ سے فعل ماضی واحد مذکر غائب ضمیر واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے "تبیان" میں تحریر ہے کہ "حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کریں تو طور کے سات کوس (بمعنی میل) کے فاصلہ پر، گرد اور تاریکی نے گھیر لیا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اندھیرے میں قدم رکھا تو شیطان کو اُن کے پاس سے ہٹا دیا اور نامۂ اعمال تحریر کرنے والے دونوں فرشتوں کو بھی ان کے پاس سے دور کر دیا گیا اُنہوں نے فرشتوں کو ہوا میں کھڑے دیکھا/استادہ اور عرشِ عظیم اُن پر ظاہر ہوا پھر حق تعالیٰ نے اُن سے کلام کیا"۔

"ینابیع" میں لکھا ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چوبیس ہزار احکام سنائے"۔ کشاف میں ہے کہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس شب و روز کلام کیا جب موسیٰ نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کا کلام سنا اور اُن میں ذوقِ اُلفت بڑھا تو اس سرور و لطف میں اس قدر کھو گئے کہ احساس ہی نہیں رہا کہ میں دنیا میں ہوں بلکہ یہ خیال پیدا ہوا کہ میں فردوس اعلیٰ میں ہوں، چونکہ بہشت دیدار اور لقا کا مقام ہے ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے۔ ﴿رَبِّ اَرِنِی﴾ اے میرے رَبّ دکھا دے مجھے اپنی ذات/دید۔ علامہ بیضاوی نے اَرِنی کے دو معنی بتائے ہیں:

اوّل:...... ارنی نفسك بان تمكنني: "مجھے اپنے دیکھنے کی تابِ نظارہ قدرت دے تا کہ میں تجھے دیکھ سکوں!"۔

دوئم:...... او تجلی فانظر یعنی خود حجابات عظمت اُٹھا تا کہ شوق، فیضِ لطف دید پالے۔

﴿اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾ نظر کروں میں تیری طرف۔ ﴿قَالَ لَنْ تَرٰانِی﴾ کہا اللہ نے آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے اس میں اشارہ لطیف ہے کہ "رؤیت نہیں ہو سکتی"۔ (ماخوذ از معارف القرآن جلد چہارم بحوالہ تفسیر مظہری)

"مدارک" میں تحریر ہے کہ "فنا ہو جانے والی آنکھ سے تو مجھے نہ دیکھ سکے گا بلکہ جمال باقی، دیدۂ باقی سے دیکھنا چاہئے اور دید باقی بہشت میں ہوگا"۔ یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی دید جو طلب کرنے کی خواہش کی یہ دلیل ہے دید جائز ہونے کی، اس واسطے کہ اگر دید محال ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سوال نہ کرتے"۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

﴿وَلٰکِنِ انْظُرْ﴾ اور نگاہ کر پہاڑ کی طرف۔ ﴿فَاِنِ اسْتَقَرَّ﴾ پس اگر پہاڑ برقرار اور ثابت رہے۔ اِستقرار سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے ﴿مَکَانَہٗ﴾ اپنی جگہ پر جبکہ، میں اس پر تجلی کروں ﴿فَسَوْفَ تَرٰنِی﴾ تو قریب ہے کہ مجھے دیکھ سکو، اگر پہاڑ کو دیدار کی طاقت نہ ہو تو تم طلبِ دید کی سعادت سے محروم رہو گے۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ﴾ پھر جس وقت کہ تجلّی کی موسیٰ علیہ السلام کے رَبّ نے، تجلّی کے معنیٰ لغت عربی میں ظاہر ہونے اور منکشف ہونے کے آتے ہیں اور اہلِ صوفیہ کے مفہوم میں تجلّی کے معنیٰ کسی شئے کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، گویا اپنا نور ظاہر کیا یا اپنے عرش کا نُور، سوئی کے ناکے کے برابر ﴿لِلْجَبَلِ﴾ پہاڑ پر، "عین المعانی" میں سہل ساعدی سے منقول ہے کہ "اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ستر ہزار پردوں کی آڑ سے ایک درہم کی قدر اپنا نور ظاہر کیا، اُس وقت روئے زمین پر جو دیوانہ تھا ہوش میں آ گیا، جو بیمار تھا شفا پا گیا، زمین سبزہ زار ہوگئی کھارا پانی میٹھا ہو گیا، بُت منہ کے بل منہدم ہو گئے"۔ اس تجلی کے سبب۔ ﴿جَعَلَہٗ دَکًّا﴾ کر دیا اللہ نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ "تبیان" میں لکھا ہے کہ پہاڑ اس عظمت اور بڑائی کے ساتھ پارہ پارہ ہو گیا اور چھ پہاڑ اس سے جُدا ہو گئے، تین پہاڑ جو مدینہ المنورہ میں ہیں۔ (۱) جبل اُحد۔ (۲) ورقان۔ (۳) رضوی۔ اور دوسرے تین پہاڑ جو مکہ المکرّمہ میں واقع ہیں۔ (۱) غارِ ثور۔ (۲) ثبیر۔ (۳) غارِ حرا۔ جبلِ حرا کو یہ سعادت حاصل ہے کہ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

قلب اطہر پر قرآن کا نزول ہوا۔ ﴿وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا﴾ اور موسیٰ گر پڑے بے ہوش ہو کر، پہاڑ کو ریزہ ریزہ، چورہ چورہ ہوتے دیکھ کر ''عرفہ کے دن جمعرات کی شام سے جمعہ کی شام تک بے ہوش رہے''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ)

﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ﴾ پس جس وقت ہوش میں آئے۔ ﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾ عرض کیا ''تو ہر نقص سے پاک ہے''۔ میں اپنے سوال طلبِ دید پر معذرت کرتا ہوں۔ ﴿تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ توبہ کی میں نے طرف تیری۔ ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور پہلا ہوں اُن لوگوں میں جو ایمان رکھنے والے ہیں، تیری عظمت اور جلال اور کبریائی کا، اس بات کا کہ دنیا میں کسی بشر کو تجھے دیکھنے کی قدرت نہیں۔

ع ای بیک لمحہ تو کوہ بصد پارہ شود چہ عجب مست گلی عاجز و بیچارہ شود

عجب رازِ حقیقت کہ پہاڑ اس عظمت و بڑائی کے ساتھ دیدار کا متحمل نہ ہوا اور انسان کے قلب کو۔ ﴿وَلٰكِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ﴾ کے حکم سے اس نظر کی طاقت ہے اس میں نکتہ لطیف ہے کہ ''کوہ پر نظر ہیبت سے تجلی ہوئی تھی اور دل پر نظر رحمت شاد کر دیتی ہے۔ (بحوالہ تفسیر قادری از مولوی فخر الدینؒ)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طمانیت قلب کے لئے اور مقصودہ سے محروم رہنے سے جو رنج اُنہیں ہوا تھا اُسے دفع کرنے کی خاطر ﴿قَالَ﴾ فرمایا باری تعالیٰ نے۔ ﴿یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ﴾ (اصْطَفَیْتُكَ میں نے تجھے مُنتخب کیا۔ اصْطَفَیْتُ، اصْطِفَاءٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد متکلّم قواعد کے مطابق۔) اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے تمہیں برگزیدہ کر لیا، تمہاری ذات کی بقا اور احوالِ حالت کی درستگی کے لئے دیدار سے میں نے تجھے باز رکھا تو تمہیں کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ﴿عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ﴾ تمام لوگوں پر النّاس سے وہ لوگ مُراد ہیں جن کی طرف آپ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

یعنی آپ علیہ السلام کو پیامِ رُشد و ہدایت پہنچانے کے لئے منتخب کر لیا گیا اور آپ کو ہمکلامی کے شرف سے نوازا گیا، باری تعالیٰ سے کلام کرنے کی سعادت دو مرتبہ ملی۔ ایک مرتبہ اس سے پہلے جب آپ آگ لینے گئے تھے تو بات کرنے کی سعادت ملی۔ دوسری بار جب توراۃ ملی۔

ع خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ☆ کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اور ہم نے لکھ دیا موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر چیز لوحوں میں۔ اَلْوَاح، تختیاں، لوح کی جمع ہے قواعد کے لحاظ سے اسم ہے۔ ''زاد المسیر'' میں لکھا ہے کہ یہ دس تختیاں تھیں، تورات کی یہ تختیاں جو لکھیں گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی گئیں، اُنہوں نے تختیوں کے مجموعہ کو ''توراۃ'' کے نام سے موسوم کیا، جس میں اُن کے لئے دینی احکامات بیان اور حسنِ عمل سرانجام دینے کی ترغیب و ترہیب پوری تفصیل کے ساتھ درج تھیں۔

﴿سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ بہت جلد تمام لوگوں کو نافرمانوں کا مقام رُتھکانہ دکھاؤں گا بے حکموں کے مقام سے مُراد جہنم ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے ''میں تمہیں شام میں داخل کروں گا یا سابقہ اُمتوں کے منازل احوال دکھاؤں، جنہوں نے باری تعالیٰ کی مخالفت کی تا کہ اس سے عبرت ہو۔ دار الفسقین سے مُراد بے حکموں کا گھر، مقامِ دار سے مفہوم ہلاکت یا انجام بھی لیا جا سکتا ہے گویا فاسقوں کے ملک پر حکمرانی دوں گا اس سے مُراد ملک شام ہے، جس پر اس وقت عمالقہ قوم کی حکمرانی تھی جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے نافرمان تھے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

Marfat.com

﴿وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾ اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس کو اپنا لیں۔ یَتَّخِذُوْا اختیار کریں، اِتِّخَاذٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔ یہ ایک برموقع جامع انداز میں تذکیر ہے کہ کون سے لوگ ان تعلیمات کی قدر کرتے ہوئے اس سے استفادہ کریں گے اور وہ لوگ کون ہوں گے جو راہِ حق کے انکاری ہو کر آخرت کی محرومی سے دوچار ہوں گے۔ (بحوالہ تدبر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ)

﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ اُن کے اعمال اکارت گئے۔ حَبِطَتْ وہ ضائع ہوئی، حَبط سے فعل ماضی واحد مؤنث غائب (بحوالہ قاموس القرآن) ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ وہ بدلہ ہی پائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے یعنی احکام باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نہیں ہوتی اور جو کچھ کام اپنی دانش اور حکمت سے کریں گے وہ اللہ کے یہاں مبرور نہ ہوگا جیسا کریں گے ویسا ہی اُنہیں بھگتنا پڑے گا۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۴۲ تا ۱۴۷

آیت ۱۴۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس کی تکمیل کی، مزید دس راتوں سے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ تیس دن کا تھا جو کہ اُن کو شریعت دینے کے لئے تھا وہ فرطِ طرب سے اشتیاق کی خاطر وقت معین سے پہلے کوہ طور پر پہنچ گئے اس عجلت کے سبب اُن پر گرفت ہوئی اور مدت میں اضافہ کر کے چالیس دن کر دیا گیا، انبیاء کرام علیہم السلام اپنی خواہش سے مغلوب ہو کر کوئی خطا کرتے ہی نہیں اگر پیروی باری تعالیٰ کی رضا کے جوش میں ان کا کوئی قدم حدود سے بڑھ جاتا ہے تو ربِّ جلیل اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میرے بعد میری قوم کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد پھیلانے والے کی روش سے دور رہنا، ایسا لگتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے اندر فتنہ فساد کے عنصر سے آگاہ تھے اس لئے نصیحت کی کہ ان عناصر کو فتنہ برپا کرنے کا کوئی موقع نہ ملنے پائے اور میرے طریقِ کار پر عمل پیرا رہنا۔

آیت ۱۴۳ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ چالیس یوم کی مدت میعاد کی تکمیل کے بعد ربِّ جلیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست شرف ہمکلامی سے سرفراز کیا جب شرفِ کلام نصیب ہوا تو ذوقِ دیدار بھی بھڑکا، لذت لُطف و کرم سے مسرور ہو کر اشتیاقِ دیدار کی تمنا کر دی، التجا کی اے ربّ! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اُٹھا دیجئے تا کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ سکوں! تو ارشاد ہوا کار نگہ حیات دیدار کا تحمل برداشت کی تاب نہیں لا سکتا! ذرا اس پہاڑ پر نظر کریں اگر یہ اپنی جگہ دائم قائم رہا تو پھر آپ بھی دیکھ سکیں گے، جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ حصہ جس پر تجلی ہوئی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تجلی کی تاب نہ لا سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، گویا تاب نظارہ نہ تھی، پکار اُٹھے اے باری تعالیٰ! تیرا جمالِ مُبارک مادی نگاہوں کی رسائی سے بہت ہی بلند و بالا ہے میں اپنی بے تابانہ طلب سے معذرت خواہ ہوں میں توبہ کرتا ہوں! یعنی جب پہاڑ بھی ربّ کی تجلی کا متحمل نہ ہو سکا تو میں بھی ایک بندہ عاجز ہوں اس دنیا رنگ و بُو میں تیرے دیدار، عظمت و جلال کا متحمل نہیں ہو سکتا!۔

''حدیث مبارکہ میں مذکور ہے ''یومِ قیامت سب لوگ بے ہوش ہوں گے! اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش

میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انہیں کوہِ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں محشر کے میدان کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا''۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف تفسیر سورۃ الاعراف، صحیح مسلم شریف، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

''یہ بے ہوشی میدانِ محشر میں اُس وقت ہوگی جب باری تعالیٰ فیصلے صادر کرنے کے لئے نزول جلال فرمائے گا۔'' (بحوالہ ابن کثیر)

آیت ۱۴۴ میں بیان ہے کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) جو کچھ انعام اللہ کی طرف سے ہوا ہے اُس پر شکر بجالاؤ دیدار کی سعادت نہ ملی نہ سہی! یہ شرف و امتیاز کیا کم ہے پیغمبری ر رسالت سے سرفراز ہوئے، بلاواسطہ شرف ہمکلامی ملا، توراۃ عطا ہوئی سو جو قدر و منزلت ہماری طرف سے ملی، طالبین کے لئے نوید مسرت ہے کہ مجاہدہ میں کوتاہی سے کام نہ لیں کیا کیا مقامات ملتے ہیں یہ سب دینا اللہ کا کام ہے جو مل جائے اس پر الحمد للہ کہنا ہمارا کام ہے۔

آیت ۱۴۵ میں اظہارِ بیان کہ باری تعالیٰ کی طرف سے تحریر کردہ تختیاں عطا ہوئیں، ان میں ہر قسم کی نصیحت اور تمام احکاماتِ ضروریہ کی تفصیل درج تھیں۔ (بحوالہ ابن کثیر) اپنی قوم کو حکم دیجئے ان احکامات پر بطریق احسن عمل کریں ان الواح میں ہر نوع کی ضروری ہدایات تھیں اس مرحلے میں دین و شریعت کے بارے میں ضروری باتیں بتادی گئیں تھیں جس کا مدّعا یہ تھا کہ بنی اسرائیل بُت پرست قوموں کی خرافات نہ اپنائیں بلکہ پاکیزہ، ارفع و اعلیٰ طریقِ عمل اپنائیں ورنہ نافرمانوں کا ٹھکانہ رانجام ہلاکت ہے۔

آیت ۱۴۶ میں بیان کیا جارہا ہے کہ گمراہی کا ایک سبب اللہ کی یاد سے غافل ہونا ہے اور باری تعالیٰ کی آیات کی تکذیب ہے جو لوگ ناحق فخر و تکبر میں ہیں اُنہیں اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ملتی بلکہ تکبّر اور معصیت کے اثر سے اُن کے دلوں میں ایسی کجی پیدا ہو جاتی ہے، ہر قسم کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی نیکی کا راستہ اختیار کرنا اور ایمان لانا اُن کے نصیب میں نہیں ہوتا، بُرائی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اللہ کی یاد سے غفلت بڑھتے بڑھتے آخرت کے انکار تک جا پہنچتی ہے آخرت کا یقین ہی نہ ہو تو نیک عمل بھی اکارت ہو جاتا ہے، تکبّر کا انجام تباہی ہے، دردناک عذاب ہے۔

چنانچہ اسی موضوعِ سخن کا بیان آیت ۹۶، ۹۷ سورۂ یونس پارہ ۱۱ یَعْتَذِرُوْنَ میں آیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہوگئی وہ ایمان نہیں لائیں گے

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

یہاں تک کہ اُن کے پاس ہر طرح کی نشانی آجائے کہ جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

آیت ۱۴۷ میں وضاحت کے ساتھ بتلایا جارہا ہے کہ جنہوں نے باری تعالیٰ کی نشانیوں اور قیامت کے پیش آنے کی تکذیب کی اُن کے تمام اُمور اکارت گئے وہ بدلے میں وہی پائیں گے جو وہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جھٹلانے اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام نہایت بھیانک ہے چونکہ اُن کے عمل کی اساس، صداقت اور حق پر مبنی نہیں، بلکہ ظلم و باطل پر ہے گویا اُن کے نامۂ اعمال کی فہرست میں شر ہی شر کا عنصر موجود اور غالب ہے اِس شر کا بدلہ اُن کو آخرت میں دیا جائے گا، ہائے رہے بدنصیبی! کُفر میں مُبتلا رہنا، عذابِ الٰہی ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا
يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ
وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن کے طور پر جانے کے بعد اپنے زیوروں سے بچھڑا کا جسد بنالیا، جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی، کیا نہ دیکھا اُنہوں نے کہ نہ تو وہ اُن سے بات کرسکتا ہے اور نہ کسی معاملہ میں اُنہیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُنہوں نے اسے معبود ٹھہرالیا وہ تو بڑے ظالم تھے۔ (۱۴۸)

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ
قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا
لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جب ان کا فریبِ طلسم ٹوٹ گیا وہ سخت پشیمان ہوئے، پھر اُنہیں دکھائی دیا ہم تو راہِ راست سے بہک گئے ربھٹک گئے رگمراہی میں پڑ گئے، اب ہمارا ربّ اگر ہم پر رحم نہ کرتا اور ہمارے گناہ معاف نہ کرتا مغفرت نہ کرتا، تو ہم ضرور خسارے میں جا پڑتے۔ (۱۴۹)

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ
قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ
اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ
اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا
تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف مضمحل اور غمگین ہو کر لوٹے رپلٹے غضب اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا اے قوم تم نے میرے بعد بہت بُری جانشینی کی، کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا، تم نے ربّ کے فرمان سے پہلے عجلت کی رمیرے پیچھے تم نے بڑی غیر معقول حرکت سرزد کی، غصہ میں اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے اور جلدی سے تختیاں ایک طرف ڈال دیں۔ ہارون علیہ السلام نے کہا اے میرے مائی جائی! اس قوم نے مجھے کمزور اور بے بس بنا دیا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالتے اور تم مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دو اور ان ظالم قوم کے گروہ میں شمار نہ رمت کرو۔ (۱۵۰)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ
وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التجا کی! اے میرے ربّ میری خطا بخش دے! اور میرے بھائی کی بھی، ہم دونوں کو اپنی رحمت کے اندر لے لے ر شامل کر، تو بہت ہی رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے۔ (۱۵۱)

الفاظ و معانی آیت ۱۴۸ تا ۱۵۱

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ اور بنالیا قوم موسیٰ ربنی اسرائیل نے بعد میں اپنے زیورات سے ایک بچھڑے کی ہیئت بدن بے روح جس میں ایک آواز تھی اور کوئی کمال نہ تھا اور اس بچھڑے کو اُنہوں نے معبود ٹھہرالیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور کی طرف چلے گئے تا کہ باری تعالیٰ کی طرف سے ایک مکمل اور سند، مکمل ضابطہ

حیات لا کر اُنہیں پیش کریں تا کہ ان کی زندگانی اطاعتِ باری تعالیٰ کا ایک حسین مرقع قرار پائے لیکن وہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی فرمانبرداری بھول گئے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے پتھر کے صنم کی طرح ایک بچھڑے کی مورتی کی پرستش کی، عقل وفہم سے بے نیاز ہو کر اس بے روح بدن مورتی کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ ستم ظریفی تو دیکھئے! موجودہ تورات کے مطابق بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون علیہ السلام پر ڈال دیا، قرآن کی عظمتِ صداقت کا کمال ہے کہ وہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے عمل پاکیزگی کا نقیب ہے اس میں وضاحت بیان ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس الزام سے پاک اور مبرا ہے اس کو سامری کی کارستانی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

مُفسرین نے لکھا ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا اور اس نے اس گھوڑے کے پاؤں (ٹاپ) کے نیچے سے مٹھی بھر خاک اُٹھا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی جب قالب سے ڈھل کر بچھڑے کی شکل نکلی تو سامری نے اس خاک میں سے تھوڑی سی اس کے منہ میں ڈال دی، حق تعالیٰ نے اس بچھڑے کو زندہ کر دیا اور اس نے آواز کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''جب اس بچھڑے کی آواز بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے کان میں گئی تو وہ سجدے میں جا گرے''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از فخر الدینؒ)

﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ اور کیا نہ دیکھا اُنہوں نے/نہ سمجھے وہ۔ ﴿اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ﴾ بے شک وہ بچھڑا اُن سے کلام بھی نہیں کرتا۔
﴿اِتَّخَذُوْهُ﴾ اُنہوں نے اختیار کیا، فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ اور تھے وہ ظالم۔ لطائف قشیریؒ میں تحریر ہے کہ ''کس قدر فرق ہے اس اُمت میں جس نے اپنے مصنوع (بنائے جانے والے) کی پرستش کی اور اس اُمّت میں جو اپنے صانع (خالق) کی عبادت کرتی ہے۔

﴿وَلَمَّا سُقِطَ﴾ اور جبکہ اُنہیں خوب ندامت اور پشیمانی ہوئی ﴿فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ اُن کے ہاتھوں میں گویا اُنہیں احساسِ ندامت اس طرح ہوا جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ سے کوئی چیز پاتا ہے یہ لفظ عربی کلام میں پشیمان ہونے سے کنایہ ہے۔ قد سُقِطَ فِيْ يَدِہٖ۔ (بحوالہ قرطبیؒ) اس کو یوں سمجھئے انتہائی پشیمانی کے عالم میں انسان اپنے ہاتھ کاٹتا ہے تو گویا وہ ہاتھ اُس سے جدا ہو کر الگ ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک ہوا تو احساس ہوا کہ ہم سے خطا ہوئی (بحوالہ بیضاویؒ) ﴿سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ وہ بہت پچھتائے، سُقُوط سے ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ (بحوالہ قاموس القرآن)

اُن کا یہ پچھتاوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوا، جب اُنہوں نے آکر اس بات پر خفگی کا اظہار کیا اور بنی اسرائیل کو تنبیہ کی۔ ﴿غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ بڑے غصّہ میں، غمگین، اَسِفًا افسردگی کی کیفیت میں/حزن وملال (بحوالہ قرطبیؒ)، اَسَفًا ملال کرنا مصدر اسم ہے قواعد کے مطابق۔ ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ نے۔ ﴿بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ﴾ بہت ہی بُرے انداز میں تم نے جانشینی کی میری مفارقت کے بعد۔ ﴿خَلَفْتُمُوْنِيْ﴾ بُری نیابت کی۔ خَلَفْتُمْ، خِلَافَةٌ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ اور موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیں تختیاں جس میں احکامِ باری تعالیٰ لکھے تھے یعنی توراۃ تحریر تھی۔ ینابیع میں لکھا ہے کہ تختیاں پھینکی نہیں بلکہ ہاتھ سے جلدی رکھ دیں اس طرح جیسے کوئی کسی کو ڈال دیتا

ہے۔ ﴿وَاَخَذَ﴾ پکڑ لیا۔ ﴿بِرَاْسِ اَخِیْہِ﴾ بال اپنے بھائی کے سر کے، یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کے سر کے۔ ﴿یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ﴾ (یَجُرُّہٗ جَرٌّ مصدر اس کو کھینچتے ہوئے، فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق) اور اسے اپنی طرف کھینچتے غصّے میں اہانت کے طور پر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ گمان رہا کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام غفلت اور فرض ناشناسی کا شکار رہے حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا ﴿یَاابْنَ اُمَّ﴾ اے میری ماں جائی! میں نے کمی نہیں کی۔ ﴿اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ﴾ اس قوم نے مجھے بے بس اور کمزور بنا دیا اور مجھے تنہا پا کر حقیر سمجھا۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ﴾ کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سن کر، اے اللہ! بخش دے مجھے اس کام میں جو میں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کیا، یہ تختیاں جو کہ غصّہ سے پھینک دی تھیں اور میرے بھائی کو بھی بخش دے اگر منع کرنے میں اس سے کچھ کمی تقصیر ہوئی، اور داخل کر ہمیں اپنی رحمت میں! مفسرین نے لکھا ہے ''دنیا میں اپنی عصمت کی پناہ میں ہمیں داخل کر اور عقبیٰ میں ریاض الجنۃ میں'' (بحوالہ تفسیر قادری جلد اول مولوی فخر الدینؒ) ''تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے'' (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ) گویا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ سب پر رحم، اللہ کی نظرِ رحمت کے باعث ہے۔ ع

تُو بَر اہلِ سخا انعام کردی ☆ بَر بچگان اکرام کردند

بہر جاجوئی از رحمت ردانست ☆ زوریا ہائے جوت دام کردند

تشریح و توضیحات آیت ۱۴۸ تا ۱۵۱

آیت ۱۴۸ میں اظہار بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام چالیس شب و روز کے لئے کوہ طور پر گئے تو اُن کی قوم اتباعِ نبوت کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش پر تکیہ کرتے ہوئے عجیب گمراہی میں مُبتلا ہوئی، سامری نے ان کی عدم موجودگی میں سونے کے زیور جمع کر کے ایک بچھڑا بنا لیا جس کو معبود قرار دیا، سامری نے اس میں جبرائیل امین علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کی مٹی ڈال دی، جس میں کسی قدر حیاتِ آفرینی تھی وہ بچھڑا بیل کی سی آواز نکالتا تھا،'' جب مٹی اس میں داخل ہوتی تو بیل رگائے کی سی آواز نکلتی۔ (بحوالہ ابن کثیر) یہ لوگ اس قدر فریب جہالت میں کھو گئے کہ صرف صدا آنے پر فدا ہو گئے اتنا بھی احساس نہیں رہا کہ سماعت کے بعد بات کو سمجھنا اور پھر جواب دینا عام انسانی وصف کی علامت ہے اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ نہ وہ اُن سے بولتا ہے، نہ کسی معاملے میں راہنمائی کر سکتا ہے، بچھڑے کی مورتی نہ تکلّم کر سکتی ہے تو اس بے معنی وجود کی عبادت سے کیا حاصل؟ باری تعالیٰ نے اس قدر بڑا آسمان بلند کر دیا، سورۂ رحمٰن آیت ۷ پارہ ۲۷ قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ میں ارشادِ ربّی ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ

اور اس نے آسمان کو اونچا کیا اور اس میں میزان رکھّی۔ آیت ۷

ہزاروں شمس و کواکب چمکتے اِدھر اُدھر کو لٹکتے رنظر آتے چلے جاتے ہیں اس پر اُنہیں کچھ بھی حیرت اور ہیبت نہیں ہوتی،

Marfat.com

لیکن ایک ہلکی سی آواز جو بے جان جسم سے سنائی دی اُن کے لئے عقیدۂ توحید کے بگاڑ کا مُوجب قرار پائی۔

آیت ۱۴۹ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے الوہیت کے اوصاف کو ماننے سے انکار کیا، بچھڑے کی بنائی ہوئی طلائی مورتی سامری کی کارستانی کے سبب اس کی پرستش کی جب ان کا فریب طلسم ٹوٹا تو اُن کو احساس ہوا کہ وہ درحقیقت گُمراہی کا شکار ہوگئے ہیں تو جُرم سیاہ کار میں مُبتلا ہونے کے بعد کہنے لگے اگر اللہ جَلّ جلالہٗ ہم پر رحم نہ فرمایا گیا اور ہماری خطا معاف نہ ہوئی تو ساری تباہی امرِ یقینی ہے۔ حقیقت احوال تو یہ ہے کہ احساسِ پشیمانی ان لوگوں کو ہوا جن میں کچھ سوجھ بُوجھ کا عنصر غالب تھا اور ان کے دل اتنے سخت نہ ہوئے جس طرح بعد میں ہوئے ''اللہ کی رحمت اور مغفرت کے سوا ان کے لئے فلاح کا کوئی راستہ نہ تھا تو اُنہوں نے اس طرح توبہ کی''۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن از سید قطب شہیدؒ)

آیت ۱۵۰ میں بتایا جارہا ہے کہ رَبِّ جلیل کی طرف سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر ہوئی کہ اُن کی قوم گمراہی کی طرف مائل ہے وہ سخت غضبناک انداز میں واپس ہوئے اور اظہارِ برہمی کیا میری عدم موجودگی میں یہ کیا روش اپنائی ہے توحید سے اس قدر جلد انحراف کرنے لگے اے ناداں لوگو! باری تعالیٰ کے حکم آنے تک کا انتظار نہ کیا، کیا تم نبی کی تعلیمات آنے تک صبر نہ کر سکے اور اپنی عقل و دانش سے فیصلہ کرلیا کیا تمہیں پتہ نہیں انبیاء کرام کی تعلیمات کے مقابلے میں عقل کوئی حیثیت نہیں رکھتی! اُنہوں نے عجلت میں تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ لیا حضرت ہارون علیہ السلام صالح نبی تھے، وہ برادرانہ انداز جذبات سے سرشار ہوکر لب کشا ہوئے، میری کوئی کوتاہی نہیں! آپ دشمنوں کو تمسخر اُڑانے کا موقع نہ دیں، میں اُنہیں منع کرتا رہا، نوبت یہاں تک آگئی کہ وہ میرے قتل تک کے لئے آمادہ ہوگئے، نہ میں شرک کا مرتکب ہوا، نہ شرک کرنے کی اجازت دی، آپ علیہ السلام مجھے ان بدکاروں کی فہرست میں شامل نہ کیجئے۔

آیت ۱۵۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا فرمائی اے باری تعالیٰ مجھے اور بھائی ہارون علیہ السلام کی مغفرت فرما! اور اپنی رحمت خاص عطا فرما! تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے دعائے مغفرت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لئے فرمائی ممکن ہے کہ اُن سے کوئی فروگذاشت سرزد ہوگئی ہو قوم کو گمراہی سے باز رکھنے کے لئے اور اپنے لئے دستِ دعا اس لئے دراز کیا کہ عجلت کے ساتھ تختیاں توراۃ کی رکھ دیں جس پر قرآن کریم نے الواح کو ڈال دینے سے تعبیر کر کے ایک غلطی کی طرف نشاندہی کی ہے، خطا پر مغفرت طلب کرنے کا مقصد باری تعالیٰ کی رحمت پالینا ہے اور دعا کا ادب بھی یہ ہے کہ دوسروں کے لئے دعا کرے تو اپنے آپ کو اس میں شامل کرے تاکہ اس کا استغناء محسوس نہ ہو یعنی کہ یہ اپنے آپ کو دعا کا محتاج نہیں سمجھتا۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

یہ بات غور طلب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلے میں عقلِ سلیم کی کوئی حیثیت ہی نہیں، نبی اور رسول کا فریضہ تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہدایت کو لوگوں تک پہنچاتا ہے یہ بات جان جائیے کہ عقل اُمورِ دنیا تک کے لئے ہے آخرت کے معاملات میں عقل کی رسائی نہیں! چنانچہ یُوں ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں رکھ دیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سَر کو بالوں سے پکڑ لیا اور ناراضگی کا اظہار کیا، پھر اصل بات سمجھ کر لب کُشا ہوئے اے اللہ! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما۔

Marfat.com

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾

بے شک جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا عنقریب رب کی طرف سے غضب اور اُنہیں دنیاوی زندگی میں ذلت اور رسوائی پہنچے گی، بہتان لگانے والوں کو اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں۔ (۱۵۲)

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ
بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا
لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جنہوں نے اعمالِ بد کئے پھر توبہ کی اور ایمان لے آئے تو آپ کا رَبّ بے شک اس کے بعد بہت بخشنے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ (۱۵۳)

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ
الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ
هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فُرو رکم ہوا، تو اُنہوں نے اُن تختیوں کو اُٹھالیا جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت درج تھی، ان لوگوں کے لئے جو اپنے رَبّ سے ڈرتے تھے۔ (۱۵۴)

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ
فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ
بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ
وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر لئے، ہماری ساعت معین کے لئے، پھر جب اُنہیں زلزلہ کے جھٹکوں نے آ پکڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اے میرے رَبّ اگر آپ چاہتے ہیں تو اس سے قبل ہی اُن کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتے۔ اے میرے رَبّ! کیا ہم میں سے چند ناداں / بے عقل لوگوں کی حرکت کے سبب ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گا؟ مگر یہ تو آپ کی طرف سے ایک آزمائش / امتحان کی گھڑی تھی، ایسی آزمائشوں سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت پر قائم رکھتے ہیں تو ہی ہمارا کارساز ہے پس بخش دے ہم کو، رحم فرما، تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ (۵۵)

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی
الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ
بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ

اور لکھ دے اس دنیا میں ہمارے لئے خیر و برکت (بھلائی) اور آخرت کے لئے بھی، بے شک ہم نے آپ ہی کی طرف رجوع کر لیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! میں اپنا عذاب اس تک پہنچاتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز / شے پر محیط ہے تو عنقریب میں رحمت / نعمت ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۶)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ
الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی

اور وہ لوگ جو پیروی / اتباع کرتے ہیں رسول یعنی نبی اُمّی کی اور جس کو وہ اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ اُن کو اچھی

Marfat.com

التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

رنیک باتوں کا حکم دے گا اور بُری باتوں سے روکے گا رمنع کرے گا اُن کے پاک چیزیں حلال قرار دیتا ہے ناپاک رگندی چیزیں حرام کرتا ہے اور اُن سے بارِگراں ربوجھ رجواُن کے گلے میں پڑے تھے اُتار ڈالے گا اور جو اِس پر ایمان لائے ان کی تعظیم کی اور اس روش پر چلے جواُن کے ساتھ نور اُتارا گیا، سو وہی خوش نصیب کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔ (۱۵۷)

الفاظ و معانی آیت ۱۵۲ تا ۱۵۷

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ﴾ پھر باری تعالیٰ نے ان گوسالہ پرستوں کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، جن لوگوں نے جہالت کے سبب پکڑا بچھڑے کو اور معبود قرار دے دیا اس کو، قریب ہے کہ اُنہیں پہنچے۔ ﴿غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ﴾ غضب اُن کے رَبّ کی طرف سے اور غضب اور غصہ وہی تھا جو باری تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو اور دوسرے اُنہیں ذلت۔ ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں اور وہ جزیہ ہے یا جَلا وطن کر دینا۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ﴾ اور جس طرح ہم نے سزا دی بچھڑے کی پرستش کرنے والوں کو، اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں افتراء کرنے والوں اور بدعت کرنے والوں کو۔ جھوٹ بولنے والے دنیا میں ہی مغضوب اور ذلیل ورسوا ہو جاتے ہیں، چنانچہ سامری کو توبہ کی توفیق نہ ملی تو اس پر غضب اور ذِلّت کا نزول ہوا، بھلا باری تعالیٰ کی رحمت اور التفاتِ کرم سے محرومی سے بڑھ کر اور کون سی بڑی سزا ہے ایسے مجرموں کو تو دنیائے رنگ وبُو میں ذلیل ورُسوا کر دیا جاتا ہے تاکہ اُنہیں پتہ چل جائے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی نافرمانی کر کے وہ دنیا میں سکون کا سانس نہیں لے سکتے۔

﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا﴾ اور جن لوگوں نے بُرائیاں کیں، جن سے گناہ صغیرہ و کبیرہ یا شرک سرزد ہوا پھر توبہ کی، اُنہوں نے۔ ﴿مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بُرے کام کرنے کے بعد۔ ﴿وَاٰمَنُوْٓا﴾ اور ایمان لائے گویا وحدانیت کے ساتھ اللہ جلّ شانہٗ کی تصدیق کی اُنہوں نے کہ باری تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں اور کرمِ بخشش پر جاں نثار ہونے کو دل چاہتا ہے کوئی کتنا ہی خطاکار اور سیاہ کار ہو اس کے حضور طلبِ کرم وعطا کی خاطر حاضر ہو جائے تو اسے محروم نہیں کیا جاتا ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رَبّ! اس آیت میں اس مقام پر کہنا "اے مصطفیٰ! تیرا ربّ پروردگار کے الفاظ کتنے پیارے اور کتنے معنیٰ خیز ہیں"۔ (بحوالہ ضیاء القرآن از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

﴿مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ توبہ کے بعد۔ ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا ہے، تائبوں کے گناہ، مہربان ہے اُن پر اُن کی توبہ قبول کرنے میں۔ ﴿وَفِيْ نُسْخَتِهَا﴾ اس میں لکھا ہوا نُسْخَةٍ لکھی ہوئی چیز کتاب، مضاف ھا ضمیر واحد مؤنث غائب، مضاف الیہ، اسم ہے قواعد کے مطابق۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ کا حکم پہنچا کہ بنی اسرائیل میں سے نیک لوگوں کی جمعیت اپنے

ہمراہ طُور پر لے جائیں اور وہ لوگ وہاں بچھڑے کی پُرستش/پوجا سے عذر کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم کے لوگوں سے یہ بات کہی تو اُنہوں نے مان لی۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ﴾ اور چن لیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے۔ ﴿اِخْتَارَ﴾ اُس نے چُن لیا۔ اِخْتَارٌ سے جس کے انتخاب کرنے میں فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔

﴿سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا﴾ ستر مرد واسطے ہماری میعاد کے یعنی جس وقت کا ہم نے وعدہ کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے کہا کہ باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کیا اور جو تختیوں میں ہے یہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، ربِّ جلیل نے فرمایا اے موسیٰ! اولادِ یعقوب میں سے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ہمراہ لاؤ تا کہ وہ میرا کلام سن لیں اور اس پر شہادت دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (۷۰) آدمی اپنے ساتھ لے گئے جب طُور پر پہنچے تو ابر کے آثار نمایاں ہوئے اور اُن لوگوں کے مابین حائل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ابر کے سائے میں آگئے اور اُن کی قوم کے نیک لوگ سربہ سجود ہو گئے، باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شرفِ کلام کیا امر و نہی کے وعدے ہوئے پھر ابر چھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے پوچھا کیا تم نے میرے ربّ کا کلام سُنا، اُنہوں نے کہا ہاں کلام تو سُنا مگر کلام کرنے والے کا علم نہیں ہوا، ہم تو اسی وقت ایمان لائیں گے جب اللہ جلّ جلالہٗ کو ظاہر میں دیکھیں یہ کہنا تھا کہ بجلی کی کڑک آئی جس سے یہ لوگ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مضطرب ہو کر دستِ طلبِ دعا کے لئے اُٹھایا حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کی خبر دیتا ہے۔ ﴿فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ پھر پکڑا ان (۷۰) ستر آدمیوں کو بجلی نے اور وہ جل گئے، وہ بظاہر مُردہ ہو گئے۔ سورۃ بقرہ میں ''اس جگہ صَاعِقَةٌ کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ بجلی کی کڑک اور یہاں الرَّجْفَةُ زلزلہ کے معنیٰ زلزلہ کے ہیں اس میں کوئی بعید نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہو گئی ہوں''۔ (ماخوذ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساسِ خوف ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں یہ مرجائیں اور بنی اسرائیل مجھ پر اُن کی ہلاکت کی تہمت لگائیں۔ ﴿قَالَ رَبِّ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اے میرے پروردگار! ﴿لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ﴾ اگر آپ چاہتے تو ہلاک کر دیتے اُنہیں، ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے کہ میں قوم سے باہر نکلا تھا اور مجھے بھی ہلاک کر دیتے۔ ''عین المعانی'' میں تحریر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُنہیں اس واسطے ہلاک کرتے کہ اُنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی اور مجھے قبطی کو مار ڈالنے کے سبب سے۔ ﴿اَتُهْلِكُنَا﴾ کیا تو ہم کو ہلاک کرے گا۔ تُهلكُ اَهْلَكَ سے فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر، قواعد کے مطابق۔ ﴿بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ بسبب اس چیز کے جو کی ان چند احمقوں نے، ہماری قوم سے یعنی بچھڑا پوجنے کے باعث یا اس قوم نے طلب دیدار کی جرأت کی اس وجہ سے۔ ﴿اِنْ هِیَ﴾ نہیں ہے یہ کام۔ ﴿اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ یہ مگر تیری آزمائش اور مُبتلا کر دیا اپنے بندوں کو امتحان میں فتنة کہا جاتا ہے آزمائش اور امتحان کو، ای ما هذا الا اختبارك وامتحانك۔ (بحوالہ قرطبیؒ) کتاب فصل الخطاب میں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ''باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مقام بسط میں رکھا یہاں تک کہ کمال اُنس تک پہنچ کر اُنہوں نے ناز کی راہ سے یہ جرأت کی اور ناز مرتبہ محبوبیت میں ہے''۔ اور مقام بسط ہی سے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام کہ (بسط کشادگی، فراخی باب نصر سے مصدر بحوالہ قاموس القرآن)

Marfat.com

﴿تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ﴾ گمراہ کرتا ہے تو اس فتنہ اور ابتلا کے سبب سے جسے تو چاہتا ہے کہ گمراہ ہو جائے۔ ﴿تُضِلُّ﴾ تو گمراہ کرتا ہے، اِضْلَالٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ ﴿وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ﴾ اور تو ہدایت کرتا ہے اُسی کے سبب سے جسے تو چاہتا ہے کہ راہ پائے یہ بات یاد رہے کہ اگر انسان کو اللہ کی توفیق دستگیری مل جائے تو وہ امتحان اور آزمائش کی گھڑی میں کامرانی پالیتا ہے اور اگر ذرا سی بھی تائید باری تعالیٰ شاملِ حال نہ ہو تو معمولی سی آزمائش بھی انسان کی مُوجبِ لغزش بن جاتی ہے اس لئے انسان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اپنے عقل وفہم کی نارسائی اور اپنی بے بسی کو ہر لحہ مدِ نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مُتلاشی رہے، حضور اکرم ﷺ کے یہ دعائیہ کلمات کس قدر دل نشین حقیقت پر مبنی ہیں لا تکلنی الی نفسی طرفة عین واصلح لی شانی کلّه۔ ''آنکھ جھپکنے کی صورت میں مجھے اے اللہ اپنی توفیق سے محروم کر کے میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور میرے معاملات رحالات کی خود اصلاح کر دیجئے۔'' ﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا﴾ اور تو ہی ہے ہمارا متولّی، کارفرما رکارساز ہے پس بخش دے ہمیں، اللہ کے قادر مطلق اور مُختارِ کُل ہونے کا یقین کرنے کے بعد، اب دستِ دعا اور دامنِ طلب کا دائرہ کار وسعتِ طلب کی طرف مرکوز ہو رہا ہے وَلِیُّنَا۔ اے اللہ! ہمارے دین ودنیا کے تمام کام اُمور کا محافظ اور نگہبان آپ ہی کی ذات ہے، جب تک اس گیتی کائنات میں زندگی کے لمحات ہیں توفیق ہدایت اور ذوق وشوق عبادت سے سرفراز فرما، اور دار البقا کی طرف رُختِ سفر ہو تو مغفرت کے ساتھ، انعامات رحمت کرم وعنایات مرحمت فرما۔ ﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ﴾ بلاشبہ ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف، یعنی قصور ونسیان اور گناہ سرزد کر کے تیری بارگاہ رحمت میں آگئے۔ هُدْنَا۔ ہم نے توبہ کی هُدُوٌ سے ماضی جمع متکلم قواعد کے لحاظ سے) کے معنیٰ ہیں رجوع کرنا، ہم آپ کی طرف خُلوص واطاعت سے رجوع کرتے ہیں، کیونکہ هُدْنَا ورجعنا الیك قال اللیث الهدو، التوبه ''ہم نے تیری طرف گناہ اور نافرمانی ترک کر کے رجوع کیا''۔ (بحوالہ تفسیر فتح المنان از عبدالحق حقانی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا باری تعالیٰ کا ﴿قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ﴾ مجھ میں وصفِ غضب بھی ہے۔ جس کو چاہوں اس میں مبتلا کر دوں، میری رحمت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ ﴿مَنْ اَشَآءُ﴾ میں جسے چاہوں، مَشِیَّةٌ سے فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم قواعد کے مطابق۔ ﴿اُصِیْبُ﴾ میں ڈالتا ہوں رپہنچاتا ہوں، اِصَابَةٌ سے فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم۔

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ اور یہ میری رحمت اس کی خوبی یہ ہے کہ پہنچتی ہے سب چیزوں کو گویا دنیا میں مؤمن، کافر اس میں سب شامل ہیں بخشنے اور روزی پہنچانے کے سبب سے۔ بعض مُفسرین نے لکھا ہے ''رحمت مہربانی ہے'' یا ''رحمت توبہ ہے'' کہ علی العموم سب پر اس رحمت کا دروازہ کھلا ہے اور سب کو اس رحمت سے متصف ہونے کی دعوت دی ہے۔ ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا﴾ اور تم مل کر اللہ کی طرف توبہ کرو!۔ ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ اور وہ لوگ ہیں صدقِ دل سے پیروی کرتے ہیں میرے رسول ﷺ کی اور اُن کی صفت کمال وجمال ہے وہ اُمّی ہیں، حضور ﷺ کو اُمّی کے لقب سے سرفراز کرنے کی علماء کرام نے کئی توجہات بیان کی ہیں، باوجود بغیر لکھے اور بغیر پڑھے ہونے کے کمالِ علم آپ ﷺ کا ایک مُعجزہ ہو سکتا ہے اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ نے بھی کسی اُستاد سے، لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اس کے باوجود

Marfat.com

علوم ظاہری و باطنی سے سینۂ اطہر منوّر ہے ''حضور ﷺ کا روشن معجزہ ہے''۔ (بحوالہ تفسیر مظہری)

''بحر الحقائق'' میں تحریر ہے کہ ''عرب اصل اور منشا کو اُم کہتے ہیں جیسے کہ مکّہ کو اُمّ القریٰ کہتے ہیں، اس واسطے کہ مکّہ معظّمہ سب شہروں اور بستیوں کا مبدا اور اصل ہے اور لوحِ محفوظ کو ''اُمّ الکتاب'' کہتے ہیں اس واسطے کہ سب کتابوں کی اصل وہی ہے تو رسالت مآب ﷺ کو بھی اُمّ کی طرف منسوب کیا اور اُمّی کہا۔ ﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ﴾ پھر جو لوگ بنی اسرائیل میں سے نبی اُمّی کے دین میں آئے۔ ﴿وَعَزَّرُوْهُ﴾ اور تعظیم کی اُنہوں نے اُن کی، عَزَّرُوْا رفاقت کی، تَعْزِیْرٌ سے فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ تَعْزِیْرٌ، عَزْرٌ سے بنا ہے جس کے معنیٰ قوت پہنچانا، کسی کو بڑا تسلیم کرکے اس کی حفاظت اور حمایت کرنا۔ ﴿وَنَصَرُوْهُ﴾ مدد کی، نَصْرٌ سے مصدر ماضی جمع مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ﴾ پیروی کرو اس نور کی جو۔ ﴿اُنْزِلَ مَعَہٗٓ﴾ نازل کیا گیا اس کی نبوّت کے ساتھ، اس سے قرآنِ کریم مراد ہے اور مُفسرین نے تحریر کیا کہ مَعَہٗ کا لفظ بقائے قرآن پر دلالت کرتا ہے قرآن کو نور کہنے میں نکتہ نہایت روشن اور ظاہر ہے۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ) اس دنیا کے اُمور قرآن میں مفصل اور ظاہر ہیں۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۵۲ تا ۱۵۷

آیت ۱۵۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ غیر اللہ سے اُمید کی وابستگی، ذلّت و رُسوائی میں مُبتلا ہونے کی دلیل ہے باری تعالیٰ نے ایک قانون وضع کر دیا ہے جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کو اپنا شعار بنایا اُنھیں گیتی کائنات میں بہت جلد اللہ تعالیٰ کا غضب اور ذِلّت و رُسوائی سے ہمکنار ہونا پڑے گا ایسے افراد جو حالات سے مجبور ہو کر عجلت میں اللہ کا در چھوڑ کر کسی دوسری ذات سے وابستہ اُمید ہو جاتے ہیں اور اپنی فہم و دانش پر اتراتے ہوئے بچھڑے کو معبود قرار دیتے ہیں تو ان کو دو طرح کا عذاب بھگتنا پڑتا ہے ایک تو اللہ کا غضب جس کا انجام گمراہی اور عقیدے کا فساد ہے اور دوسرا عذاب پریشانی، پشیمانی ذلّت اور رُسوائی ہے آج کا معاشرہ اس عذاب میں مُبتلا ہے، مغربی تہذیب و تمدن کے آثار ظلم و تشدد کے آثار اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، عزّتِ نفس کا تصور مٹتا جا رہا ہے، نئی تہذیب اپنے آپ سے خودکشی کر رہی ہے ''دین میں بدعات اور رسومات بے جا کو اپنانا اللہ پر افتراء ہے اور ایسے لوگ ہی عذاب کا شکار ہوتے ہیں''۔ (بحوالہ تفسیر مظہری) جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں اُن کو باری تعالیٰ کی طرف سے سزا ملتی ہے۔

آیت ۱۵۳ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ جنھوں نے بُرے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی، توبہ کا مفہوم ہے اپنا عقیدہ اور عمل صحیح کرنا، بنی اسرائیل کو تو توبہ کے لئے قتل کی سختی بھی سہنی پڑی جو قتل ہو گئے وہ راہِ حق کے شہید قرار پائے جو بچ گئے اُنھیں معاف کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے، پتہ چلا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ توبہ خُلوصِ دل سے اور اخلاص کے ساتھ ہو، عملاً توبہ کرنے والے کو باری تعالیٰ محروم نہیں کرتے۔

آیت ۱۵۴ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اظہار برہمی میں کمی واقع ہوئی تو اُنھوں نے تختیاں اُٹھا لیں جن کے نوشتہ تحریر یعنی توراۃ کے احکام میں ہدایت اور رحمت تھی، یہ بات ذہن میں رہے کہ توراۃ کو بھی قرآنِ حمید کی

Marfat.com

طرح اپنے لوگوں کے باعثِ رحمت وہدایت قرار دیا گیا جو اپنے رَبّ سے ڈرتے تھے۔

آیت ۱۵۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ستر (۷۰) آدمیوں کو مُنتخب کرکے کوہِ سینا پر اجتماعی توبہ کے لیئے لے گئے پھر جب زلزلہ نے آ پکڑا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''زلزلہ میں مُبتلا ہونے کا سبب یہ تھا کہ قوم نے جب گوسالہ پرستی قائم کی تھی تو یہ اُن سے جُدا نہ ہوئے تھے''۔ (بحوالہ خازن) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ جو کچھ ہوا ''چند نادانوں کی بدبختی اور حماقت کے سبب ہوا اور یہ تیری ذات سے بعید ہے کہ تو نادانوں کے کسی جُرم کی پاداش میں ہم سب کو ہلاک کردے''۔ (بحوالہ تفسیر تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

حقیقت احوال تو یہ ہے کہ آزمائش سے قبل پناہ مانگنی چاہئے، اللہ تعالیٰ تو ہر شئے پر قادر ہے جس کو چاہے، جب چاہے ہدایت عطا کردے اگر باری تعالیٰ خفا ہوجائے تو انسان گمراہ ہوسکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! تو ہمارا کارساز ہے ہمیں اپنی آزمائش سے ہمیں محفوظ رکھ! تو ہمارا مددگار ہے ہمیں معاف فرما!، ہم پر رحم فرمادے!، تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے!، تیری بخشش رِضا کا ایک پہلو یہ ہے کہ گیتیِ کائنات میں نیکی اور بھلائی ہمارا مقدر ہو! نیک عمل کی ہمیں توفیق مل جائے! اور آخرت میں اس نیکی کا اُجر تیری شانِ کریمی کے مطابق نصیب ہو! کیونکہ اے اللہ! تو سب معاف کرنے والوں میں سے زیادہ اچھا ہے۔

آیت ۱۵۶ میں بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر محیط ہے، فرماتا ہے عذاب میں اسی کو مُبتلا کرتا ہوں جس کو چاہتا ہوں رحمتوں اور نعمتوں کو عنقریب ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہیں یہ اللہ کی رحمت اور انعامِ رحمت کی وسعت کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا میں نیک، صالح، گنہگار، فاسق، مؤمن و کافر سب ہی اللہ کی رحمت سے فیض پاتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ باری تعالیٰ کی رحمت کے سو حصّے ہیں ''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصّہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور تک اپنے بچوں سے شفقت کرتے ہیں اس نے اپنی رحمت کے ۹۹ حصّے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں''۔ (بحوالہ صحیح مسلم شریف) ابن ماجہ میں یہ آیتِ مبارکہ زیرِ مطالعہ اس بات کی طرف نشاندہی کررہی ہے کہ قرآن کی عظمت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات تمام گمراہیوں کا سدِ باب کرتی ہیں، گیتیِ کائنات میں اصل حقیقت اللہ کی رحمت ہے عذاب اور عقوبت نہیں! عذاب خاص مواقع کے لئے ہے اللہ کی رضا سے کائنات رنگ و بُو کا کوئی گوشہ خالی نہیں، اللہ کی رحمت کا قانون اس کی دائمی صفت کا مظہر ہے عذاب کا دینا، اللہ کی صفت نہیں! بلکہ عذاب ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔

آیت ۱۵۷ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ رحمت دراصل اُن لوگوں کے لئے باعث عطائے انعام ہے جو نبی اُمّی کی اتباع کو اپنا شعار بناتے ہیں جس کا اظہار ذکر اُنہیں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے جس قدر صفات ان آسمانی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور توصیف کے لئے ہیں، بنی اسرائیل کتاب و شریعت سے قطعی ناآشنا لوگ سمجھے جاتے تھے اس لئے وہ لفظ اُمّی کو اپنے لئے بطورِ ایک امتیازی لقب کے بلا کسی احساسِ کمتری کے استعمال کرتے تھے،

Marfat.com

حالانکہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی خبر متعدد صحیفوں میں دی گئی تھی''۔ (ماخوذ تفسیر تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

مثال کے طور پر توراۃ اور انجیل کے باب میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بارے میں صاف اشارات موجود ہیں ملاحظہ کیجئے کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ تا ۱۹۔ انجیل متی باب ۲۱، آیت ۲۳ تا ۲۴۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ تا ۱۷۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت تھی جس نے یہود کو تمام تر غیر فطری پابندیوں سے نجات دینے کا اعلان کیا، یہ آیت اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر اُخروی نجات قطعی طور پر ممکن ہی نہیں، ایمان وہی قابلِ عمل اور مُعتبر ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے، معروف وہ ہے جسے شریعت نے اچھا کہا، اور منکروہ ہے جسے شریعت نے بُرا ٹھہرایا۔ حضورِ اکرم ﷺ کی دعوتِ حق، دعوتِ دین، قرآنِ حکیم کی دعوت ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت قرآن کی دعوتِ عمل کے ساتھ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھے آسان دین حنیفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے''۔ (بحوالہ مسند احمد جلد پنجم)

اہلِ کتاب کے لئے رحمت باری کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں جو لوگ صدق دل سے اس دعوت پر یقین کریں گے اُن کے لئے کامیابی اور سعادت مقدّر ہے، یہاں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے تین اہم اُمور ہیں:

۱)......نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے اجتناب کرنا۔

۲)......پسندیدہ حلال اشیاء، جو اچھی ہیں ان کا استعمال جائز قرار پایا، جو ناپسندیدہ حرام چیزیں مُضر ہیں وہ ناجائز۔

۳)......جو لوگ گویا مذہبی احکامات کی بے جا اور ناقابلِ عمل پابندیاں، اوہام تو ہم پرستی، عالموں کی اندھی تقلید اختیار کی، اور جنہوں نے اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے ذہنوں کو مقید کر لیا اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے سے ایسا نُور ملتا ہے جو انسان کو بُرائی کی طرف مائل ہونے سے روکتا ہے جو لوگ نُورِ حق کی روشنی پاتے ہیں وحی کی تعلیمات اپناتے ہیں وہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اور دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

آیت ۱۵۲ تا ۱۵۷ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

غیر اللہ سے اُمید کی وابستگی، رُسوائی اور ذِلّت کا سبب ہے جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کو اپنا شعار بنایا اللہ کا غضب آن کا مُقدّر رہے حالات سے دِل برداشتہ ہو کر جو لوگ اللہ تعالیٰ کا در چھوڑ کر، اللہ کا سہارا چھوڑ کر، دوسری ذات سے آس لگائے رہتے ہیں یا اپنی عقل کو اپنا راہنما بنا لیتے ہیں ''بتوں سے تجھ کو اُمیدیں، خدا سے نااُمیدی'' کے مصداق تو اُن کو دنیا میں طرح طرح کی مصیبت کا سامنا ہے، پہلا یہ کہ اللہ کا غضب و عتاب جس کا نتیجہ گمراہی اور عقیدے کا فساد ہے دوسرے یہ پریشانی، رُسوائی اور تذلیل، آج کا معاشرتی دَور اس کی عکاسی کرتا ہے، مغربی تہذیب کے آثار تو اس قدر غفلت کی ترجمانی کر رہے ہیں آبرو کا تصوّر گم ہوتا جارہا ہے، اللہ پر بُہتان باندھنا عذاب میں مُبتلا ہونا ہے دین میں بدعات اور رسومات کا جاری کرنا بھی اللہ پر افتراء ہے ابھی وقت ہے توبہ کا در کُھلا ہے عقیدہ اور عمل درست کرنے کا وقت آگیا ہے۔ جو ایمان لائے عزت پاگئے وہی فلاح پانے والے ہو گئے۔

Marfat.com

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

آپ ﷺ کہہ دیجئے! اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، جن کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے، وہی موت دیتا ہے، پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ! اور اُس کے رسول ﷺ پر جو نبی اُمی ہے جو اللہ پر اور اُس کے کلام پر ایمان لایا ہے سو اسی کی پیروی اختیار کرو تا کہ راہِ ہدایت پا جاؤ۔ (۱۵۸)

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور قومِ موسیٰ میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں اور اسی حق کے ساتھ/مطابق انصاف کرتے ہیں۔ (۱۵۹)

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ
وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا
ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور ہم نے اُنہیں بارہ قبیلوں میں/گروہوں میں جُدا جُدا کر دیا اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف جب اُن کی قوم نے پانی طلب کیا اُن سے، ہم نے وحی کی کہ اپنے عصا کو اس پتھر پر مارو، پس بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر قبیلے نے اپنے پانی کا گھاٹ دریافت کر لیا اور ہم نے اُن پر سائبان کیا ابر/بادل کا اور ہم نے اُن پر من سلویٰ/ترنجبین اور بٹیریں اُتارا، اور کہا کھاؤ نفیس اور پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اُنہوں نے تو ہمارا کوئی نقصان/خسارہ نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ (۱۶۰)

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا
مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور جب کہا گیا کہ جا بسو اس شہر میں اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور یہ کہتے ہوئے جانا کہ توبہ ہے، گناہوں سے توبہ ہے، اے کریم بخش دے ہمیں، جھکے جھکے دروازے میں داخل ہونا، ضرور سجدہ کرتے ہوئے تب ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور ہم عنقریب احسان کرنے والوں کو مزید فضل سے سرفراز کریں گے۔ (۱۶۱)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

مگر اُن ظالموں نے اس کی جگہ دوسرا لفظ بدل ڈالا، تب ہم نے اُن کے ظلم کے سبب اُن پر ایک آفت ساوی بھیجی، گویا ظلم کی پاداش میں اُن پر عذاب آسمان سے نازل ہوا۔ (۱۶۲)

الفاظ و معانی آیت ۱۵۸ تا آیت ۱۶۲

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ اے لوگو! بلاشبہ میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کے لئے یہ نہیں کہ بعض کی طرف ہوں اور بعض کی طرف نہیں! جس طرح اور رسول تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول امام احمد کی ایک

Marfat.com

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جو میرا مبعوث ہونا سنے وہ میری اُمّت میں ہو یا یہودی ونصرانی اگر وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے گا تو جہنّم میں جائے گا" جب اس بات کا علم ہو گیا کہ حضرت محمد ﷺ تمام اقوامِ عالم کے نبی ورسول ہیں تو اب پھر اُن کی پیروی کے سوا کوئی چارہ نہیں، خلاصہ گفتگو یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ کا تمام موجود اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ہر قوم ملک وملّت کے لوگوں کے لئے رُشد وہدایت کا پیغام لے کر آئے ہیں اب ہمارے لئے ہدایت اور فلاح واصلاح کی ایک ہی راہ ہے اور نجات کا ایک راستہ ہے کہ اس کتاب کی پیروی کی جائے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ﴿وَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور پیروی اختیار کرو اس نبی کی اور فرمانبرداری کرو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔

﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾ اور قومِ موسیٰ میں سے۔ ﴿اُمَّةٌ﴾ ایک جماعت کے لوگ۔ ﴿يَهْدُوْنَ﴾ ہدایت کرتے ہیں خلق کو۔ ﴿بِالْحَقِّ﴾ بسبب حق کے۔ ﴿وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ حق اور راستی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں مُفسروں نے کہا ہے کہ اس گروہ سے عبد اللہ بن سلام اور اُن کے دوست مُراد لئے گئے ہیں۔ مشہور بات تو وہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات اور اُن کے خلیفہ یوشع علیہ السلام کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل کے لوگوں میں انتشار پھیلا، بُرائی عام ہوئی قتل انبیاء علیہم السلام اور دیگر گناہوں میں مشغول ہوئے، ان میں سے ایک گروہ نے کمالِ آرزو کے ساتھ باری تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ہم میں اور ہماری قوم میں جُدائی ہو جائے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے زمین میں ایک راہ کھول دی وہ لوگ جو اس راہ سے داخل ہوئے ملک چین کے اس طرف نکلے اور وہاں مکانات تعمیر کر کے رہے "سرکارِ دو عالم ﷺ نے شبِ معراج میں اُنہیں دیکھا اور قرآن کی دس سورتیں پڑھیں اور وہ لوگ جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے وہ لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور باقاعدہ نماز قائم رکھتے ہیں یہ آیت اُن کی صفت میں ہے"۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ﴾ اور جُدا کیا قومِ موسیٰ کو اور کر دیا ہم نے۔ ﴿اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا﴾ بارہ قبیلوں میں سبط اولاد کو کہتے ہیں، ہر سبط ایک گُروہ ہے اسباط جمع ہے سبط کی ﴿اُمَمًا﴾ گروہ، گروہ۔ گویا یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مُراد ہے ۔(بحوالہ بیضاوی اور تفسیر مظہری) ﴿وَقَطَّعْنَا﴾ الگ الگ کر دیا ہم نے قواعد کے مطابق فعل ماضی متکلم کا صیغہ ہے جو تَقْطِيْعٌ سے اس کا مادہ قَطْعٌ ہے جو کاٹنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ ﴿اَنِ اضْرِبْ﴾ یہ کہ مارو۔ ﴿بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ اپنے عصا سے اس پتھر کو (جب تیہ کے لق ودق صحرا میں) داخل ہوئے تھے تو پتھر نے آپ سے بات کی تھی اور کہا تھا کہ مجھے اُٹھا کر رکھ لو میں آپ کے کام آؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اُٹھا کر اس پتھر پر مارا۔ ﴿فَانْبَجَسَتْ﴾ پھوٹ پڑے۔ انبجاس سے جس کے معنیٰ کسی تنگ جگہ سے پانی کے بہہ نکلنے کے آتے ہیں فعل ماضی کا صیغہ (واحد مونث غائب) قواعد کے مطابق۔ ﴿مِنْهُ﴾ اس پتھر میں سے۔ ﴿اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ بارہ چشمے اسباط کے عدد کے موافق۔ ﴿قَدْ عَلِمَ﴾ تحقیق کہ جان لیا۔

﴿كُلُّ اُنَاسٍ﴾ سب آدمیوں نے (بارہ قبیلے کے) ہر سبط میں سے۔ ﴿مَّشْرَبَهُمْ﴾ اپنا اپنا مقام پانی پینے کا معلوم کر لیا اور ایک انعام یہ کہ ﴿وَظَلَّلْنَا﴾ اور سائبان کر دیا ہم نے۔ ﴿عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ﴾ اُن پر ابر کو کہ آفتاب کی تپش سے ایذا نہ پائیں۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا﴾ اور اُتار دی ہم نے۔ ﴿عَلَيْهِمُ الْمَنَّ﴾ اُن پر ترنجبین رُبِّ کے مثل ایک میٹھی چیز۔ ﴿وَالسَّلْوٰى﴾ اور مُرغ طیار کے مشابہ اور کہا ہم نے۔ ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے وہ

Marfat.com

جو محض اپنی عنایت سے رزق دیا ہم نے تمہیں اور ذخیرہ نہ کر رکھنا، سو اُنہوں نے ہمارے حکم کے خلاف کیا اور من وسلویٰ میں سے ذخیرہ کرلیا اور وہ خراب ہوگیا۔ ﴿وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ اور جب کہا کہ اُن کو سکونت اختیار کرو اس شہر میں اریحا یا ایلیا میں (اس سے مُراد بیت المقدس کا شہر ہے) ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ اور کہو اے اللہ! درخواستِ ہماری حطہ ہے، ہماری توبہ ہے، بخش دے، ہمارے گناہ، لیکن اُنہوں نے حطہ کے بجائے حنطہ کہا یعنی گیہوں، یہ بھی ازراہِ تمسخر اور بطورِ ہنسی تھا۔ ﴿نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ﴾ تا کہ ہم بخش دیں تمہاری خطائیں رگناہ۔ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ پھر بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا اپنے اوپر بنی اسرائیل میں سے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۵۸ تا ۱۶۲

آیت ۱۵۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب کی طرف سے اللہ کے رسول ہو کر جلوہ فگن ہوئے ہیں اس حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے جس کی بادشاہی زمین اور آسمانوں کی ہے، اللہ جلِ شانہٗ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! اللہ ہی زندگی بخشا ہے اور موت سے ہمکنار کرتا ہے تو اے لوگو! پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے نبی اُمّی رسول ﷺ پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے احکامات اور کلمات پر اس ''دعوت میں سب سے پہلا امر یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ ایمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے کلمہ طیبہ پر منضبط کیا گیا''۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن از سید قطب شہیدؒ)

تا کہ تم راہِ حق وصداقت پر قائم اور دائم رہو، گویا نبی ﷺ کے دعوئے نبوت اور اُن کی دعوت حق وایمان کو کسی وہم، کسی گمان اور سیادت کی خواہش پر مبنی نہ جانو! نبی اکرم ﷺ خود اللہ پر، اُس کی نازل کردہ تعلیمات پر ایمان رکھتے ہوئے دعوت ایمان دے رہے ہیں یہ ختمِ نبوّت کا کمال، اعجازِ حسن ہے کہ اگر پہلے گزرے ہوئے انبیاء علیہم السلام بھی کائنات میں تشریف لائیں اُنہیں بھی آپ ﷺ کی اتباع کرنی ہوگی جیسا کہ حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر آج بھی زندہ ہوتے تو میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہ پاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی آسمانوں پر تشریف رکھتے ہیں جب وہ دنیا میں آئیں گے تو باوجود کہ اپنی نبوّت پر برقرار رہیں گے، اتباعِ شریعت محمدی کا ہی کریں گے۔ (بحوالہ اسرار التنزیل از امیر محمد اکرم اعوان)

گویا اس آیت مبارکہ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پیام رُشد وہدایت کا پیام ہے، ہدایت فلاح وصلاح کا ایک راستہ ہے جو کتابِ مبین باری تعالیٰ کی طرف سے نوید رُشد وہدایت ہے اس کی دل وجان سے اتباع عمل کی طرف مرکوز ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے انحراف کی جرأت نہ کرو۔

آیت ۱۵۹ میں بیان ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی قوم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جو حق کو اپنا کر راہنمائی کی طرف بلاتے اور اس کے مطابق حق وانصاف اپناتے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اچھے لوگ تھے ان میں ایک طبقہ ایسا تھا جو حق بات تسلیم کرتا اور عدل وانصاف سے کام لیتا تھا، اور خود نبی اکرم ﷺ کے دور میں ان میں بعض حق پرستوں نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا، خاص کر وہ لوگ جو اپنے ہاں موجود توراۃ میں نبی اُمّی کے بارے میں لکھا ہوا پاتے تھے۔ اُن کے سرخیل آپ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن سلام تھے یہ اس وقت کے یہودیوں کا مقابلہ اِن پیش گوئیوں سے

کرتے تھے جو نبی آخر الزماں کے بارے میں توراۃ میں موجود تھیں، نیز جو شریعت کے نصوص تھے وہ بھی اسلامی نظام کے قانون کے ساتھ ہم رنگ تھے‘‘ (بحوالہ فی ظلال القرآن از سید قطب شہیدؒ)

آیت ۱۶۰ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ یہ باری تعالیٰ کی خاص عنایتِ کرم تھی کہ جس کا سایہ کرم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قائم اور دائم رہا بنی اسرائیل نے گوسالہ / بچھڑے کی عبادت کر کے کفر کیا اور اپنی خطا کا کفارہ ادا کرنے کے لئے معافی مانگی اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش طلب کا اظہار کیا اور زلزلے کے سبب اُن کی جان نکل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گریہ و زاری کے سبب دوبارہ اُن کو زندگی ملی، اسی طرح اُن کو بارہ گروہوں میں اُن کی شاخوں کے اعتبار سے منقسم کیا گیا اُن کے بارہ گروہ / جماعتیں تھیں اور ان کو ان بارہ فرقوں میں محض انتظام کے سبب پانی کی تقسیم کے لئے الگ الگ کیا گیا تا کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ کریں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اُنہوں نے پانی مانگا تو وحی کے ذریعہ حکم صادر ہوا کہ فلاں چٹان پر اپنی لاٹھی مارو، پھر ہر گروہ نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا، چونکہ صحرا کے اندر بہت تپش تھی ان پر بادلوں کا سایہ کیا گیا اور من وسلویٰ اُتارا گیا صحرا میں اُن کے لئے غذا کے فراہم ہونے کے باوجود اُنہوں نے اپنے آپ پر ظلم وکفر اور خود سزا اور عذاب کا مستحق ٹھہراتے رہے۔ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں بارہ فرزند میں بارہ سبط / قبیلے تشکیل پائے اور ہر قبیلے پر باری تعالیٰ نے ایک نقیب / نگراں مقرر کر دیا۔‘‘ جس کی تمام تر وضاحت بائبل کی کتاب گنتی میں ملتی ہے‘‘۔

(بحوالہ تفہیم القرآن جلد دوئم از سید ابو اعلیٰ مودودیؒ)

چنانچہ آیت ۱۲ سورۂ مائدہ پارہ ۶ لَایُحِبُّ اللّٰہُ میں ارشادِ ربّی ہے:

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا اور ان میں سے بارہ نقیب / نگراں / سردار ہم نے مقرر کر دیئے

’’یہ اس وقت کا واقعہ ہے جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام جبابرہ سے قتال کے لئے تیار ہوئے تو اُنہوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں میں بارہ نقیب مقرر کئے تا کہ وہ جنگ کے لئے تیاری کریں اور اُن کی قیادت وراہنمائی کریں۔ (بحوالہ قرآنِ کریم تفسیر از مولانا صلاح الدین یوسف مطبوعہ شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس)

آیت ۱۵۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ ان واقعات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جو تاریخ بنی اسرائیل سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کے احسانات کا جواب یہ لوگ کیسی بے باک مُجرمانہ طور پر دیتے ہیں اور پھر کس طرح مسلسل تباہی کی طرف مائل ہوتے رہے، اُن سے کہا گیا کہ اس بستی / شہر بیت المقدس میں سکونت اختیار کرو جو کچھ چاہو پاکیزہ چیزیں کھاؤ، توبہ اور استغفار اختیار کرتے ہوئے دروازے میں سرفگندہ / جھکتے ہوئے داخل ہونا تا کہ تمہاری خطاؤں کو بخش دیا جائے، نیک راہ اپنانے والوں پر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل ہوگا۔

آیت ۱۶۲ میں بتایا جارہا ہے کہ جو لوگ ظلم اپنائے ہوئے تھے ان میں سے اُنہوں نے جو بات کہی تھی اس کو بدل ڈالا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان پر ایک آفت سماوی ظلم کی پاداش میں نازل ہوئی، بھلا اس حقیقت سے کیا انکار کہ رسومات اور بدعات کو اپنایا جائے تو عذابوں کا آنا یقینی ہو جاتا ہے، آج بھی اگر کوئی پناہ کا طلب گار ہے تو رسالت کا باب کھلا ہے، جو لوگ اتباعِ سنت کی پیروری کریں گے وہ فلاح وصلاح پائیں گے۔

Marfat.com

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ
إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ
سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ
نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

اے حبیب (ﷺ)! ذرا اُن سے اس بستی کا حال تو دریافت کیجئے! جو آباد تھی ساحلِ سمندر پر، جب وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کررہے تھے! جب ہفتہ کے روز اُن کی مچھلیاں پانی پر تیرتی اُن کے سامنے آتیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو وہ اُن کے پاس نہ آتیں، اسی طرح ہم اُن کی اسی طرح آزمائش کرتے، اس لئے کہ وہ نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔ (۱۶۳)

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ
مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا
مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

اور جب کہا یوں اُن سے ایک جماعت/گروہ نے تم ایسے لوگوں/قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو باری تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے تو انہوں نے جواباً کہا تاکہ ہم رب کے حضور معذرت پیش کرسکیں، اور اس لئے کہ شاید یہ ڈر جائیں (۱۶۴)

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ
عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ
بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

پس وہ اس کو بھول گئے! اُس نصیحت کو جو انہیں بتائی گئی تھی اور ہم نے نجات دی انہیں جو بُرائی کرنے سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو اُن کے کرتوت کے سبب بُرے عذاب میں پکڑ لیا، اس لئے کہ وہ نافرمانی/بے حکمی کیا کرتے تھے۔ (۱۶۵)

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً
خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

پھر جب اُنہوں نے راہِ سرکشی اختیار کی جس سے اُنہیں روکا گیا تو ہم نے اُن سے کہہ دیا کہ بندر ہوجاؤ تم ذلیل وخوار/راندے ہوئے ہو۔ (۱۶۶)

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ
الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

اور جب آپ علیہ السلام کے ربّ نے یہ بات بتادی کہ بنی اسرائیل/یہود پر ضرور قیامت تک کسی جابر کو مسلط کرتا رہے گا جو اُنہیں عذاب کا مزہ چکھائیں گے بلاشبہ آپ کا ربّ جلد ہی عذاب دینے والا ہے، وہ مغفرت/بخشش کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ (۱۶۷)

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَ
مِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

اور ان کی جماعتوں کو متفرق کرکے گروہ گروہ میں منقسم کردیا، ان میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اس سے مختلف اور ہم نے اُن کی آزمائش اچھائیوں/خوبیوں میں کی، راحت اور تکلیفوں کے ساتھ، تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ (۱۶۸)

فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ
يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا

پھر اُن کے بعد کچھ ایسے ناخلف آئے جو اُن کے جانشین/وارث ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہوکر اس دنیا کا مال ومتاع سمیٹتے رہے

Marfat.com

وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور یہ بھی کہتے رہے کہ ہماری ضرور بخشش ہو جائے گی اور اگر دنیا کا مال و اسباب آتا رہے تو اس کو بھی لے لیں گے کیا اُن سے کتاب میں اس بات کا عہد و پیمان نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف بجز حق کے اور کسی کی نسبت نہ کریں اور اُنہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اُس کو پڑھ لیا اور آخرت کا گھر اُنہی لوگوں کے لئے اچھا ہے جو پرہیز گار ہیں پھر کیا تم کو عقل نہیں آئے گی۔ (۱۶۹)

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اُنہوں نے نماز کا اہتمام اور انصرام کیا ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں اجر ضائع نہیں کریں گے۔ (۱۷۰)

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور کیا اُنہیں وہ وقت یاد ہے کہ ہم نے اُن پر بھی (قوم موسیٰ علیہ السلام پر) پہاڑ کو اُٹھایا کہ اُن پر گویا وہ سائبان ہے انہیں تو یہ گمان تھا وہ اُن پر گر پڑے گا! اور کہا جو کتاب ہم نے تم کو عطا کی ہے اسے پوری قوت اور مضبوطی سے پکڑے رہو اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں اس سے توقع رکھو کہ تم پرہیز گار بن جاؤ گے۔ (۱۷۱)

الفاظ و معانی آیت ۱۶۳ تا ۱۷۱

﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پوچھئے یہود سے دیہ کی خبر اور یہ تھا نزدیک دریائے شور کہ جس میں یہود رہتے تھے "جن کو ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا"۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

علماء کی اس میں مختلف آراء ہیں وہ بستی کون سی تھی امام زہریؒ نے اس کا نام طبریہ (مدین اور طور کے درمیان دریائے طور کے کنارے) کہا ہے۔ قتادہؒ نے اس کا نام مقفاء بتایا ہے۔

اِس بستی کے لوگ شریعت تورات پر عمل کرتے تھے، لیکن زیادہ صحیح قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ یہ ایلہ کا شہر تھا جو عقبہ کے نام سے مشہور ہے یہ شہر بحر قلزم کی اس آبنائے کے سرے پر واقع ہے جو دور تک خشکی میں چلی گئی ہے۔ (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہری)

﴿اِذْ يَعْدُوْنَ﴾ جبکہ گزر گئے اللہ تعالیٰ کی حد اور حکموں سے اور تجاوز کر گئے اس تعظیم سے جس کا حکم انہیں تھا۔ عُدْوَان مصدر سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔

﴿فِي السَّبْتِ﴾ ہفتہ کے دن کہ وہ مچھلی کا شکار نہ کریں اور انہوں نے اس کے خلاف کیا۔ ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ جب آئیں اُن کے پاس مچھلیاں ہفتہ/سنیچر کے دن حیتان، حوت سے مچھلی کی جمع شرعا شارع کی

Marfat.com

جمع مفہوم ہے اوپرا اُبھرا اُبھر کرآنے والیاں۔ ﴿وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ﴾ اور جس دن نہ ہوتا ہفتہ سَبْتٌ ہفتہ یسبتون فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق اول معنی کے اعتبار سے مصدر ہے دوسرے معنی کے اعتبار سے اسم ہے السبت سنیچر کا دن یہ ایک مشہور دن اس میں اللہ نے پیدائش کی ابتداء کی اور زمین بھی اسی دن تمام ہوئی۔ بنی اسرائیل کو اس دن کام کاج چھوڑنے کا حکم تھا گیتی کائنات میں پیدائش آفرینش کا آغاز اس روز ہوا اور جمعۃ المبارک تک یہ سلسلہ برقرار رہا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا یہود کے لئے یوم شنبہ / سنیچر کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن اس کے بعد باری تعالیٰ نے ہمیں لایا تو ہم کو جمعۃ المبارک کے دن نویدِ ہدایت کی گئی اس طرح وہ ہم سے قبل آئے اور یومِ قیامت وہ ہم سے پیچھے۔ ہم دنیا والوں میں اخیر والے ہیں اور قیامت کو پہلے اور خلائق سے پہلے ہمارا فیصلہ صادر ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا ''اللہ جلِّ شانہٗ نے مٹی کو شنبہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو یک شنبہ کے روز، دوشنبہ کے روز درختوں کو اور مکروہ یعنی ناپسند امور کو سہ شنبہ / منگل کو اور خلق کو بدھ / چہار شنبہ کے روز خلق فرمایا اور پنجشبہ / جمعرات کے دن جانوروں کو منتشر کیا اور جمعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جو آخری مخلوق ہے اور جمعۃ المبارک کی آخری گھڑی / ساعت میں عصر سے لے کر رات کے مابین اُن کی تخلیق عمل میں لائی گئی'' (بحوالہ صحیح مسلم شریف، مسند احمد بن حنبل اور نسائی)

﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا﴾ کیوں نصیحت کرتے ہو ایسی قوم کو! ۔ تَعِظُوْنَ تم نصیحت کرتے ہو وَعْظٌ سے فعل مضارع کا صیغہ (جمع مذکر حاضر) قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ﴾ اُن کو جنہوں نے ظلم کیا عذاب میں سخت، بَئِيْسٍ سخت بُرا بہت ہی خراب، اسم صفت مشبہ کا صیغہ ہے قواعد کے مطابق۔ ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا﴾ پھر جب سرکشی کی اس سے کہ، عَتَوْا کے معنی ہیں جو باری تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے۔ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ﴾ اُس وقت کو یاد کرو جب آپ کے رَبّ نے ان یہودیوں کو خوب اچھی طرح جتلا دیا باخبر کر دیا تھا، تَـــاَذَّنَ خبر کر دینا بمعنی اِعْلَام سے بابِ تفعل ہے یہ تَاَذُّنٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر قواعد کے مطابق۔

﴿يَبْعَثَنَّ﴾ وہ ضرور ہی بھیجے گا مضارع واحد مذکر غائب۔ ﴿وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا﴾ اور ہم نے اُن کو مختلف / جمعیت / گروہ میں بانٹ دیا اور ان کا شیرازہ بکھیر دیا گیا اور بنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی / برقرار نہ رہی۔

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ پھر اس کے بعد لوگ جانشین بنے، خَلَفَ پیچھے آیا، خَلَافَةٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ وَرِثُوْا انہوں نے مناسبت کے طور پر کتاب حاصل کی وَرَثَةٌ اور مِيْـرَاثٌ سے فعل مصدر ماضی جمع مذکر غائب ''یہود کی قومی سیرت کا ایک اور داغدار پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے یعنی وہ مال و دولت جمع کرنے میں اتنے حریص تھے کہ وہ رشوت لے کر اللہ کے صریح اور واضح احکام میں رَدّ و بدل کر دیتے اور تورات کی آیات میں کھلم کھلا تحریف کر دیتے''

(بحوالہ ماخوذ از ضیاء القرآن جلد دوم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

﴿عَــرَضٌ﴾ سامان مراد مال و متاع جو زندگی کی ضرورت ہے عَــرُوْضٌ سے جمع کا صیغہ قواعد کے مطابق اسم ہے۔

﴿مِيْثَاقُ الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں لکھی ہوئی ہدایات۔ میثاق ایسا حکم جس کے ماننے کا اور سننے والا اقرار کرے۔ ﴿وَدَرَسُوْا

Marfat.com

مَا فِیْهِ﴾ انہوں نے پڑھ لیا جو اِس میں تھا فعل ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔
﴿یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ﴾ وہ پابند ہیں کتاب کے، تَمْسِیْکٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب ﴿نَتَقْنَا﴾ نَتْقٌ مصدر، ہم نے معلق کر دیا ماضی جمع متکلّم۔ ﴿ظَنُّوْا﴾ انہوں نے گمان کیا ظَنٌّ سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۶۳ تا ۱۷۱

آیت ۱۶۳ میں اظہارِ بیان ہے کہ آپ ذرا اس بستی کا حال پوچھ کر دیکھیں جو دریا کے کنارے پر تھی بنی اسرائیل کا حال تو یہ تھا کہ سچائی کے ساتھ احکامِ دین پر عمل پیرا نہیں ہوتے، یہود کی شریعت میں سبت/ہفتہ کے روز سیر و شکار اور مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی لیکن ان میں سے ایک گروہ نے ایک حیلہ تلاش کر کے حکم سے تجاوز کیا اور گڑھے کھود دیئے اور گڑھے کے اندر مچھلیاں پکڑ لیتے اور پھر یہ کہنا ہوتا کہ مچھلیاں خود بخود آئی ہیں ہم نے نہیں پکڑی ہیں گویا یہ ان کا امتحان تھا لیکن وہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے اور باریٔ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی۔

آیت ۱۶۴ میں بتایا جارہا ہے کہ ان میں ایک جمعیت کا تو کہنا تھا کہ تم ان لوگوں کو کیوں پند و نصیحت کرتے ہو جن کو باری تعالیٰ سخت ترین عذاب میں مُبتلا کرنے والا ہے یا اُنہیں موت کی آغوش میں جانا ہے اُنہوں نے کہا کہ ہماری جانب سے عذر بن سکے تاکہ یہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں ایک بات تو ہے کہ ہفتے کے دن مچھلیوں کے شکار نہ کرنے کے بارے میں ایلہ کی آبادی تین مختلف جماعتوں میں منقسم تھی ایک جماعت تو وہ تھی جو اس کُھلی ہوئی نافرمانی کی مرتکب تھی۔ دوسری جمعیت وہ تھی جو خود تو شکار کا ارتکاب نہیں کرتی تھی مگر شکار کرنے والوں کو اس حُکم عدولی سے منع بھی نہ کرتی تیسرا گروہ وہ تھا جو فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں مصروفِ عمل تھا۔

آیت ۱۶۵ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جب انہوں نے فراموش کر دی وہ بات جس کی تلقین کی گئی تھی تو ہم نے نجات دی اُن لوگوں کو جو بُرائی سے روکنے والے تھے، گویا ناصحین کو بچا لیا گیا اور ظالم لوگوں کو سخت عذاب میں گرفتار کر لیا گیا ''صرف ظالم پکڑے گئے یہ ہی عکرمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُن کے فہم کی داد دی'' (بحوالہ تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ لوگ بری نہیں ہوں گے جو خود اگرچہ بُرائی میں مُبتلا نہ ہوں لیکن دوسروں کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر زندگی گذاریں۔ (ماخوذ تفسیر تدبر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ)

آیت ۱۶۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب وہ حد سے زیادہ سرکشی اختیار کرنے لگے، باوجود منع کرنے کے تم باز نہ آئے تو سزا بھی اعمال کے مطابق ہوتی ہے ہم نے فرمادیا تم ذلیل ہو؟ بندر بن جاؤ! حضرت شاہ ولی اللہؒ کا کہنا ہے کہ ''منع کرنے والوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور درمیان میں دیوار اُٹھائی ایک دن صبح کو اُٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی، دیوار سے دیکھا تو ہر گھر میں بندر تھے''۔

آیت ۱۶۷ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ باری تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یوم قیامت تک یہود پر اگر وہ احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو اُن پر وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو اُن کو بُرے عذاب میں گرفتار بلا رکھیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ باری تعالیٰ کے اس فیصلے کی عملی تصدیق کے لئے تاریخ کے صفحات شاہد ہیں قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہت کے زیر حکومت رہی کبھی ''بخت نصر'' اور ٹیٹس سے لے کر ہٹلر کے دور تک ہر زمانے میں تاریخ میں اہل یہود کی ذِلّت وبربادی کی لرزہ خیز کہانیاں پڑھنے کو ملتی ہیں البتہ درمیان میں جو مُہلت کی گھڑیاں آئی ہیں وہ بھی کسی تازہ مصیبت وآلام کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہیں۔

آیت ۱۶۸ میں اظہارِ بیان ہے کہ اُن کو زمین میں گروہ درگروہ بکھیر دیا، ان میں کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ اس سے ذرا مختلف بھی، ہم نے ان کی بھلائیوں کے سبب نعمت اور راحت دی اور بُرائیوں کے سبب شدت وتکلیف سے آزمایا، گویا یہ ایک لطیف اشارہ ہے اس حقیقت کی جانب کہ بنی اسرائیل کو منتشر کر کے گیتی کائنات کے مختلف حصّوں میں اُن کو پراگندہ کردیا۔ یہ علامت پراگندگی اُن کی ایک قومی وصف کی صورت میں آج بھی مشہور ہے۔ گویا یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''کیونکہ گاہے حسنات سے ترغیب ہوجاتی ہے اور گاہے سیّئات سے ترہیب ہوجاتی ہے''۔ (بحوالہ بیان القرآن از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

آیت ۱۶۹ میں بتایا جارہا ہے کہ پہلے تو صالحین بھی تھے اس کے بعد ایسے ناخلف جانشین وارد ہوئے جو وارث وعامل بنے کتاب توراۃ کے، گویا کہ کتاب الٰہی کے وارث ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور دُنیا کا تھوڑا سا مال ومتاع لے کر اس کی آیات میں تحریف وکتمان کے مرتکب ہوئے اور پست ہمتی کی یہ کیفیت کہ جو حرام لقمہ بھی ملتا دکھائی دیتا اس کو چھوڑنے کا ارادہ ترک نہیں کرتے اور اگر کوئی خلش ضمیر میں اُجاگر ہوتی تو اس جھوٹی امید سے قلب ونظر کو بہلا لیتے کہ باری تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے طفیل ہمیں معاف کردے گا۔ حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے جلال وجبروت کا علم بھی تھا لیکن اپنی خواہش نفس کے پیچھے لگ کر انہوں نے ہر امر کو بُھلا دیا، گو کہ انہوں نے اچھی طرح پڑھا تھا کہ آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو راہ تقویٰ اختیار کریں۔

آیت ۱۷۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ جو لوگ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھام کر عمل پیرا ہوتے ہی، نماز کا اہتمام اور انصرام کرتے ہیں تو ایسے صالح لوگوں کا اجر ضائع نہیں جاتا۔ یہ اِن لوگوں کو بتایا جارہا ہے جن سے عہد کے دوران، اقرارِ وفا لیا گیا کہ وہ اللہ کی کتاب کے احکام پر مکمل طور پر عمل کرنے کی سعی کریں گے، باوجود اقرارِ عہد کے اُنہوں نے پابندی عمل سے انکار کیا اور اپنے نظریۂ عمل کو نافذ کرنے سے قاصر رہے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر دِل وجان سے عمل اختیار کرنا، نماز اور دیگر مَراسم عبودیّت پر قائم رہنا ''یہ اسلامی نظامِ حیات کے دو اہم پہلو ہیں''۔ (بحوالہ تفسیر فی ظلال القرآن از قطب شہیدؒ) اسلامی معاشرے کے لیے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دل وجان سے کی جائے تاکہ دِلوں میں تقویٰ پیدا ہوجائے۔

آیت ۱۷۱ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ اس کے باوجود ہم نے اُن پر سائبان بنا کر اقرار عہد لیا تھا کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام کر اس کے مطابق عمل کروتا کہ تم بُرائیوں سے نجات پاؤ۔ اب اس امر کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر پوری توجہ اور طمانیت قلب کے ساتھ عمل کیا جائے تاکہ ہمارے دلوں میں تقویٰ کا وصف غالب آجائے۔

Marfat.com

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾

اے حبیب (ﷺ)! اور یاد کیجئے جب آپ کے ربّ نے بنی آدم کی پشت سے اُن کی نسل نکالی، اُن سے اُن کے بارے میں ہی اقرار لیا گیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں! جواب میں سب نے کہا کیوں نہیں؟ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ہی ہمارے ربّ ہیں! یہ اس لئے ہوا کہ تم اب روزِ محشر یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ (۱۷۲)

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾

یا یہ نہ کہنے لگو کہ شرک کا آغاز تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا ہم اُن کی نسل سے بعد میں آئے، سو کیا آپ باطل پرستوں کے فعل پر ہم کو ہلاکت میں ڈال دیں گے۔ (۱۷۳)

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

اور اسی لئے ہم آیت صاف صاف بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غلط راستے رکُفر سے باز آجائیں۔ (۱۷۴)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿١٧٥﴾

اور اے محبوب (ﷺ)! اُن کو (اُس شخص کو) اس کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم دیا، وہ ان آیتوں سے کترا کر نکل بھاگا! تب اس کے پیچھے لگ گیا شیطان! سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔ (۱۷۵)

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾

اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیات کے باعث اس کا مرتبہ بلند کردیتے لیکن وہ تو دنیا کی خاطر مائل ہوگیا راپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کی حالت کُتّے کی سی ہوگئی، اگر حملہ کیا جائے تو بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپے اور اگر چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے ہوئے ہانپتا رہے گا اسی ہی حالت رمثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، آپ یہ حکایات اُن کو سناتے رہیے تا کہ وہ لوگ کچھ غور و فکر تو کریں۔ (۱۷۶)

الفاظ و معانی آیت ۱۷۳ تا ۱۷۶

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ اور جب باری تعالیٰ نے نکالا بنی آدم کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو اور گواہ کردیا اُنہیں اُن کی ذاتوں پر، اور اُن کو عقلِ سلیم کی سمجھ دے کر ان ہی سے اُن کے بارے میں اقرار لیا۔ ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار'' ان آیتوں میں اولادِ آدم کے لئے لفظ ذُرّیّت استعمال فرمایا ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیع)

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے یہ لفظ اصل لفظ ذرہ سے مشتق ہے جو پیدا کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سب کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ ریشت سے نکالنے کا مفہوم بھی یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کو پھر اس سے ان کی نسل راولاد سے ترتیب وار پیدا کیا گیا ہے" علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو" قرآن کی مشکل آیات میں شمار کیا ہے" (بحوالہ ضیاء القرآن از محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ) علامہ بیضاوی اس آیت کی تشریح کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ" اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیّت کی واضح دلیل اُن کے لئے قائم کردی اور اولادِ آدم کو اتنی سمجھ عطا کردی کہ ان دلائل کی روشنی میں وہ اللہ کی الوہیّت کا اقرار کریں"۔ ﴿قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا﴾ اس نے اقرار کرلیا۔ اَشْهَدُ، اَشْهَادٌ سے فعل ماضی کا صیغہ قواعد کے مطابق۔

مسلم بن یسار نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تو باری تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت اُن کی پشت پر پھیرا تو آپ کی ہونے والی تمام اولاد کا ظہور ہوا۔ (بحوالہ امام مالک، ابوداؤد، ترمذی شریف اور امام احمد)

﴿اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ مبَعْدِهِمْ﴾ تاکہ بے خبر یہ نہ کہیں کہ شرک تو صرف ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا، شرک اور رسمِ بُت پرستی تو ہمارے بزرگوں نے اپنائی تھی اُن کے جُرم کی سزا ہمیں کس لئے دی جارہی ہے۔ باری تعالیٰ نے بتادیا کہ دوسروں کے فعل کی سزا کسی دوسرے کو نہیں دی جاتی، بلکہ یہ سزا تو خود تمہاری لاپرواہی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور جس طرح ہم نے بیان کیا عہد کا حال اسی طرح۔ ﴿نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور عیاں کرتے ہیں اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں تاکہ وہ اس پر غور وفکر کریں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ رجوع کریں تاکہ وہ آجائیں تقلید سے تحقیق کی جانب، تساہل اور کجروی اور کُفر سے اجتناب کریں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ آیات اور ہدایات اس لئے نازل ہوئیں کہ انسان راہِ فطرت پر گامزن ہوجائے اور ادراک عمل کی اس صلاحیت کو بروئے کار لائے جو اس کی فطرت کے اندر موجود ہے۔ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ﴾ اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان لوگوں کو عبرت کے لئے اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا، یعنی جو کُتبِ سماوی ہم نے نازل کی اُن کا علم دیا ان میں ایک شخص اُمیہ بن صلت تھا وہ ان آسمانی کتابوں کو پڑھتا تھا اور اس بات سے باخبر ہوا کہ اس زمانے میں ایک رسول کو مبعوث ہونا ہے اس کا گمان تھا کہ وہ رسول میں ہی ہوں، جب رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُمیہ حسد کی راہ اختیار کرکے کافر ہوگیا اور وہ آیات جو اس کے زیرِ مطالعہ تھیں کنارے رکھ دیں، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ پس ہم نے اپنی آیات اور ان کا علم اور معرفت اس شخص کو دی لیکن وہ کُفر اور عناد کے سبب اس سے نکل گیا جس طرح سانپ کیچلی سے نکل آتا ہے انسلاخ کا لفظ درحقیقت جانور کے کھال کے اندر سے نکل جانے کے لئے بولا جاتا ہے انسلاخ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ پھر پیچھے پڑا ان کے شیطان۔ ﴿فَكَانَ﴾ پھر ہوگیا وہ آیتیں جاننے والا۔ ﴿مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ گمراہوں میں۔ غَاوِیْن کج رو، اس سے مُراد بتوں کا پجاری، اسم فاعل ہے جمع مذکر، غَاوٍ، بمعنی گمراہ واحد ہے۔ یعنی مفسّرین کا کہنا ہے کہ وہ شخص ابو عامر راہب تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا

Marfat.com

لقب فاسق رکھا تھا، مسجد ضرار بنانے میں وہ ساعی رمعاون (کوشش کرنے والا) تھا رسول اللہ ﷺ کی صفات کتب سماوی میں دیکھی تو آپ ﷺ کو پہچان کر ایمان لے آیا پھر انکار ہو کر کافر ہو گیا۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ بلعم باعورا تھا جو کنعان کا رہنے والا تھا، ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اُس نے پڑھے تھے اور اسم اعظم سے واقف تھا، جس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لشکر کے ساتھ اہلِ کنعان اور متکبروں کی ولایت کی طرف پھرے تو ان لوگوں نے بلعم بن باعورہ کی جانب رجوع کیا اس لئے کہ وہ مستجاب الداعوت تھا، لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے حق میں بددعا کی جائے تو اس نے انکار کیا، پھر اپنی بیوی کے بہکانے میں آکر اس قوم سے رشوت طلب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لئے بددعا کی، حق سبحانہٗ نے اسے اسم اعظم بھلا دیا اور وہ بے ایمان ہو گیا۔ ﴿وَلَوْ شِئْنَا﴾ اور اگر چاہتے ہم تو۔ ﴿لَرَفَعْنٰهُ بِهَا﴾ البتہ بلند کر دیتے اپنی آیتوں کے سبب نیک لوگوں کے مقامات، لیکن وہ تو دنیائے رنگ و بُو کی لذت میں کھو گیا اور نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہو گیا۔ ﴿وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ﴾ وہ پست ہمتی کے سبب جھک گیا۔ ﴿اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔ اَخْلَدَ، اِخْلَاد سے مشتق ہے فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے جس کا مفہوم ہے کسی شئے کی طرف میلان ہے۔ ﴿اِلَـى الْاَرْضِ﴾ زمین کی طرف۔ دنیا کی جس قدر اشیاء ہیں وہ سب خود زمین کے متعلق ہیں، جیسے جائیداد، زراعت، کھیتی باڑی وغیرہ یا زمین سے پیدائش والی ہیں جن کا انسانی حیات میں عیش نشاط کا مدار ہے اس لئے لفظ ارض کہہ کر "اس جگہ پوری زمین مُراد لی گئی ہے"۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ پس کیفیت اس کی ذلت اور خرابی میں مانند کُتّے کے ہے اس کے ذلیل اور خراب احوال میں۔ ﴿اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ﴾ اگر تو حملہ کرتا ہے اس پر وہ تب بھی ہانپے۔ ﴿يَلْهَثْ﴾ تو وہ زبان نکالتا ہے۔ ﴿اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ تَتْرُكْهُ، تو اس کو چھوڑ دے تَتْرُكْ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے لحاظ سے یا اگر تو چھوڑ دے اُسے تو بھی زبان نکالتا ہے لفظ لھث کے اصل معنیٰ یہ ہیں کہ زبان نکال کر سختی کے ساتھ سانس لی جائے، جانوروں میں کُتا ایسا جانور ہے، جس کو اپنے عمل تنفس میں زبان نکال کر زور لگانا پڑتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس شخص کی کُتّے سے تمثیل اس لئے دی ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو نہیں مانا، اس لئے سزا ملی کہ زبان منہ سے نکل کر سینہ پر لٹک گئی تھی۔ ﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ﴾ یہ مثال جو کہی گئی اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ ﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جھوٹ جانتے ہیں ہماری آیتوں کو، یہ گروہ مکہ کے کافر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہلِ مکّہ کی ہمیشہ یہ تمنّا رہی کہ اُن کے پاس کوئی ہادی آئے جو اللہ کی اطاعت کی طرف اُنہیں راغب کرے۔ ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ اے حبیب (ﷺ)! آپ اس شخص کا قصہ ان لوگوں کو سنا دیجئے، بعضوں نے کہا کہ اس سے مُراد قوم یہود ہیں، اُنہوں نے توریت کی آیتوں کی تکذیب کی تا کہ وہ غور و فکر کریں اور نصیحت مانیں اور اس واقعہ سے درسِ عبرت سیکھیں۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۷۲ تا ۱۷۶

آیت ۱۷۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جب باری تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذرّیت کو نکال کر قیامت تک پیدا ہونے والی اولادِ آدم کو یکجا جمع فرما دیا اور اُن سے کہا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب نے یک زبان ہو کر شہادت دیتے ہوئے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں تو ہی ہمارا ربّ ہے گویا یہاں صرف اپنی الوہیّت کا اقرار نہیں بلکہ ربوبیت کا بھی اقرار لیا گیا ہے یہ بات حقیقت ہے کہ انسان جب حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اُمید باندھ لیتا ہے تو اللہ کی اطاعت ترک کر کے اس کی غلامی اختیار کرتا ہے لیکن اس کو اس بات کا یقینِ محکم ہو جائے کہ میرا ربِّ جلیل ایک ہے اور وہی میری تمام ضرورتوں کو پوری کرنے والا ہے تو پھر نافرمانی کی طرف مائل نہیں ہوتا اور اگر خطا سرزد ہو جائے تو توبہ کرتا ہے اور بخشش کا طلب گار ہوتا ہے اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر انسان سے دنیا میں آنے سے پہلے یہ میثاق/عہد لیا گیا کہ ان کا ربّ صرف ایک ہے اور دین توحید ہی درحقیقت انسانیت کا دین ہے شرک بعد میں باطل پرست لوگوں نے شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر اپنایا، ورنہ انسانی فطرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ توحید پر قائم و دائم رہے، لوگوں کو یہ بات اس لئے یاد دلائی گئی کہ روزِ محشر وہ اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو اس بات کی خبر ہی نہ تھی۔

آیت ۱۷۳ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ اب اس عذر کی قطعی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارے اسلاف نے پہلے سے شرک کیا، ہم اُن کے بعد آئے اور ان اپنے آباؤ اجداد کی رسم اپنائی تو کیا ہم کو اب ان باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں ہلاکت میں ڈال دیا جائے گا! یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا عقیدہ انسان کی سرشت میں شامل ہے یہ میثاقِ فطرت کا حوالہ ہے، انسان کی فطری صلاحیّت اس بات کی غماز ہے کہ انسان کی فطرت میں اقرار صرف وحدہٗ لاشریک کی وحدانیّت اور ربوبیّت کا ہے اس کو یوں سمجھا جائے کہ میثاقِ خاص کے بعد اب "میثاقِ عام" کا تذکرہ ہے۔ تمام اعمال، عقائد اور ادیانِ سماوی کا اساسی عمل یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور ربوبیّت عام پر اعتقاد اور یقین رکھے، دراصل اعتقاد جب تک کامل نہ ہو مذہبی رجحان عمل میں عقل، دانش اور فکر و عمل کی راہنمائی نہ ملے انبیاء اور مُرسلینؑ کی ہدایت کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی "بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت الکبریٰ پر عام اتفاق و اجماع اس کی زبردست دلیل ہے"۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانی")

جہاں تک توحید کی بات ہے یہ کسی دلیل کی محتاج نہیں یومِ قیامت ہر شخص سے اسی فطری اقرار کے سبب مُواخذہ ہوگا "اسی باطنی شہادت سے انحراف کے لئے خارجی اثرات کا عذر اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوگا"۔ (بحوالہ تفسیر تدبّر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحی")

آیت ۱۷۴ میں بیان ہے کہ گذشتہ صداقت کی علامات، واقعات اور نشانیاں اس لئے بتائی جا رہی ہیں کہ یہ لوگ حق کی طرف اپنے آپ رجوع کریں یہ آیت اور ہدایات اس لئے اُتاری گئیں تاکہ انسان راہِ فطرت پر گامزن ہو سکے اور فطری صلاحیت جو اس میں پائی جاتی ہے اس کو بروئے کار لائے، باری تعالیٰ نے اپنی آیات اور دلائل پیش کر دیئے ہیں تاکہ

Marfat.com

بنی نوع انسان اپنی فکر و نظر کی گہرائی اور گیرائی سے اس پر غور کرے لیکن وہ اس سے اپنا دامن بچا کر نکل بھاگا اور اپنی نفسانی خواہش کے ماتحت ہو گیا اور اس نے اللہ سے کئے ہوئے ''عہدِ میثاق'' کو مضبوطی سے نہ پکڑا گویا شیطان اُس پر غالب آ گیا اور وہ اللہ کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر بے قرار اور گمراہ ہو کر تاریکی ظلمت میں بھٹکتا اور بھاگتا رہا۔

آیت ۱۷۵ میں اظہارِ بیان ہے کہ لوگوں کو عرب کے صاحبِ فہم و ذکاء کا واقعہ سنایا جائے کہ جس کو باری تعالیٰ نے دلائل حق کی حکمت اور سمجھ عطا کی تھی اور وہ نفس کی خواہش میں مُبتلا ہو گیا اور ان آیات کی اس نے قدر نہ کی اور یہ خلعت شیطان کی پیروی اختیار کرنے کی وجہ سے چھین لی گئی اور محرومِ حق اور گمراہ ہو گیا۔ حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب یعنی قرآنِ حکیم کا علم عطا کیا پھر اُس نے دوسرے علوم کو قرآن پر ترجیح دی گویا یہ باری تعالیٰ کی نعمت عظیم کی بڑی ناقدری کا مرتکب ہوا۔

آیت ۱۷۶ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ کسی کو اپنے زہد اور عالم ہونے پر نازاں نہیں ہونا چاہئے علمِ دین ایک نعمت ہے اور احکامِ حق کی تعمیل اور تکمیل کی برکت سے بلند سے بلند رُتبے عطا ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی طمع اور لالچ میں گرفتار ہو کر شیطان کی پیروی اختیار کرے اور خواہشاتِ نفس کا اسیر ہو جائے اور کج روی اور گمراہوں کی قطار میں شامل ہو جائے تو اُسے بلعم بن باعورہ کی طرح تباہ ہونے میں کچھ دیر نہیں لگتی وہ اس قدر رُسوا ہوا کہ اس کی مثال کُتے کی سی ہو گئی، جس کی زبان باہر لٹکی رہتی ہے اور ہر وقت ہانپتا رہتا ہے کُتّے کی تو یہ خصلت ہوتی ہے کہ ہر وقت زبان باہر لٹکا کے زور زور سے سانس لے رہا ہوتا ہے خواہ اس پر بوجھ لاد دیا جائے یا کچھ نہ کہا جائے اور اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ جس خبر سے قرآن ہمیں باخبر کر رہا ہے یہی دورِ جدید کے ترقی پسند لوگوں پر صادق آتی ہے جس کسی کو اللہ نے علم دیا، ہدایت کی راہ بتائی لیکن اس حکمت و دانائی کے تقاضوں پر عمل پیرا نہ ہوئے، ایمان کی راہ اختیار نہ کی اور شیطان کے عمل کے تابع ہوئے ان کی مثال ''اس باؤلے کُتے کی طرح ہے جو زبان لٹکائے پھرتا رہے گا''۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن از سیّد قطب شہیدؒ)

یہ درسِ عبرت ہے جو لوگ احکاماتِ باری تعالیٰ کی مخالفت میں گرفتار ہوتے ہیں وہ شیطان کی پیروی اختیار کر کے گمراہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

آیت ۱۷۲ تا ۱۷۶ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

آیاتِ زیرِ مطالعہ کی روشنی میں یہ بات تو کہی جا سکتی ہے کہ دینی شعور کی صلاحیّت تو ازل سے ہی انسان کو ودیعت کر دی گئی عالم ارواح کو معرضِ وجود میں لا کر یونہی نہیں چھوڑ دیا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پھر اُن کی اولاد در اولاد حتیٰ کہ قیامت تک آنے والی اولادِ آدم کو نکال کر یکجا جمع کر دیا پھر اُن کو خود اُن پر شاہد ٹھہرایا اور دریافت کیا گیا، کیا میں تمہارا ربّ نہیں! سب نے ربوبیت کا اقرار کیا، یہ عہد فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کی فطرت میں اقرار صرف اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی وحدانیّت اور ربوبیّت کا ہے اس بات پر مشرک اور موحد سب متفق ہیں توحید کسی دلیل کی محتاج نہیں ''روزِ قیامت مواخذہ ہر شخص سے اسی فطری اقرار کی بناء پر ہوگا''۔ (ماخوذ تفسیر تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

Marfat.com

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

بہت بری تمثیل ہے اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ایسا کر کے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ (۱۷۷)

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کسی کو اللہ ہدایت عطا کرے وہی راہِ ہدایت پاتا ہے اور جنہیں اللہ ہدایت سے محروم کرے تو وہی خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔ (۱۷۸)

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور بے شک ہم نے پیدا کئے، بہت سے جنّات اور انسان دوزخ میں جانے کے لئے، وہ قلب تو رکھتے ہیں مگر اُس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اور اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر اس سے وہ دیکھتے نہیں! اور اُن کے کان تو ہیں وہ اُس سے سُنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں/حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ کُن! یہ/وہ ایسے لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں/یہی لوگ تو غافل اور بے خبر ہیں۔ (۱۷۹)

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۗ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں تو اللہ کو ان ہی اچھے ناموں سے پکارو، ایسے لوگوں سے تعلق چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سزا دی جائے گی جو وہ کرتے ہیں۔ (۱۸۰)

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور ہماری پیدا کردہ مخلوق میں ایک اُمت ایسی ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کی اور حق کے مطابق ہی عدل وانصاف کرتی ہے۔ (۱۸۱)

الفاظ ومعانی آیت ۱۷۷ تا ۱۸۱

﴿سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ﴾ بُری مثال ہے اُس قوم کی۔ ﴿اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور اِن آیتوں کو جان بُوجھ کر اُن پر دلیل قائم ہو جانے کے بعد، ﴿وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴾ اور اپنی جانوں پر ظُلم کرتے مفعول کو مقدم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کے ظُلم کا وبال اُن کے سوا اور کسی پر نہ پڑے گا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ سو وہ گُمراہوں کا گروہ ہے وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں دو جہاں میں۔ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنّات اور انسانوں کو پیدا کیا اور حکم اَزلی اُن کی شقاوت پر صادر ہو چکا ہے اور ہمارے علمِ قدیم میں یہ بات عیاں ہے کہ وہ زندگی بھر کُفر پر قائم رہیں گے اور جب آغوشِ موت سے ہمکنار ہوں گے تو شرک پر ہی موت آئے گی۔ ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾ اُن کے پاس دل ہیں مگر مطلقاً کوئی حقیقت سمجھتے ہی نہیں وہ اپنے دلِ حزیں کو حق تک پہنچانے، جاننے کی طرف متوجہ نہیں کرتے اور اپنے آئینۂ دل کو انکار، غفلت کے زنگار ❶ سے صاف شفاف کر کے تصدیق اور اقبال کی ❷ جلا نہیں دیتے۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل)

❶ ......زنگار، فارسی زبان میں رنگ یا تانبہ کا کیسار صیقل۔ ❷ ......اقرار، برکت، خوش نصیب۔ (از فیروز اللغات اردو جدید)۔

Marfat.com

﴿وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا﴾ اور اُن کی آنکھیں تو ہیں وہ کسی صورت میں حق چیز دیکھتے ہی نہیں! گویا نگاہِ عبرت سے مخلوقات کو نہیں دیکھتے۔ ﴿وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ اُن کے کان تو ہیں کہ کسی طرح حق بات سُنتے نہیں، عقل وشعور رکھتے ہوئے ہوش کے ساتھ قرآن کی آیتیں نہیں سنتے گویا دل ہے فہم وفراست سمجھنے کے لئے، دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں اور سماعت کے لئے، کان ہیں سب کچھ موجود تو ہیں اگر وہ اس کا صحیح استعمال بروئے کار لائیں تو صراطِ مستقیم کی حقیقت سے واقف ہو کر اپنے نفع ونقصان کو سمجھیں۔ ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ وہ حیوانوں کے مانند ہیں، کھانے پینے اور سونے کی طرف اُن کی صلاحیّت میں مصروف ہیں اور نعمت باقی اور دائمی لذّت ولُطف کی طرف اُنہیں کچھ التفات نہیں! بلکہ یہ گُمراہ دَر گُمراہ ہیں۔ ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں سو اُن کو اُن کے ناموں سے پکارو۔ ذکرِ باری کی ترغیب اور اس کا طریقہ کار بتایا جارہا ہے اسؔ کے ننانوے (۹۹) ❶ نام ہیں اُن کی فضیلت کا ذِکر حدیث میں وارد ہوا ہے جو کوئی اُنہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ)

''زادالمسیر'' میں تحریر ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ آدمی نے اللہ کو نماز میں اسم اللہ سے بھی یاد کیا اور اسمِ رحمٰن سے بھی، ابوجہل بول اُٹھا کہ محمد ﷺ اور اس کے اصحاب تو کہتے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں پھر یہ شخص کیوں دو خدا کو یاد کرتا ہے تو اس آیت کا نزول ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں، اللہ کو ان ناموں سے پکارو اسماء الحسنیٰ صرف اللہ ہی کی کمالِ صفات اور خصوصیّت ہے کسی دوسری مخلوق کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔

''کشاف'' میں تحریر ہے کہ ''خدا کی صفتیں اچھی ہیں جیسے عدلؔ، احسانؔ، خیرؔ، رحمتؔ وغیرہ۔ ﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾ پس اس کو پکارو، گویا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کو ہی پکارو اسماءِ حُسنیٰ کے ساتھ۔ قرآنِ مجید میں دعا کا لفظ دو معنیٰ میں آتا ہے ایک تو ذکر اللہ، گویا باری تعالیٰ کی تعریف یعنی حمد وثناء تسبیح اور تحمید کے ساتھ، دوسرے مُشکلات کے وقت اور حاجت روائی کے لئے، اپنی حاجت اور ضرورت کی تکمیل کے لئے باری تعالیٰ سے سب کچھ طلب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ'' تم مجھے پُکارو میں تمہاری دعا ضرور اور قبول کروں گا۔'' ﴿وَ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ﴾ اور چھوڑ دو ان لوگوں کی متابعت جو نادانی کی وجہ سے جُھکتے ہیں کجی کی طرف، اللہ کے ناموں کے ساتھ کجروی اختیار کرنا تو یہ ہوا کہ ''باری تعالیٰ کے لئے وہ نام استعمال کیا جائے جو ''حدیث وقرآن'' میں اللہ کے لئے ثابت نہیں''۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

اِلْحَاد لغت میں میلان اور درمیانی راستے سے ہٹ جانے کو کہا جاتا ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ ''خدا کے نام سے بتوں کے نام نکالنے کا نام الحاد ہے لاتؔ، اللہ سے، عُزّٰی، عزیز سے، مَنَات، منّان سے''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل) علماء نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ''اللہ کے ناموں کی تعداد ۹۹ (ننانوے) پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہیں''۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ''فتح القدیر'') ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا﴾ اور ان لوگوں میں سے جنہیں ہم نے بہشت کے لئے پیدا کیا۔ ﴿يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ

❶ ...... بخاری شریف اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے (۹۹) ننانوے نام ہیں جو شخص ان کو محفوظ (یاد) کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ امام ترمذی اور حاکم نے تفصیل کے ساتھ ان ناموں کے بارے میں بتایا ہے۔

Marfat.com

یَعۡدِلُوۡنَ﴾ ایک گروہ ہے وہ حق کے ساتھ راہ دکھاتا ہے، عدل وانصاف کرتے ہیں اور وہ اپنے حاکموں میں مہاجر، انصار اوراُن کی متابعت کرنے والے ہیں۔

تشریح وتوضیحات آیت ۱۷۷تا۱۸۱

آیت ۱۷۷میں اظہارِ بیان ہے کہ کیا ہی بُری مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، یہی حال مکّہ کے لوگوں کا ہے جنہوں نے آیاتِ باری تعالیٰ کو دانستہ طور پر جھٹلایا۔اے حبیب ﷺ! آپ اِن کو حالات سے آگاہی دیتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھایا اور اپنا ہی خسارہ کیا۔قرآنِ مجید میں انسانوں کے لئے راہِ ہدایت کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عقل وخِرد، تفکّر وتدبّر اور بصیرت کی راہ کو اختیار کیا جائے، سیدھی راہ پر چلنے ہی میں نجات ہے اور گمراہی کا راستہ جہالت کے باطل اُصول پر مبنی ہے جو لوگ اللہ کی بتائی ہوئی عقلِ سلیم کو اپنانے سے قاصر رہتے ہیں تو اُن پر خواہشاتِ نفسانی حددرجہ غالب آجاتی ہے اور پھر صلاحیّت غور وفکر مفقود ہوجاتی ہے اور اپنی جانوں پر ظلم کرکے ''صراطِ مستقیم'' نہیں پاتے۔

آیت ۱۷۸میں بیان کیا جارہا ہے کہ جس کو باری تعالیٰ چاہے ہدایت دے سو وہی راہِ ہدایت پاتا ہے اور جن کو باری تعالیٰ گمراہ کرے وہی تباہی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ صرف اسی شخص کو ہدایت بخشتا ہے جو ہدایت پانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے، چنانچہ سورۃ عنکبوت آیت ۶۹ پارہ ۲۱ اُتۡلُ مَآ اُوۡحِیَ میں ارشادِ ربّی ہے:

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا

جولوگ ہمارے بارے میں جدوجہد کرتے ہیں اِن کو ضرور اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کریں گے۔(آیت:۶۹)

جو شخص دلائل ہدایت کو ترک کرکے اپنے لئے راہِ ضلالت اختیار کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی گمراہ اور بے راہ کردیتا ہے

آیت ۱۷۹میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ ہم نے جنّات اور انسانوں میں سے بہتوں کو جہنّم کے لئے پیدا کیا، باری تعالیٰ نے انسانوں کو قلب، ذہن رسا، آنکھیں اور کان دے کر تخلیق کیا تاکہ علم وبصیرت کی راہِ ہدایت اپنائی جائے لیکن اُنہوں نے اس سے کوئی کام نہ لیا، اس لئے باری تعالیٰ نے کہا بہت سے جن اور انسانوں کو دوزخ کے لئے تخلیق کیا! یہ کیوں! جہنّم کے لئے پیدا ہوئے! اس لئے کہ وہ ازلی گمراہی کے حکم کے سبب اپنے اختیارات وقدرت خداداد کی صلاحیّت کو بُروئے کار نہیں لاتے، اُن کے قلب ہیں وہ اپنے دلوں سے کچھ سمجھ نہیں پاتے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہاتھوں سے تراشے ہوئے صنم، یہ وہ افراد ہیں جن کے نام کے یہ بُت ہیں قضا وقدر کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے پھر ستم ظریفی کو دیکھئے کہ اُن کو پوجتے بھی ہیں اور حاجت روا بھی سمجھتے ہیں، دو عالم کے تغیّرات اور اس میں گوناگوں تصرفات دیکھتے ہیں جس سے ہر اہلِ قلب یہ سمجھ سکتا ہے کہ کوئی قادر ومختار پسِ پردہ اُن کو ہلا جُلا رہا ہے مگر وہ نہیں سمجھتے، دنیا کی ہر چیز آنی جانی ہے اور عیش کو فانی دیکھتے ہیں یہ تو بالکل حیوان کے مانند ہیں بلکہ اس سے زیادہ گمراہ، بے خبر ہیں۔(ماخوذ از عبدالحق حقانی تفسیر حقانی جلد دوئم)

Marfat.com

آیت ۱۸۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں تو اُنہی اچھے ناموں سے موسوم کرو، حکم تو یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں اُن سے اُنہیں سخت سزا دی جائے گی، قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی جامع کمال وصفات کا تصوّر واضح کرنا چاہتا ہے وہ ابتداء سے انتہا تک حُسن وخُوبی کا تصوّر ہے ''اسماء الحسنیٰ'' کا ذکر وتذکرہ خوبی وجمالیت کی صفات کا مظہر ہے اگر گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات پر نظر ڈالی جائے تو قرآنِ مجید کا تصور بہت کامل نظر آتا ہے اگر ہمیں صحیح ادراک کی توفیق ہو جائے تو ہمیں اپنے وجود کے بارے میں خصوصًا کائنات کے رنگ وبُو کے بے شمار اسرار ورُموز کی معرفت مل سکتی ہے کیونکہ ہر مقام اُنہی صفات کا کمالِ ظہور ہے، مؤمن کو نوید مسرّت ہے کہ تم غفلت کے شعار سے بچو، غفلت سے نجات پانے کا ایک کلّیہ ہے اور وہ ہے اللہ کا ذکر، وحدہٗ لاشریک کی ذات پر یقین کامل اقرار باللسان اور اقرار بالقلب کے ساتھ اللہ کو اچھی طرح سے یاد کرنا، اللہ کی ذات میں کج روی سے اجتناب کرو، اللہ کو صرف اسی صفات سے اور اسماء الحسنٰی سے یاد کرنا چاہئے جن کا اللہ کی الوہیت، اس کی قدرت اور اس کی شان یکتائی کے ساتھ تعلق ہو سکے، اللہ کے ناموں اور صفات کے بارے میں کج روی یہ ہے کہ اللہ پر ایسے ناموں اور صفات کا اطلاق کیا جائے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی جو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی شانِ جمال واجلال کے لائق نہیں! اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی خوبیوں کا اطلاق غیر اللہ سے منسوب نہ کیا جائے ایسا نہ ہو کہ خالق کو مخلوق کی صف میں کھڑا کر دیا جائے ''یہ خدائی صفات کی بے حُرمتی ہے''۔
(بحوالہ تفسیر تدبّر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

آیت ۱۸۱ میں بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اِن میں ایک گُروہ ایسے لوگوں کا بھی رہا ہے جو دعوتِ حق / دعوتِ اسلام قبول کرتے ہوئے حق کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اس کے مطابق ہی فیصلے صادر کرتے ہیں، گویا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ تمام مخلوق تو گُمراہی کی طرف مائل بھی نہیں! بلکہ ایک جمعیّت ایسی موجود ہے جو حق / اسلام کی دعوت دیتی ہے اور خود بھی دعوتِ حق / اسلام پر قائم ہیں یہ ایک ایسی خصوصی انعام فضیلت ہے جو انسانوں میں خوش نصیب لوگوں کا حصّہ ہے یہ کہنا موزوں لگتا ہے کہ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کی صفات ہیں ان میں دو اُمور قابلِ غور ہیں پہلی بات یہ کہ اپنا عقیدہ، رسومات اور خرافات سے پاک ہو، حق وصداقت پر گامزن رہنے کے لئے قول وقرار میں تضاد نہ ہو! دوسروں کو دعوتِ ذکرِ باری تعالیٰ کا اہتمام اور اِنصرام کریں تو خود بھی اس کا اہتمام عملاً اختیار کریں اس کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ ہم راہِ حق / اسلامی تعلیمات کو اختیار کر کے دنیا وآخرت میں سُرخرو ہو سکتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اُمّتِ محمدیہ ﷺ میں ایک جماعت ایسی ہو جو ہر نوع کی افراط تفریط اور کج روی سے جُدا ہو کر صداقت اور انصاف واعتدال کا راستہ اختیار کر کے اس کی طرف دوسروں کو راغب کرے اس آیۃ کریمہ کے مطالعہ سے اس بات کی وضاحت ہوئی کہ ''ہر زمانہ کے اہلِ حق کا اجماع حجت ہے اور کوئی زمانہ حق پرستوں اور دین کے ہادیوں سے خالی نہ ہوگا''۔ (ماخوذ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن احمد رضا خانؒ نعیم الدین مراد آبادی) حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک گُروہ میری اُمّت کا تا قیامت دینِ حق پر قائم رہے گا اور اس کو کسی کی عداوت، مخالفت ضرر نہ پہنچا سکے گی''۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو ہم اُنہیں رفتہ رفتہ اپنی گرفت میں لے لیں گے وہ جان بھی نہ پائیں گے / اُنہیں علم تک نہ ہوگا۔ (۱۸۲)

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں اُن کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری پوشیدہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔ (۱۸۳)

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا اِن لوگوں نے غور وفکر نہیں کیا؟ اُن کے صاحب پر یعنی پیغمبر ﷺ جنوں کا کچھ بھی تو اثر نہیں! وہ تو صاف صاف / کُھلم کُھلا ڈر سنانے والے ہیں۔ (۱۸۴)

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

کیا اُنہوں نے غور سے نظر نہیں ڈالی، آسمانوں اور زمین کی وسیع سلطنت پر اور دوسری چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے شاید کہ قریب تر آ گئی ان کی میعاد مقررّہ / ممکن ہے اُن کی اَجل نزدیک آ پہنچی ہو، پھر قرآن کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ (۱۸۵)

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں! پھر اللہ اُن کی سرکشی کے سبب بھٹکنے کے لئے سرگرداں چھوڑ دیتا ہے۔ (۱۸۶)

الفاظ ومعانی آیت ۱۸۲ تا ۱۸۶

﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو مکہ کے کُفار یا تمسخر اُڑانے والے۔ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ قریب ہے کہ ہم اُنہیں رفتہ رفتہ / بتدریج پکڑلیں، اکثر تو یُوں ہوتا ہے کہ انسان گمراہی کی طرف مائل رہتا ہے اور شب وروز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغولِ عمل رہتا ہے اس کے باوجود اس کے مال وزر میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اس کی صلاحیت اقتدار اور اختیارات کے دائرہ میں وسعت پھیلتی رہتی ہے یہ درحقیقت بہتری کا کوئی سبب نہیں، بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے استدراج ہے استدراج کے معنیٰ ہیں ''آہستہ آہستہ کی ہلاکت کے قریب کر دینا''۔ (بحوالہ تفسیر مظہری) استدراج کے معنیٰ رفتہ رفتہ، درجہ بدرجہ کوئی کام کرنے کے آتے ہیں''۔ (بحوالہ قرطبیؒ) ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ جہاں سے وہ نہیں جانتے، گویا جب وہ گناہ کرتے ہیں تو باری تعالیٰ اُن کے لئے نعمت اور زیادہ کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مزید معصیّت کی طرف آجاتے ہیں۔

امام قشیریؒ نے فرمایا ''نعمت عطا کرنا اور شکر بجالانا استدراج ہے بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں نعمت دیتا ہے اور شکر گزاری اُن کے دل سے بُھلا دیتا ہے تاکہ وہ عذاب کے مستحق قرار پائیں''۔ ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ﴾ اور مہلت دیتا ہوں اُنہیں۔ ﴿اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ میری پوشیدہ تدبیر بڑی مستحکم ہے اس آیت میں استدراج کا بیان ہے گویا ایک مدت کے

بعد پھر گرفت میں لے لیں گے۔ ''خدلان'' میں تحریر ہے کہ ایک شب حضرت محمد ﷺ کوہِ صفا پر پہنچ کر گروہ قریش میں سے ایک ایک کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رہے تھے سردارانِ قریش میں سے ایک نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا، یہ تمہارا ساتھی رصادق کامل ﷺ دیوانہ ہو گیا ہے، تمام رات محوِ دعوتِ کلام رہتا ہے۔ چنانچہ کُفار کے اس لغو کلام کی تردید کے لئے باری تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

﴿اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ﴾ کیا غور و فکر نہ کیا ان معاندوں نے اس بات میں اُن کو ذرا بھی جنون نہیں ہے ان کی حکمت و دانائی کے سامنے تو ساری دنیا کے عقلا و حکماء ششدر اور حیران ہیں۔ یہ وہی صادقِ کامل اور امین محمد ﷺ ہے، جب اُنہوں نے راہِ حق کی طرف کُھلّم کُھلّا دعوت دینا شروع کی تو اُسے دیوانہ کہتے ہو۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں عذابِ الٰہی سے ظاہر اور آشکارا! ''ان کی ذات کے بارے میں ''جنون'' کا گُمان کرنا خود جنون ہے''۔ (بحوالہ معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ جلد چہارم) ﴿اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا﴾ کیا نہیں دیکھا اُنہوں نے دیدۂ استدلال سے۔ مضارع منفی کا صیغہ جمع غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ﴾ اور وہ چیز جو اللہ نے بنائی ہے ''اِن سب میں اللہ کی وحدانیّت اور کمالِ حکمت اور جمالِ قدرت کی کھلی دلیلیں ہیں''۔ (بحوالہ کنزالایمان، فی تفسیر القرآن از احمد رضا خاںؒ محمد نعیم الدینؒ) ﴿وَاَنْ عَسٰۤی﴾ اور نظر نہ کی ہو اُنہوں نے اس پر کہ شاید۔ ﴿اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ﴾ یہ کہ ہو یقینی نزدیک آتی ہو مُدت اُن کے فنا ہو جانے کی، آخر وہ صرف نظر اس بات پر کیوں کرتے ہیں شاید اُن کی اَجل قریب تر آ گئی ہو، موت سے پہلے ایسے کام کی طرف پیش قدمی دنیا میں بھلائی کا موجب اور فلاح جاودانی کا سبب ہے، وہ کُفر پر مَر جائیں یا ہمیشہ کے لئے دوزخ کو اپنائیں، ایسی صورت حال میں عقلِ سلیم کو بُروئے کار لا کر وہ سوچ! سمجھے! اور دلائل پر نظر کریں۔ ﴿اِقْتَرَبَ﴾ وہ نزدیک ہوا، قریب ہوا، اِقْتِرَابٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔

''فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ م بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ'' پس اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے، گویا قرآنی آیات پر ایمان نہ لائے تو پھر گیتی کائنات میں کون سی ایسی جامع حقیقت ہے جس پر ایمان قبول کرنے کی آس ہو سکتی ہے! اب تو اس بات کا ہی احساس ہوتا ہے کہ یہ جان لیا جائے کہ اِن کم نصیبوں کے نصیب میں دولت ایمان میسّر ہی نہیں۔ ﴿وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ اُن کو سرکشی میں مُبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیتا ہے جب بندہ خود ہی دانستہ طور پر بدی اختیار کرنے کی ٹھان لیتا ہے تو اللہ بھی ایسے اندھیرے میں راستہ دکھانے کے بعد اسی حال میں گُمراہی اپنانے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۸۲ تا ۱۸۶

آیت ۱۸۲ میں اظہارِ بیان ہے کہ جو لوگ کُفر انکار کی راہ اپناتے ہیں، بُرائی کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ، بتدریج دستِ قدرت کی سخت رگرفت میں آ رہے ہیں مگر خود اُنہیں اس کا علم نہیں ہوتا، بات دراصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو انسان کو غفلت میں ڈال دے اور انسان دائمی عذاب کا شکار ہو جائے تو اصطلاح شریعت میں یہ عمل ایسا عمل ہے جس میں انسان کی پکڑ ہے اور یہ گُمراہی کی علامت ہے۔

آیت ۱۸۳ میں بیان کیا جارہا ہے کہ مفسرین اور منکرینِ حق کو باری تعالیٰ مہلت اور ڈھیل دیتا ہے اگر گناہ پر فوری طور پر گرفت کرلی جاتی تو شاید انسان کا اختیار ختم ہوجاتا، ادھر خطا سرزد ہوئی اُدھر سزا وارد ہوگئی یہ تو ایک طرح سے خطا کرنے کی اجازت نہ دینے کے مساوی تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب راستہ اختیار کرنے کا عمل انسان کی رائے اور پسند پر چھوڑ دیا ڈھیل دے دی گئی یہ مہلت رایک وقت تک اسے جو کرنا ہے کرے۔ گویا قانون امہال رمہلت موجود ہے وہ آخر کار رفتہ رفتہ اپنے انجامِ کار تک پہنچ کر رہیں گے جو انکار اور سرکشی کا نتیجہ ہے غور تو فرمایئے کہ چند برسوں کے اندر ہی ملکہ کے قریش کی تمام تر طاقت وتوانائی نابود ہوگئی یہ اللہ کی طرف سے استدراج کا عمل تھا وہ فخر وانبساط کے عالم میں کھو کر یہ سمجھتے رہے کہ ہم پر عنایت ہورہی ہے، حالانکہ احوالِ حقیقت تو یہ ہے کہ اُنہیں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جارہا تھا اللہ کی خفیہ تدبیر ایسی کاروائی کی حقیقت واضح کررہی تھی جس کا ظاہر رحمت اور باطن قہر وعذاب کا غماز، بلاشبہ اللہ کی تدبیر بڑی مستحکم ہے۔

آیت ۱۸۴ میں بتایا جارہا ہے کہ کیا اِن لوگوں نے بھی سوچنے، سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جو ہستی محترم اُن کے ساتھ ہے جس کو وہ صادق اور امین کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو اُن کی اصلاح کے لئے شب وروز کوشاں ہے ان کو کچھ دیوانگی نہیں وہ تو صاف صاف واضح طور پر ڈر سنانے والے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دعوتِ حق دینے والوں کو مکذبین نے ہمیشہ مجنون کا نام دیا، اگر دعوتِ اسلام سے انکار کرنے والے فکر ونظر کی گہرائی اور گیرائی سے کام لیں تو اُنہیں خود علم ہوجائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک پہلو کھلی کتاب ہے، جب حجرِ اسود کا معاملہ آیا تو اُنہوں نے آپ ﷺ کو مُنتخب کیا معاملہ کے لئے، آپ ﷺ کے تدبر اور فیصلہ کے سبب وہ ایک عظیم خانہ جنگی سے محفوظ رہے، آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اب آخر وہ کیا بات ہے جس کے سبب اِن کو مجنون کہتے ہیں جس بات کو تم خبط کا نام دے رہے ہو وہ تو اضطراب اور بے چینی ہے جو تم کو عذاب کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے اُن کے اندر موجزن ہے وہ تو تمہیں ان حالات سے باخبر کررہے ہیں جو صداقت حق کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

آیت ۱۸۵ میں بیان کیا جارہا ہے کہ کیا اُنہوں نے آسمانوں اور زمین کے نظام پر نظر نہیں ڈالی جو باری تعالیٰ نے پیدا کی ہیں تمہیں اللہ کی آیات ماننے میں کیا عذر ہے؟ کیا تم نے سوچا نہیں کہ مہلت زندگی کی ساعت قریب سے قریب آگئی ہے بتاؤ تو سہی! کیا سبب ہے کہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہو؟ موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرلینی چاہئے، ایمان قبول کرنے کا وقت آگیا ہے اَجل کے آنے کے بعد ایمان لانے کے لئے کون سی بات باقی رہ جائے گی روح کا قفس عنصری میں پرواز کرنے کا وقت پردہ غیب میں مستور رہے۔

آیت ۱۸۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو گمراہی سے ہمکنار کردے اُن کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں! اللہ ان کو سرکشی میں مُبتلا ہونے کے لئے رُبھٹکتا چھوڑ دیتا ہے ہدایت اور ضلالت ہر شئے باری تعالیٰ کے دائرۂ قدرت میں ہے، اللہ نے تاریکی میں مُبتلا کرکے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ قصور خود اِن کا ہے، حق سے خود ہی آنکھیں بند کرلیں، یہ لوگ اپنے ماحول سے غافل رہے جن کا تعلق اللہ سے ٹوٹ چکا اللہ نے اُن سے توفیقِ ہدایت سلب کرلی۔

Marfat.com

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں یہ کب وقوع پذیر ہوگی! اے حبیب ﷺ! کہہ دیجئے اس کا علم تو صرف رَبّ ہی کے پاس ہے اس کی ساعت رگھڑی کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا وہ زمینوں اور آسمانوں میں بہت ہی گراں حادثہ ہے، وہ گھڑی اچانک ہی آجائے گی، وہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش وتحقیق میں لگے ہوئے ہو۔ اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے! اس کی خبر تو رَبّ کے پاس ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے رسمجھتے نہیں۔ (۱۸۷)

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اے محبوب ﷺ! کہہ دیجئے! میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہو کر رہتا ہے اگر میں علم غیب جانتا تو ہوتا یوں کہ میں بہت کچھ بھلائیاں رخیر حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی ضَرر رنقصان نہ پہنچتا! میں ایمان والوں کو ڈراور خوش خبری ربشارت سُنانے والا ہوں۔ (۱۸۸)

الفاظ ومعانی آیت ۱۸۷ تا ۱۸۸

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ اور دریافت کرتے ہیں آپ ﷺ سے قیامت کا حال، عربی لغت کے اعتبار سے سَاعَۃ تھوڑے سے زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے گویا سَاعَۃٌ گھڑی، پل، اور لمحہ کے معنوں میں آتا ہے یہ اچانک اس طرح رُونما ہوجائے گی کہ ساری کائنات پل بھر میں درہم برہم ہوجائے گی ''قیامت کا اطلاق اِس جہت سے ہے کہ قیامت ساعت بہ ساعت قائم ہوگی''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولانا فخر الدینؒ)

یوم قیامت تمام خلائق کا حساب ایک ساعت سے بھی کم میں ہوجائے گا اتنا بڑا ایک دن اللہ کے نزدیک ایک ساعت ہوگا ﴿اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾ کب ہے اس کا ظاہر ہونا اور قائم ہونا، اَیَّانَ کے معنی کب اور مُرْسٰي کے معنی ٹھہرنے کے آتے ہیں، اس دن تمام ترمخلوق مخلوقات دوبارہ زندہ ہوکر اللہ کے حضور حاضر ہوگی۔ ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ اس کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہیں کرے گا، مگر وہ ہے جو اُسے جانتا ہے، يُجَلِّيْهَا کھولنے اور ظاہر کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے، تَجْلِيَه سے مشتق ہے۔ ﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ پوشیدہ زمین اور آسمانوں کے مابین۔ ثَقُلَتْ پوشیدہ ہے علم قیامت۔ قیامت کا جاننا، بہت بڑا اَمر ہے۔ ❶ قیامت کا علم اہلِ آسمان اور اہلِ زمین میں گویا ملائکہ اور جن وانس سب پر بھاری ہے اس کے ہول اور ہیبت کی جہت سے، گویا اس کے پوشیدہ راخفا میں یہی حکمت ہے حادثہ قیامت آسمانوں اور زمین پر بہت گراں ہوگا، زمین اور آسمان کے ٹکڑے ہوکر اُڑ جائیں گے اس لئے حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایسے عظیم

❶ ...... یہ جو فرمایا گیا کہ اسے کوئی نہیں جانتا تو اس کے معنیٰ ہوئے ''کسی کا علم محیط نہیں''، کوئی اس کی تفصیل اور پیش آنے والے واقعات کا احاطہ کئے ہوئے نہیں اور کوئی فکر ونظر اور سوچ سمجھ کر اسے نہیں جان سکتا۔ (بحوالہ روح المعانی جلد سوئم از علامہ محمود آلوسیؒ)

حادثے کا اظہار پہلے نہ کیا جائے، ورنہ یقین کرنے والوں کی حیات تلخی سے دوچار ہو جائے گی اور منکرینِ حق کو مسخر اُڑانے کا موقع ہاتھ آجائے گا، اس لئے فرمایا گیا۔ ﴿تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَۃً﴾ قیامت تم پر اچانک ہی آئے گی۔ بَغۡتَۃً اچانک/ناگہاں۔ ﴿کَاَنَّکَ حَفِیٌّ﴾ گویا تو جاننے والا ہے حَفِیٌّ متلاشی/کسی چیز سے پورے طور پر باخبر، حَفَادَۃٌ سے کسی کا حال پوچھنا، صفت مشبہ کا صیغہ ہے اسم ہے قواعد کے مطابق۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دفعۃً/اچانک آنے کے بارے میں فرمایا کہ ''لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوں گے، گاہک کو دکھانے کے لئے کپڑے کا تھان کھولا ہوا ہوگا اور ابھی معاملہ طے نہ کر پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی''۔ (بحوالہ بخاری شریف، مسلم شریف)

﴿وَلَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ﴾ اور اگر میں غیب کی باتوں سے واقف ہوتا تو میں بہت فائدے حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف، رنج و غم نہ پہنچتی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مجھے وحی کا اعزاز بخشا گیا ہے علم غیب کی کلید مجھے نہیں ملی، جس قدر مجھے اللہ نے اختیار دیا اتنا کچھ علم میرے پاس ہے اگر میں غیب کی ہر بات سے باخبر ہوتا تو بہت سی بھلائیاں پا لیتا اور کبھی کسی ناخوشگوار حالت سے دوچار نہ ہوتا، یہ کس قدر نادانی ہے کہ تم مجھ سے دریافت کرتے ہو کہ قیامت کب واقع ہوگی یہ تو وہی بتا سکتا ہے جسے غیب کے علم سے واقفیت ہو۔ ﴿اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴾ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور بشارت سنانے والا ہوں جو میری بات تسلیم کریں، گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ منصبی صرف یہ کہ بدکاروں کو عذاب سے ڈرائیں اور نیک لوگوں کو ثوابِ عظیم کی نوید مسرت سنائیں۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۸۷ تا ۱۸۸

آیت ۱۸۷ میں اظہار بیان یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں لوگ دریافت کرتے ہیں، قیامت کب واقع ہوگی اس کے وقت کا صحیح تعین اور علم تو اللہ کو معلوم ہے اس حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ کہ اچانک آجائے گی۔ چنانچہ سورۃ الواقعۃ پارہ ۲۷ آیت ۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ'' جب ہونے والی ہو کر رہے گی، واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے اس کو ہر حال میں قائم ہونا ہے اس لئے اس کا یہ نام بھی ہے، جب یہ ساعت مقرّر ہو جائے گی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود اس کو ظاہر کر دیں گے کوئی واسطہ باہمی درمیان میں نہ ہوگا۔ اس کے ظہور کی ساعت کو ربّ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، قیامت کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک عظیم حادثہ ہوگا یہ بےخبری میں دفعۃً قائم ہوگی۔

آیت ۱۸۸ میں ذکر بیان یہ ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے نفع اور خسارے، بھلے اور بُرے کی خود خبر نہیں رکھتا میں تمہیں کیا بتاؤں؟ میں تو صرف اللہ کا ایک بندہ ہوں، میں غیب داں نہیں ہوں۔ چنانچہ سورۃ کہف پارہ قَالَ اَلَمۡ ۱۶ آیت ۱۱۰ میں ارشادِ ربی ہے:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ''کہہ دیجئے! میں بھی تم جیسا ایک بشر ہوں لیکن میری طرف وحی کا نزول ہوتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ہی جب چاہتا ہے تو ان سب باتوں کا علم موقع پر عطا ہو جاتا ہے تمہیں پتہ تو ہے کہ میں حزن وملال کے نتائج سے خبردار کرتا ہوں اور نویدِ بشارت سے بھی آگاہ کرتا ہوں پس سمجھ لینا چاہئے کہ عالم الغیب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾

وہی اللہ ہے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تا کہ اس سے سکون اور راحت حاصل کرے اور جب مرد نے عورت کو ڈھانپ لیا رچھپا لیا تو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا باہمی اختلاط رملاپ سے، پھر وہ حمل کے ساتھ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ربھاری ہوگئی تو میاں بیوی ردونوں دعا کرنے لگے اللہ سے جو ان کا ربّ ہے۔ اے اللہ! ہمیں عنایت کر تندرست فرزند تو ہم تیرے شکرگذار بندوں میں ہوجائیں گے۔ (۱۸۹)

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

پس اللہ نے دونوں کو تندرست سالم اولاد عطا کی تو اس نعمت اور عنایت میں دوسروں کو اُس کا شریک ٹھہرانے لگے سو اللہ برتر اور بلند ہے ر پاک ہے اُن کے شرک سے۔ (۱۹۰)

اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ۖ

کیا وہ ایسوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں جو پیدا نہ کرسکیں، ایک چیز بھی بلکہ خود ہی پیدا کئے جاتے ہیں۔ (۱۹۱)

وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

اور وہ اُن کو کسی قسم کی مدد نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (۱۹۲)

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا یَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور اگر تم اُنہیں راہِ ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری پیروی اختیار نہ کریں تمہارے لئے دونوں اُمر یکساں ہیں تم اُنہیں پکارو یا خاموش رہو۔ (۱۹۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک (اے کُفار) جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ بھی تو تم جیسے بندے ہیں تم اُنہیں پکارو! پس اُنہیں چاہیۓ کہ تمہاری فریاد قبول کریں رتمہارا کہنا پورا کردیں، اگر تم سچے ہو۔ (۱۹۴)

الفاظ و معانی آیت ۱۸۹ تا ۱۹۴

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا ایک ذات سے کہ اس سے مُراد آدم علیہ السلام ہیں ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا﴾ ❶ اور پیدا کیا ان کا جوڑا اس سے مُراد حوّا علیہا السلام ہیں۔ ﴿لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ تا کہ اس سے راحت اور سکون حاصل کرے۔ اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ اللہ کی ذات واحد وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے دلِ حزین کی تسکین اور فرحت و راحت کے لئے تمہارے جنس سے صنفِ نازک کو معرضِ وجود میں لایا گیا اور تمہارے مابین زن و مرد کا رشتہ اُلفت استوار کردیا۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا﴾ پھر جب ڈھانپ لیا تو خلوت میں باہم ملاپ ہوا تو صحبت کی، تَغَشّٰهَا چھپا لیا ماضی کا صیغہ قواعد کے مطابق۔

Marfat.com

﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ﴾ تو حمل قرار پایا اور رحم میں حمل ٹھہر گیا پھر وہ چلی حمل کے ساتھ ﴿فَلَمَّا اَثْقَلَتْ﴾ پھر بوجھل ر بھاری ہوئی جو پیٹ میں تھا اس کے سبب جو کچھ یہ باہمی اختلاط رمراجعت کے فطری عمل کا نتیجہ ہے۔

اَثْقَلَتْ وہ حمل سے ہوئی، اِثْقَالٌ سے بمعنیٰ گراں بار، بوجھل کے ہیں فعل ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب قواعد کے مطابق۔

﴿دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا﴾ پکارا آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام نے اللہ کو جو ان دونوں کا پروردگار ہے۔ دَعَوَا، دعا کی دَعَاءٌ سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ اگر تو ہمیں عطا کرے گا فرزند نیک تو ہم ہو جائیں گے شکر گذاروں میں سے اس نعمت پر، گویا دونوں اللہ سے دعا کرتے ہیں اور شکر ادا کرنے کا وعدہ عہد کرتے ہیں۔ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا جَعَلَا لَهٗ﴾ ❶ پس اللہ نے دیا فرزند صالح، جسم تندرست کے ساتھ۔

﴿شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ تو اُنہوں نے عبادت میں غیر اللہ کو شریک کر لیا گویا ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے۔ بتایا جا رہا ہے کہ سو باری تعالیٰ پاک ہے شرک سے جس کو اِن لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ شُرَكَآءَ سے مُراد بت ہیں اور وہ بے جان سے ہیں، دونوں (شوہر اور زوجہ) اس لڑکے کو بتوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جیسے عبدالعزیٰ، عبدمناف، عبدقصی۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

کُفار اور مُشرکین کا عقیدہ باطل تو یہ تھا کہ بُت عقل اور حیات رزندگی رکھتے ہیں اس لئے اُن کے عقیدہ کے لحاظ سے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ (بحوالہ بیضاوی، تفسیر مظہری) ﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ کیا وہ شریک کرتے ہیں، میری عبادت میں اسے جس نے پیدا نہیں کی کوئی اور شے بلکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں، کیسے ناداں ہیں ان کو خالق کا شریک جانتے ہیں حالانکہ وہ خود مخلوق ہیں، بچوں کو ایسے ناموں سے موسوم کرنا، جن سے مُشرکانہ مفہوم لیا جا سکتا ہے چاہے نام رکھنے والوں کی نیت یہ نہ ہو! وہ بھی ایک مُشرکانہ رسم ہونے کے سبب گناہِ عظیم ہے جیسے عبدالشمس وغیرہ نام رکھنا۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ) ﴿وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ اور وہ توانائی اور قوت نہیں رکھتے کسی کو کسی قسم کی امداد پہنچانے کی، نہ خود اپنی ذات کو کچھ منفعت دے سکتے ہیں، اگر اس بات کو بُت کی طرف منسوب کیا جائے تو خود پتہ چلتا ہے وہ خود انسانی تراش خراش کے محتاج بھی ہیں، انسانی تحفظ کے طلب گار بھی، یہود و نصاریٰ میں بھی ایسے راہب موجود تھے جو لوگوں کو گمراہی کی طرف مائل کرتے تھے، ان کا اپنا عقیدہ تک صحیح نہیں! جو لوگ اپنی مدد کرنے سے قاصر ہیں اور اپنا بوجھ دوسروں پر ڈال کر زندگی بسر کرتے ہیں بھلا وہ دوسروں کو کیا عطا کریں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ﴾ بے شک جنہیں پوجتے ہو تم اے مُشرکو! اللہ کے سوا، وہ بھی بندے ہیں تم جیسے ہی، یعنی جب وہ حیات تھے بلکہ اب تم اِن سے زیادہ کامل اور معزز ہو اب اِن میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں، وہ سُن نہیں سکتے! تم میں دیکھنے اور سُننے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس سے اس بات کا علم ہوا کہ مُشرکین جن کی مورتیاں بنا کر، سجا کر پرستش کرتے تھے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بتوں کے بارے میں صراحت سے موجود ہے وہ اللہ کے صالح بندے تھے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف)

❶ ...... جَعَلَ تخلیق کیا، بنایا جَعَلَ سے ماضی کا صیغہ تثنیہ مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔

Marfat.com

تشریح وتوضیحات آیت ۱۸۹ تا ۱۹۴

آیت ۱۸۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی تخلیق کا عمل ایک مرد اور عورت سے مَعرضِ وجود میں آیا، اور مَرد وزَن کو ایک فطری تقاضے کی تکمیل کی خاطر قلب ونظر کی تسکین اور راحت وآرام کا ذریعہ بنا اور جب مرد خلوتِ آغوش میں عورت سے لطف صحبت حاصل کرتا ہے تو اس قُربت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حمل قرار پاتا ہے، پھر وہ دونوں لبُ کُشا ہوتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ ہمیں تندرست وصحت منداولا دعطا فرما ہم تیرے شکر گذار ہوں گے۔اس بات کی وضاحت سورۃ النسآء آیت ا پارہ لَنۡ تَنَالُوا ۴ سے ہوتی ہے:

رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً

''جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دے''۔

ایک جنس اپنی ہی جنس سے درحقیقت مانوس اور قربتِ لُطف پاتی ہے اور یہی قُرب وسکون پانے کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کا اظہار باری تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی کیا ہے چنانچہ آیت ۲۱ سورۂ روم پارہ ۲۱ اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ میں ارشادِ رَبّی ہے:

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَجَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم ان سے راحت وسکون پاؤ اور تمہارے درمیان اُلفت / پیار وہمدردی ودیعت کی۔ (آیت ۲۱)

آیت ۱۹۰ میں بیان کیا جارہا ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو صحت مند سالم اولاد دیتا ہے تو اس کی عطا کی ہوئی نعمت سے وہ اس کے لئے دوسرے کو شریک ٹھہراتے ہیں اللہ برتر واعلیٰ ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنی ضرورت اور احتیاج کی تکمیل کے لئے تو اپنے اللہ کی طرف متوجہ ضرور ہوجاتا ہے لیکن احتیاجات پوری ہوجاتی ہیں تو ''اپنی اس کامرانی کو دوسرے وسائل اور اسباب کا کرشمہ قرار دینے لگتا ہے اور اپنی خود فریبی میں پھر کھو جاتا ہے''۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن جلد سوئم از سید قطب شہیدؒ)

آیت ۱۹۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کیوں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو خود کسی شے کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، آخر اِن کے پاس کیا جواز ہے؟ یہ اِن بُتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ لائق پرستش اور عبادت وہ ذات واحد ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرنے کا اختیارِ کُل رکھتا ہے اور اپنی قوت سے اُن کی رہبری اور معاونت کرتا ہے، قوت، طاقت، غلبہ، اور بادشاہت تو صرف ربّ جلیل کے پاس ہے دَورِ جاہلیت اور عصرِ حاضر نے جو نئے پتھر کے صنم تراشے ہیں اس میں کسی بُت نے ارض وسماء کو پیدا کیا ہے، متقاضی اِس صنم کدۂ کائنات میں کون بُت

ایسا ہے جو نفع پہنچانے اور نقصان دینے کی صلاحیت رکھتا ہے دَورِ جدید کی انسانیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اُسے اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اُنہیں جاہلیّت کی قیادت سے نکال کر، ظلمت سے نجات دلا کر نور کی طرف لایا جائے، جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ بے جان ہیں وہ اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتے، تو دوسروں کے لئے کیا کریں گے قرآن کی تعلیمات یہ ہیں کہ وہ جس بُت پرستی میں مبتلائے بلا ہیں جو ایک کمزور احمقانہ عقیدہ ہے وہ ایسی چیزوں کو خدا کہہ رہے ہیں جو کسی شے کو پیدا کرنے کی مجاز نہیں!۔

آیت ۱۹۲ میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ جن بُتوں کو پکارتے ہیں، وہ کوئی مدد نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بُت تو خود اپنی امداد کرنے سے قاصر ہیں دورِ جدید کی جاہلیت تو احساس وشعور سے بے خبر ہو کر اللہ کے احکامات ترک کر رہی ہے اور تہذیب نو کے آذر نے، تو ایسے صنم تراش لئے ہیں کہ جو ان بُتوں کے احکام کو سینے سے لگا رہی ہے، دورِ حاضرہ کی بُت پرستی میں بُتوں کی شکل وصورت اگرچہ تبدیل ہوگئی ہے لیکن اِن کے اندر جو شرک ہے وہ بالکل نہیں بدلا، اب ہماری ذِمّہ داری ہے کہ اللہ کے حکم کو تسلیم کریں اور اس کی شریعت کی پابندی کریں اس معاملے میں دھوکے کا شکار نہ ہوں۔

آیت ۱۹۳ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم ان بُتوں کو راہنمائی کے لئے طلب کرو یا سیدھی راہ کی طرف آنے کے لئے پکار!و تو تمہاری تقلید کی طرف قدم نہ اُٹھا سکیں گے وہ تمہاری کہی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے خواہ تم ان کو صدائیں دو یا خاموشی اختیار کرو'' اگر تم ان سے رُشد وہدایت طلب کرو تو وہ تمہاری نہیں مانیں گے اور نہ تمہیں جواب ہی دیں گے''۔ (بحوالہ فتح القدیر)

آیت ۱۹۴ میں اظہارِ ذکر یہ ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یہ تو بالکل تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں وہ تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، حقیقت احوال تو یہ ہے کہ اہلِ عرب جن بُتوں کی پرستش کرتے تھے وہ اُن کے وہم وگمان کے مطابق فرشتوں، جنّات، چاند ستاروں کے بُت تھے اگر تمہیں زعم ہے کہ یہ تمہاری پُکار پر مدد کر سکتے ہیں تو تم اُنہیں بلاؤ تو سہی! کہ یہ تمہاری مدد کریں ان بُتوں کے بارے میں جن شرکیہ خیالات کو تم سچّا سمجھ رہے ہو تو یہ نہایت ہی کم عقلی کی دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں'' پانچ بُتوں کے سلسلے میں ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے''۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف)

چونکہ عرب بُت پرستی میں ظاہری بُت پرستی شامل تھی اور گذرے ہوئے انسانوں کی طرف بھی اشارہ تھا، اس لئے قرآنِ حمید نے اُن کے لئے'' ذوی العقول'' کے صیغے استعمال کئے ہیں اور یوں لوگوں کی طرف خطاب کیا اور'' خصوصاً'' نشان دہی اُن شخصیات کی طرف سے ہے جن کی طرف سے بُتوں میں رَمز تھا، بہر نوع دونوں طرز کا شرک اسلامی نظر میں باطل ہے اور قرآن اِس ذِلّت سے انسانیت کو نکالنے کے درپے ہے''۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن از سید قطب شہیدؒ)

Marfat.com

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں؟ کیا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟۔ اے نبی (ﷺ)! آپ ﷺ کہہ دیجئے! تم سب اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں رمعبودوں کو بلا لو! پھر میرے خلاف سازش رضرر رسانی کی تدبیر کرو اور مجھے مُہلت بھی نہ دو۔ (۱۹۵)

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

بے شک میرا مددگار رحمایتی تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی۔ وہی نیک بختوں رنیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے۔ (۱۹۶)

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور جن کی تم پرستش کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر رکے سُوا وہ نہ تو تمہاری امداد کر سکتے ہیں اور نہ خود ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ (۱۹۷)

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر تم ان (مشرکوں) کو راہِ راست کی طرف بلاؤ سنیں گے بھی نہیں! اگر آپ انہیں کو اپنی طرف تکتے ہوئے بظاہر دیکھتے ہو حالانکہ ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ (۱۹۸)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

اے حبیب ﷺ! آپ ان سے درگذر، ونرمی اور معافی سے کام لیجئے، نیکی کی تلقین کیے جائیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں؟۔ (۱۹۹)

الفاظ و معانی آیت ۱۹۵ تا ۱۹۹

﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا﴾ کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جس سے وہ اپنی ضرورتوں میں چلیں ان پیروں سے، جن سے تم چلتے ہو۔ یَمْشُوْنَ وہ چلتے ہیں، مَشْیٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿اَرْجُلٌ﴾ پاؤں، پیر رجلٌ کی اسم جمع ہے۔ ﴿يَبْطِشُوْنَ بِهَا﴾ پکڑتے ہیں، گرفت کرتے ہیں۔ ﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ﴾ کیا اُن کی آنکھیں ہیں۔ اَعْیُنٌ آنکھیں، عَیْنٌ اس کا واحد۔ ﴿يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾ دیکھتے ہیں اِن آنکھوں سے جیسے تم دیکھتے ہو۔ ﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ کیا وہ ان کانوں سے سنتے ہیں جس طرح تم قوت سماعت رکھتے ہو ان لوگوں کی جہالت اور نادانی کا اظہار کیا جارہا ہے کہ تم صاحبِ عقل و خرد ہوتے ہوئے لکڑی اور پتھر کے تراشے ہوئے بے جان، مجسموں کی پُوجا کرتے ہو جن کی بے بسی تو یہاں تک ہے کہ نہ تو ان کے پیر ہیں کہ پاؤں سے چل سکیں اور نہ تو ہاتھ ہیں، کہ ان سے کچھ پکڑ سکیں، اور نہ تو آنکھیں ہیں کہ یہ نظروں سے دیکھ سکیں۔ یہ آیت تو کافروں کی حماقت اور نادانی ثابت کرنے کی دلیل ہے اور جب اس دلیل کے سبب لاجواب اور ساکت ہوئے تو حضرت محمد ﷺ کو اپنے خداؤں سے ڈرانے لگے اور بولے ہمارے خداؤں کی مذمت مت کرو مبادا کہ وہ آپ کو آفت اور مصیبت پہنچائیں۔ تو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ" اے حبیب ﷺ! آپ کہہ دیجئے! تم پکارو اُنہیں جنہیں تم نے پرستش کے لئے اپنا معبود بنالیا ہے وہ بُت میری عداوت میں جو کچھ ضرر رسانی کی تدبیر کر سکتے ہیں کرلیں۔ ﴿فَلَا تُنْظِرُوْنَ﴾ پھر مجھے ڈرائیں، میں اللہ کی حفاظت اور حمایت پر یقین رکھتا ہوں تمہارے قصد، مکر اور فریب سے ہر گز نہیں خوف کھاتا!۔ تُنْظِرُوْنَ تم مجھے مُہلت دو اِنظارٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ ﴿اِنَّ وَلِیِّ یَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ﴾ یقینی طور پر میرا مددگار اللہ ہے جس نے یہ (کتاب) قرآن نازل کیا اللہ دوست رکھتا ہے اور اُن کے نام بتا تا ہے یہاں ولی کے معنیٰ محافظ و مددگار کے ہیں "جو شخص کسی کی حفاظت کرے اور ہر قسم کے ضرر سے اُسے بچائے اُسے اُس کا ولی کہتے ہیں"۔ (بحوالہ قرطبیؒ) ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ﴾ عفو اور معافی دینے کی صفت اختیار کرو، گنہگاروں کو درگذر کرو، حکم دو نیکی کرنے کا، اقوال افعال میں جاہلوں اور نادانوں سے کنارہ کشی اختیار کرو ان سے دور رہو، اُن سے مت اُلجھو! "کشاف" میں تحریر ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے معلوم کیا کہ اِس کلام کی حقیقت کیا ہے؟ جواب عطا ہوا۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملو، جو تمہیں محروم کرے اسے دو! جو تم پر ظلم کرے اسے درگذر / معاف کردو"۔ یہ مکارمِ اخلاق کے اصول ہیں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "قرآن میں اَخلاقِ حسنہ کے متعلق یہ جامع ترین آیت ہے"۔ (بحوالہ تفسیر ابن جریر طبریؒ)

۱) ......خُذِ الْعَفْوَ: عربی لغت کے مطابق عفو کے کئی معانی ہیں عفو کہا جاتا ہے ہر ایسے کام کو جو بآسانی بغیر مشقت اور کسی تکلیف کے بغیر ہو سکے، عفو کے دوسرا معنیٰ معافی اور درگذر کرنے کے بھی آتے ہیں۔

۲) ......وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ: عرف بمعنیٰ ہر مستحسن کام، ہر نیک کام اور عمل کی ہدایت کریں گویا "نیکی کا بدلہ نیکی سے، ظلم کا بدلا صرف انصاف سے ہی نہیں بلکہ احسان سے"۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

۳) ......وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ: جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اِن جاہلوں سے مُنہ پھیرلیں، کنارہ کشی اِن سے اختیار کی جائے، کنارہ کش ہونے سے مراد یہ ہے کہ "اُن کی بُرائی کا جواب بُرائی سے نہ دیں"۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

گویا ظلم کا انتقام چھوڑ کر اُن کے ساتھ ہمدردی، نرمی اور حُسنِ سلوک کو روا رکھا جائے اس کا مطلب یہ بھی نہ لیا جائے کہ اُن کو ہدایت کرنا چھوڑ دی جائے۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۹۵ تا ۱۹۹

آیت ۱۹۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اِن بُتوں سے کہا جائے کہ اگر وہ ہاتھ پاؤں، آنکھیں اور کان رکھتے ہیں اور اگر کسی کے امداد کرنے کے قابل ہیں تو اُنہیں پکارو، لیکن دوسروں کی مدد تو درکنار وہ اپنی خود مدد کرنے کے قابل نہیں، بُت پرستی تو دو اجزاء سے مرکب ہوتی ہے ایک تو وہ کیفیت جن کو بُت پرست الٰہ مان کر قابلِ پرستش جانتے ہیں، دوسری وہ کیفیت جو مورتی کی شکل پیکر میں ڈھال کر تراشتے اور بناتے ہیں اور یہ گُمان رکھتے ہیں کہ صفت الٰہ کے ان مظاہر کے اندر سمو دی گئی ہے۔ جن بتوں کی پُوجا تم خلاف عقل و خرد کرتے ہو وہ تم لوگوں کے کیا کام آئے وہ تو خود اپنی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں، گو اُن کے ظاہری

Marfat.com

ہاتھ، پاؤں، آنکھیں سب کچھ بنا لیتے ہو: کیا ان اعضاء میں وہ قوت اور صلاحیت موجود ہے جنہیں اعضاء کا نام دیا جائے، تم ان کے سامنے خاموش رہو یا آہ بکا کرو دونوں صورتیں یکساں ہیں نہ اُن سے کوئی فائدہ نہ نقصان۔ مُشرکین مکّہ تو سرکارِ دوعالم ﷺ کو یہ دھمکی دے کر کہتے تھے کہ آپ ﷺ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا ترک کردیں ورنہ نہ معلوم کون سی آفت آپ پر آجائے، قرآن وضاحت کے ساتھ بتا رہا ہے کہ ''تم سب رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدابیر پوری کرلو، پھر بھی تم رسول اللہ ﷺ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے''۔ (بحوالہ تفسیر عثمانیؒ از مولانا محمود الحسن عثمانیؒ)

یہ آپ ﷺ کو ڈراتے ہیں اِن بتوں سے کہ یہ آپ کو ضرر پہنچائیں اس بات کی وضاحت آیت ۳۶ سورۃ الزمر پارہ ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ سے ہوجاتی ہے ارشادِ ربّی ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

''کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈراتے ہیں''۔ (آیت ۳۶)

آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں لیکن اللہ حامی وناصر ہو تو آپ ﷺ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے ''جن کے ساتھ اُن کے قوم کے لوگوں نے ایذارسانی کا سوچا اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اُن کی کفایت فرمائی''۔ (بحوالہ کنزالایمان، خزائن العرفان از احمد رضا خانؒ)

آیت ۱۹۶ میں بتایا جارہا ہے کہ اللہ ہی ہمارا حامی وناصر اور کارساز ہے جس نے ہماری رُشد وہدایت کے لئے قرآنِ مجید فرقانِ حمید کو اُتارا، سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس سے اہلِ حق ہر طاغوتی طاقت سے بڑی بے باکی سے مقابلہ کرتے ہیں اور آخر کار نیک اور فرمانبرداروں کو اس سے حمایت اور نصرت ملتی رہتی ہے۔

آیت ۱۹۷ میں بیان ذکر یہ ہے کہ ''غیر اللہ کو'' جو لوگ پکارتے ہیں، اُن کا عالم تو یہ ہے کہ نہ وہ تو اپنی ہی مدد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ کسی اور کو کچھ مدد پہنچا سکتے ہیں، اُن باطل اور جھوٹے معبودوں کا تو یہ عالم ہے کہ اُن کے معبود نہ اپنے پجاریوں کو کچھ نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، نہ ہی اپنے مخالفین کو کچھ زِک دے سکتے ہیں۔

آیت ۱۹۸ میں اس بات کا اظہار کیا جارہا ہے کہ اگر تم اُنہیں سیدھی راہ پر چلنے کے لئے آمادہ کرو تو وہ تمہاری بات سماعت رسننے کی بھی قوت نہیں رکھتے، ظاہری طور پر ایسا محسوس ضرور ہوتا ہے کہ وہ تمہاری طرف نظر اُٹھائے دیکھ رہے ہیں، فی الحقیقت وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔ بتوں کی تصویریں اس طرح بنائی جاتی تھیں جیسے تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔

آیت ۱۹۹ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ نہ نرم گفتگو کرنے کا انداز اپنایا جائے عفو درگذر کو شعارِ زندگی بنایا جائے اور نیکی سرانجام دینے کی تلقین کی جائے، جاہلوں سے اُلجھنے کے بجائے اس سے اپنا دامن بچا کر دوری اختیار کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کو تلقین دعوت ہے کہ جب نیکی کا حکم صادر کرکے اتمام حُجت کرچکیں اور پھر بھی وہ آپ کی بات تسلیم نہ کریں تو اعراض کرلیجئے! اور اُن کی دھمکیوں کا جواب نہ دیں آپ اور آپ کے رُفقاء رساتھیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ آپ توحید حق اور ''نیکی وعدل کی جو دعوت دے رہے ہیں اس پر جمے رہیں اور ان جاہلوں کی پرواہ مت کیجئے''! (بحوالہ تفسیر تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ)

Marfat.com

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر شیطان تم کو وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اس کے شرّ سے بچنے کے لئے اللہ سے پناہ مانگو بلاشبہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (۲۰۰)

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

بے شک جو لوگ پرہیزگاری اپناتے ہیں اُنہیں کوئی شیطانی خیال چھو بھی جائے تو وہ اللہ کی یاد رذکر میں لگ جاتے ہیں تو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (۲۰۱)

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور جو شیطان کے بھائی ہیں، تو شیاطین اُنہیں گمراہی اور کج روی میں کھینچ کرلے جاتے ہیں، اور اُنہیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے رگویا گمراہ کرنے میں پھر کوئی کمی نہیں کرتے۔ (۲۰۲)

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور اے محبوب ﷺ! جب آپ کوئی نشانی رمعجزہ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتے تو وہ کہتے ہیں آپ کوئی آیت رمعجزہ کیوں نہیں لائے۔ آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے! میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے ربّ کی طرف سے وحی ہوتی ہے یہ بصیرت کی روشن دلیلیں تمہارے ربّ کی طرف سے ہیں رحمت اور ہدایت ہے، یہ سب اس قوم کے لئے ہے جو صاحبِ ایمان والے ہیں۔ (۲۰۳)

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ رانہماک کے ساتھ سُنو! خاموش رہو! تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۲۰۴)

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

اور یاد کرو اپنے ربّ کو دل ہی دل میں ، عاجزی اور خوف کے ساتھ ر ڈرتے ڈرتے، چپکے چپکے، زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ صبح وشام اس کا ذکر کرتے رہو، اُن لوگوں میں نہ ہوجانا جو غفلت میں پڑے ہیں۔ (۲۰۵)

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

بے شک جو لوگ ربّ کے مقرب ہیں وہ تکبّر اور گھمنڈ چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ (۲۰۶)

الفاظ ومعانی آیت ۲۰۰ تا ۲۰۶

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ﴾ اگر شیطان کی طرف سے تجھے وسوسہ پہنچے۔ یَنْزَغَنَّکَ اُبھارنا، نَزْغٌ سے فعل مصدر ہے کسی نوک دار چیز سے چھیڑنا۔ ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ پس تو پناہ مانگ اللہ سے، اِسْتَعَاذَۃٌ سے فعل اَمر، صیغہ واحد مذکر حاضر

Marfat.com

قواعد کے مطابق۔ یہاں خطاب محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اور اس سے مُراد اُمّت ہے، اُمّت میں ہر ایک سے اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو اس کے شَرّ سے اللہ کی پناہ طلب کی جائے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ بے شک جن لوگوں نے پرہیز کیا شرک سے اور گناہوں سے یا خوف کیا اللہ سے۔ ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ﴾ جب چُھو جاتا ہے اُنہیں کوئی وسوسہ خیال۔ ﴿مِّنَ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کی طرف سے، طائف یا طیف سے مُراد وہ تخیل ہے جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ اہلِ تقویٰ شیطان کے وسوسہ خیال سے چوکنا رہتے ہیں اس لئے کہ ''وسوسہ شیطانی بھی خیالی تصوّرات کے مشابہ ہے''۔ (بحوالہ فتح القدیر)

﴿قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کہتے ہیں کہ کیوں نہ بنائی اپنی طرف سے کوئی آیت۔ اِجْتَبَيْتَهَا تم نے چھانٹ لیا، اِجْتِباء سے فعل ماضی واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ تبیان میں تحریر ہے کہ اہلِ مکہ عیب جوئی اور بدگوئی کے سبب قرآن کی آیتیں مانگتے تھے اور جب اُن کے نزول میں تاخیر ہوتی تو وہ ازراہ تمسخر کہتے کہ آپ ﷺ نے اور آیتوں کی طرح یہ آیت بھی کیوں نہ بنالی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حکم آیا قُلْ اے حبیب! کہہ دیجئے! ﴿اِنَّمَآ اَتَّبِعُ﴾ میں صرف اِس کی پیروی کرتا ہوں۔ ﴿مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ جس چیز کی وحی کی جاتی ہے۔ ﴿مِنْ رَّبِّيْ﴾ میرے رَبّ کی طرف سے اور میں اپنی طرف سے قرآن نہیں بناتا۔ ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ گویا اس میں بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رَبّ کی طرف ہے اس سے راہِ حق نظر آتی ہے اور راہِ ہدایت دریافت ہوتی ہے، حاصل کلام یہ کہ یہ قرآن جو خود ایک بڑا مُعجزہ ہے۔ ﴿وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ راہ دکھانے والا ہے بخشانے والا ہے یا ہدایت اور رحمت ہے اُس گروہ کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر۔ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو توجہ اور انہماک کے ساتھ سُنو۔ اِسْتَمِعُوْا تم کان لگا کر سنو، اِسْتِمَاعٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔

﴿وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ اور چپ رخاموش ہو جاؤ تا کہ تم رحمت باری تعالیٰ کے مستحق ہو جاؤ۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ اور یاد کرو! اے محمد! اپنے رَبّ کو اپنے دل میں۔ ﴿تَضَرُّعًا﴾ عجز و انکساری کے ساتھ ﴿وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ڈرتے ڈرتے، اس کے فضل کی اُمید پر اور خوف طاری کر و عدل کے ڈر سے، اور پُکارو آہستہ آہستہ اور بلند آواز کے درمیان۔ ﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ یوں یاد کرو صُبحدم اور شام کو بھی اس سے ذکرِ دوام مُراد ہے یہ دونوں ساعتیں شب و روز کے سب اوقات میں اشرف اور افضل ہیں اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اس اُمت میں سے کچھ لوگوں نے اس حکم اور خطاب کی تکمیل کر کے رات میں اس ذکر کی سعادت پا کر اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈھا ہے اور شعورِ عمل اور حضوری کے طفیل دائمی آگاہی سے مشرف ہو گئے ہیں۔ احوال یہ ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب سے گذر ہوا تو دیکھا تو امیر المؤمنین چپکے چپکے ذکر میں مصروف ہیں اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو محسوس کیا گیا کہ وہ باآواز بلند محوِ ذکر ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم ملا کہ قدرے بلند آواز سے ذکر کیا کرو اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ہدایت ملی کہ قدرے

Marfat.com

آہستہ ذکر کرو۔ امام نودی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ''اگر ذکر کرنے والے کو ریاء کا اندیشہ ہو یا آرام کرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا امکان ہو تو پھر آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے۔ بصورت دیگر ذکر بالجہر افضل ہے''۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ بلاشبہ فرشتے / ملائکہ ہیں تیرے ربّ کے پاس وہ اللہ کے مقرب ہیں وہ تکبر فخر و انبساط نہیں کرتے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۲۰۰ تا ۲۰۶

آیت ۲۰۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ شیطان انسان کی فطری اور طبعی کوتاہیوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کسی ایسے اُمور پر اُکسائے جو تعلیمات قرآنی کے مطابق نہ ہو اور وسوسہ اندازی کر کے فریب کاری کی طرف متوجہ کرے تو اللہ کی پناہ چاہو! باری تعالیٰ ہر بات کو بھی سنتا ہے اور ہماری ہر التجا کو جانتا بھی ہے یقینی طور پر ہمیں شیطان کے مکر وفریب اور شر سے بچائے گا۔ ہمیں تردّد میں پڑھنے کی چنداں ضرورت نہیں، اللہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں محفوظ رکھے گا۔

آیت ۲۰۱ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ اہلِ تقویٰ کو اگر کوئی شیطانی اثر راہِ حق سے بھٹکانے لگتا ہے تو وہ اپنے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے اللہ کے ذکر میں مصروفِ عمل ہو کر توبہ اور استغفار کرتے ہیں، یہ عمل اُن کے قلب ونظر میں ایسی بَصیرت، بَصارت، قوّت وہمّت پیدا کر دیتا ہے کہ دفعۃً آنکھوں کے سامنے غفلت کی تاریکی کا سارا غبار چھٹ جاتا ہے اور قلب حزیں منوّر اور تاباں ہو جاتا ہے۔

آیت ۲۰۲ میں بتایا جارہا ہے کہ جو لوگ شیطان کی پیروی اختیار کرتے ہیں تو شیطان وسوسہ ڈال کر اُن کو گمراہی کی طرف مائل کرتے ہیں اور وہ لوگ ان گُمراہ کُن وادیوں میں بھٹکتے ہوئے ایسی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں کہ بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

آیت ۲۰۳ میں بیانِ مُدّعا یہ ہے کہ شیطانی طعنوں کی ایک تمثیل یہ ہے کہ جس سے رسول اللہ ﷺ کو ہر وقت سابقہ تھا اور کُفار کہا کرتے تھے کہ ہم معجزہ کا جو مطالبہ کررہے ہیں وہ آپ ﷺ کیوں نہیں پیش کرتے؟ کافروں کا تو یہ فضول مطالبہ اور فرمائش ہوتی کہ جب نزولِ وحی میں تاخیر ہوتی تو کہتے ہیں ''اپنی طرف سے کوئی آیت گھڑ لیجئے / وضع کر لیجئے''۔ (بحوالہ قرطبیؒ) ان ناسمجھ لوگوں کو بھلا مقامِ نبوت کی نزاکتوں کا احساسِ علم نہیں تھا، وحی کی تاخیر پر اہلِ کُفر کا یہ تمسخر تھا'' آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہی ہے العیاذ باللہ''۔ (بحوالہ تفسیر عثمانیؒ جلد اوّل) چنانچہ حکمِ رَبی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے اللہ پر افتراء کرے یا لوگوں کے کہنے پر وہ چیز طلب کرے جس کا عطا کرنا اللہ کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے مانگنے کی اجازت نہیں ہے میرا تو یہ معمول ہے جو اللہ وحی بھیجتا ہے میں اس کی اتباع پر عمل پیرا ہوتا ہوں اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ قرآنِ حکیم کی آیت سے بڑھ کر اور کائنات میں کون سا عظیم الشان معجزہ ہو گا حقیقت تو یہ ہے کہ یہ رَبّ کی طرف سے روشن دلیلیں ہیں اور ایمان والوں کے لئے اس میں ہدایت اور رحمت موجزن ہے۔

آیت ۲۰۴ میں بتایا جارہا ہے کہ قرآنِ مجید ایسی دولت اور نعمت ہے کہ جب قرآن پڑھا جارہا ہے تو اس سعادت سے فیض پانے کے لئے اُسے غور سے، توجّہ سے، اِنہماک سے سنو! کہ کچھ بعید نہیں کہ اس سماعت کے دوران رحمتِ باری تعالیٰ کا فیض عام تم پر عام ہو جائے، رحمت کُھل جائے، اس کے ظاہری جمال اور کمالِ حُسن کی برکت سے متاثر ہو کر تمہیں یہ احساسِ یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں! بلکہ باری تعالیٰ کا کلام فصیح و بلیغ ہے، قرآن پڑھا جائے تو خاموشی اختیار کر کے سنا جائے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

آیت ۲۰۵ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ ربّ جلیل کو صبح وشام یاد کرو اور یہ ذکر عاجزی کے ساتھ، انکساری کے ساتھ ہو، دل میں خوف کے آثار نمایاں ہوں، رقت کی کیفیت طاری ہوں، ذکر اِس انداز سے کیا جائے کہ نہ تو آواز بہت بلند ہو آواز دھیمی اور پست ہو آواز میں ہیئت میں تضرع اور خوف کا غلبہ محسوس ہونا چاہیے تاکہ عظمت وجلال سے دل منوّر ہو جائے۔

کافروں کا یہ معمول تھا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے، تو بتایا جارہا ہے کہ اگر قرآن کی آیات کو توجہ سے سنا جائے اور خاموشی طاری رہے تو شاید باری تعالیٰ تمہیں ہدایت سے سرفراز کردے، چنانچہ آیت ۲۶ سورۃ حٰمٓ السَّجدَۃ پارہ ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ میں ارشادِ ربّی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

''اور کافروں نے کہا اس قرآن کو سنو ہی مت! اس کے پڑھے جانے کے وقت بیہودگی اختیار کرو''۔ (آیت ۲۶)

گویا اُنہوں نے کہا شور کرو، زور زور سے باتیں کرو تاکہ لوگوں کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور فصاحت سے متاثر نہ ہوں۔

آیت ۲۰۶ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقرّب ہیں وہ اللہ کا ذکر کرتے وقت تکبّر اور افتخار نہیں کرتے، وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے ہیں ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مشغولِ عمل رہتے ہیں۔

حقیقتِ احوال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مُقرّب ملائکہ کو اللہ کی بندگی سے عار نہیں تو ہم پر بھی لازم ہے کہ صبح وشام، ہر لمحہ، ہر لحظہ عبادت میں مصروفِ عمل رہیں اور کسی کے آگے سربسجود رہیں۔ چنانچہ اِس آیت کے اختتام پر بھی سجدہ کرنا چاہیے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عبادت اور تصوّرِ عبادت اور ذکر اللہ، دینِ اسلام کے اساس طریق کا ایک ذریعہ ہے یہ صرف علم تصوّف اور معرفت کا ہی طریق نہیں ہے بلکہ اس کا واسطہ اور تعلق ربط سلوک وعمل اور عملی حرکت کے ساتھ ہے، اس عمل احساس کو اپنا کر انسان دنیا کو مطلوب ہوتا ہے۔ گویا اس کا سرچشمہ عبادت تعلق باللہ اور اللہ کی نصرت میں مُضمر ہے اور یہی توشہ آخرت کی منزل کی طرف جانے کا ایک ذریعہ ہے۔ (بحوالہ ظلال القرآن جلد دوئم سید قطب شہیدؒ)

اس آیت میں لوگوں کو پند ونصیحت اور عبرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مُقرب لوگوں کی ایک خاص کیفیت حال بیان ہوئی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت میں تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہونا ہے جس میں سے سب فرشتے رملائکہ، تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اُمّت کے صالحین شامل ہیں وہ اپنے ربّ کے حضور اپنے آپ کو محتاج وعاجز جان کر عبادت میں مصروف رہ کر تسبیح کرتے رہتے ہیں اور خلوصِ عقیدت سے سجدہ کرتے ہیں ''گویا اللہ تعالیٰ کی مَعصیّت اُن کو حاصل ہے''۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

الحمدللہ سورۃ اعراف مکمل ہوئی۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

المرقوم ۸ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۹ اگست ۲۰۰۹ء

Marfat.com

ترتیب نزول ۸، آیات ۷۵، رکوع ۱۰

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ

یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی
کل حروف ۵۰۸۰، کلمات ۱۰۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

اے حبیب (ﷺ)! آپ سے دریافت کرتے ہیں حکم مالِ غنیمت کے بارے میں۔ تو آپ ﷺ کہہ دیجئے! یہ انفال / مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور آپس میں باہمی معاملات صلح اور اصلاح کے ساتھ درست رکھو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری اختیار کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

صرف سچے ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل کانپ اُٹھتے ہیں / لرز جاتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور جب اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ لوگ اللہ پر کامل بھروسہ / توکل رکھتے ہیں۔ (۲)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ؕ

جو نماز قائم کرنے کا صحیح صحیح اہتمام / اور انصرام کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق عطا کیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (۳)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ۚ

ایسے ہی لوگ سچے مؤمن ہیں، اُن کے رَبّ کے پاس اُن کے بڑے درجات ہیں، عزت ہے بخشش ہے، گناہوں سے معافی ہے اور بہترین رزق ہے۔ (۴)

كَمَاۤ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ۙ

جیسا کہ آپ ﷺ کے رَبّ نے حق کام کے لئے آپ کو گھر سے نکال لایا ہے اور بے شک اہلِ ایمان کے ایک گروہ پر یہ بات سخت گراں / ناگوار گذری۔ (۵)

الفاظ و معانی آیت ۱ تا ۵

اَنفال کے معنی مالِ غنیمت کے ہیں یہ نَفَل کی جمع ہے جس کے لغوی معنیٰ ہیں فضل و انعام، اصطلاحِ قرآن و سُنت میں نَفَل اور انفال مالِ غنیمت کے لئے بھی مستعمل ہے جو کُفّار سے جہاد کے وقت حاصل ہوتا ہے دراصل قرآن میں اِس مفہوم کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں، لفظِ انفال جو آیت ۱ میں استعمال ہوا ہے اور لفظ غَنِیْمَۃ، سورۃ انفال کی آیت ۴۱ پارہ ۱۰

Marfat.com

وَاعْلَمُوْا میں آیا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ

اس بات کو جان جایئے کہ مالِ غنیمت میں تم کو جو کچھ بھی ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصّہ ۲۰ رافیصد اللہ کے لئے ہے۔

تو پتہ چلا کہ مالِ غنیمت وہ ہے جو معرکہ اور جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے اور لفظ فئے اس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ مال جو بلاقتال اور جہاد میسّر آجائے آیت ۷ سورۃ الحشر پارہ ۲۸ قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ میں لفظ فئے اور اس کے بارے میں ارشادِ باری ہے: ''مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ ''بغیر لڑائی کے جو مال اللہ نے کسی آبادی سے اپنے رسول ﷺ کو دلایا، مزید وضاحت کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ غَنِیْمَۃٌ عام طور پر اس مال کو کہا جاتا ہے جو معرکہ وجہاد کے ذریعہ فریق مخالف سے مل جائے اور فئے وہ مال ہے جو قتال اور جنگ کے بغیر کُفّار سے مل جائے خواہ وہ مال رضامندی سے دیں یا میدانِ کارزار میں چھوڑ کر بھاگ جائیں، نفل اور انفال کا لفظ اس انعام کے لئے کہا جاتا ہے جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو حُسنِ کارکردگی کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت بطورِ انعام دے۔ (بحوالہ تفسیر ابنِ جریر، تفسیر ابن کثیر،)

''اَنْفَال کے اصلی معنیٰ اصل میں زیادتی کے آتے ہیں، اسی لئے زائد نماز کو نَافِلَۃٌ کہتے ہیں''۔ (ماخوذ لغات القرآن از مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ) سورۂ انفال کا نفس مضمون مسلمانوں کی صلاح وفلاح، تقویٰ، باہمی اُلفت واُخوت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اساس پر، تعظیم تنظیم اور حُرمت جہاد کی دعوت کے بابت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ یہ آیت اہلِ بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے، جب غنیمت کے مال میں تقسیم کے وقت معاملات میں اختلاف رائے کی صورت پیدا ہوئی اور تلخی کی نوبت آئی تو حق سُبحانہٗ تعالیٰ نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا آپ ﷺ نے وہ مال مساوی طور پر تقسیم کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ (بحوالہ مسند احمد، ترمذی شریف، ابنِ ماجہ اور مستدرک)

سورۃ الانفال کے مضامین پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوئی ہے کہ اس سورۃ کا نُزول غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا، اِس سورۂ مبارکہ کا بیشتر حصّہ غزوۂ بدر کے متعلق ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثارانِ توحید، بارہ تیرہ برس تک کُفّارِ مکّہ کے ظُلم واستبداد کو صبر وسکوں سے سہتے رہے نبوّت کے بارہویں برس قبیلہ خزرج کا ایک کارواں جس میں پچھتر (۷۵) افراد شامل تھے مکہ میں وارد ہوا اور حضور ﷺ کے درِ اقدس پر حاضری دے کر دستِ حق پر بیعت کی سعادت حاصل کی اور شاید اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ حضور ﷺ مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کریں۔ ہجرت کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی، وہاں کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج میں اسلام کی شمع فروزاں ہوئی۔ حضور ﷺ کی مدینہ میں آمد، شمع رسالت کے پروانوں یعنی مہاجرین اور انصار کو رشتہ اُخوّت میں پُرو دیا۔ اسلام کی بقاو ترقی کے لئے معرکۂ حق وباطل ہوا، غزوۂ بدر کُفر واسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو فتح ونصرت ملی، کُفّار اور مُشرکین کا تکبّر وعناد، میدانِ بدر میں مجاہدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا، چند سو افراد کا جذبۂ جہاد اپنے نتیجہ واثر کے اعتبار سے تاریخ انسانی میں کامیابی وکامرانی کی ایک نئی داستان رقم کرگیا، قرآنِ حکیم کی آیت ا پارہ

Marfat.com

حٰمٓ سُوْرَۃُ الْفَتْحِ میں نوید ملی ارشادِ ربّی ہوا: "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" بے شک اے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔ سورۃ فتح صُلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو بھی فتح فرمادیا۔

اِس معرکہ حق باطل میں وہ مال جو مجاہدین کو کامیابی کی صورت میں ملا، یعنی مالِ غنیمت، تو سوال پیدا ہوا کہ اس کا کیا کیا جائے، سابقہ اُمتوں کا حال تو یہ تھا کہ اس مال کو میدان میں اکٹھا کر دیا جاتا اور آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دیتی تو یہ عمل جہاد کی قبولیت قرار پاتا، اکثر اوقات وہ نہ جلایا جاتا تو اس کو نحوست سمجھ کر استعمال نہ کیا جاتا۔ لیکن یہ آقائے نامدار ﷺ کے فضائل میں یہ بات شامل ہوئی کہ یہ غنیمت آپ ﷺ کے لئے حلال ٹھہری۔ قرآنِ مجید نے انفال کو اللہ اور رسول ﷺ کا مال قرار دے کر قاعدہ کُلّیہ بنا دیا کہ تمام مال امیر جہاد کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک نہ چھپائی جائے جس کو وہ تقسیم کرے بلکہ بعد میں اس مال کی تقسیم کا قانون وضع کیا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر علیہ السلام اور اُن کی اُمت کو نہیں ملیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کر دیئے گئے حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھے"۔ (بحوالہ بخاری، مسلم)

سورۃ الانفال کی آیت ا میں حکم بتلایا کہ یہ مالِ غنیمت اللہ ا اور اس کے رسول کے لئے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اصل ملکیّت تو باری تعالیٰ کی ہے اور تصرّف کا حق اللہ کے رسول ﷺ کو ہے جو بحکم پروردگار اپنی صواب دِید پر اُن کو تقسیم کرتے ہیں۔ ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ اے حبیب ﷺ! آپ سے سوال کیا جاتا ہے مالِ غنیمت کے حکم کے بارے میں کہ کافروں کی لُوٹ مار کا مال اس اُمت پر حلال ہے یا نہیں! "وسیط" میں تحریر ہے کہ اہلِ بدر نے غنیمتوں میں اختلاف کیا۔ جوانوں کا کہنا تھا ہم لڑتے ہیں غنیمت ہمارا ہے، عمر رسیدہ لوگوں کا مُدعا یہ تھا کہ ہم بھی مددگار رہے ہیں ہمیں بھی اس میں حصّہ ملنا چاہئے یعنی مہاجر اور انصار میں سے ہر ایک گروہ وہ سب غنیمت لے لینے کا داعی تھا، آخر کار رسالت مآب ﷺ سے استفسار کیا تو جواب میں وحی کا نزول ہوا! ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ غنیمتوں کا حکم لِلّٰهِ واسطے اللہ کے ہے اور اس کے رسول کے کہ جیسا چاہتا ہے اللہ کے حکم سے تقسیم کر دیتا ہے۔ ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی غنیمتوں وغیرہ کے باب میں۔ جو وہ حکم صادر کریں چونکہ تم صاحبِ ایمان ہو، اس واسطے ایمان طاعت اور تقویٰ کا مقتضی ہے۔ ﴿وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ اور جب پڑھی جائیں آیات اس کی یعنی قرآن، تو یہ اُن کے ایمان کو اور بڑھا دیتی ہیں تُلِیَتْ اس کی تلاوت کی گئی، تِلَاوَۃٌ سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ واحد مؤنث غائب قواعد کے مطابق، یعنی جب کسی آیت کا نزول ہوتا ہے اور اُن کے سامنے پڑی جاتی ہے تو اس آیت پر بھی ایمان لاتے ہیں اور پہلے کی آیتوں کا وجدانِ ایمان ہے چنانچہ "حقائق سلمی" میں لکھا ہے کہ "تلاوت کی فیوض و برکات سے اُن کے باطن میں ان کا نُورِ یقین اور زیادہ منوّر ہو جاتا ہے ان کے ظاہر میں اطاعت کی زیادتی اور ظاہر ہو جاتی ہے"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کمالِ ایمان کا درجہ پانے کی خواہش ہر مؤمن کے دل میں ہونی چاہیے "بحر الحقائق" میں تحریر ہے کہ "ایمان حقیقی ایک نُور ہے۔ دل جس قدر وسیع ہو اسی قدر وہ نُور دل میں چمکتا ہے"۔ جو لوگ اہلِ دل ہیں جب اُن کے

Marfat.com

سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس کی برکت سے ان کا قلب اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے اور نُورِ ایمان کی چمک اُن کے دلِ حزیں پر پڑتی ہے تو نُورِ جمال میں وہ لوگ مستغرق ہو جاتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ۔

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ یہی لوگ سچے مؤمن ہیں راست اور درست ایمان کے ساتھ، اُن کو سچے مسلمان ہونے کی سعادت اِس لئے ملی کہ وہ اصلاحِ قلب اور جوارح اعمال کے ساتھ خوفِ باری تعالیٰ، اخلاص اور توکّل کے اُمور انجام دیتے ہیں۔ اُن کے عمل میں نماز کی پابندی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ شامل ہے، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر رکوع اور سجود میں مصروف رہتے ہیں، توکّل یقین سے ان کا ظاہر بھی نور کی صفات سے متصف ہے اور باطن بھی بقعۂ نُور سے روشن اور تاباں ہے صدقات دے کر حق عبادت کا صلہ پاتے ہیں۔ ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ﴾ جس طرح نکال لایا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے پروردگار نے گھر سے (مدینہ) سے راستی کے ساتھ، اَخْرَجَكَ اُس نے آپ کو نکالا، اَخْرَجَ فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ، قواعد کے مطابق۔ ﴿وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ﴾ اور بے شک اہلِ ایمان کے ایک گروہ کی خاطرِ معصوم پر یہ بات گراں گذری، یہ بات ذہن میں رکھیے کہ مالِ غنیمت کے بارے میں یہ طریقِ عمل عرب لَكٰرِهُوْنَ کے مروجہ رسم و رواج سے قطعی مختلف تھا اس لئے کچھ لوگوں کی خاطر معصوم طبیعت پر تکمیل کے لئے یہ بات شاق گزری، رَبّ کا حکم ہوا کہ اے محبوب (ﷺ)! اس میں لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کا خیال مت کرو جو ہمارا حکم ہے اُس کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں وہی عمل مُوجبِ خیر و برکت رہا جس کا حکم قرآن نے دیا۔

تشریح و توضیحات آیت ۱ تا ۵

آیت ۱ میں اظہارِ بیان ہے کہ اے حبیب ﷺ: مالِ غنیمت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا جا رہا ہے، غنیمت سے مُراد وہ مال جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو مفتوح دشمن سے میدانِ کارزار میں حاصل ہوتا ہے مالِ غنیمت کی تقسیم کا معاملہ غزوۂ بدر میں، معرکۂ حق و باطل کی فتح کے بعد پیدا ہوا یہ مالِ غنیمت اللہ اور اس رسول ﷺ کا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اگر تم مؤمن ہو، صدق دل کے ساتھ تم آپس کے معاملات میں صلح کرو اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی اختیار کرو۔

آیت ۲ میں بتایا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان کی شانِ ایمان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے خواہ زبان سے یا مخفی دل سے ہر دو صورتوں میں خوف اور ڈر سے اُن کے دل کانپ جاتے ہیں۔ اللہ کے ذکر و جمال سے اور عظمتِ کمال سے اور جب قرآن کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان آیتوں کے فیوض و برکات سے اُن کے ایمان اور مضبوط ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ پر مکمل توکّل کرتے ہیں اور تمام احوالِ عمل اور عمل اعمال پر کامل اعتماد صرف ذات باری تعالیٰ پر کرتے ہیں۔

آیت ۳ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ''اقامت صلوٰۃ'' پر کاربند ہوتے ہیں نماز کا اہتمام کرتے ہیں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ نے جو کچھ مال و متاع اُن کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ''اقامت صلوٰۃ'' کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کی پابندی پورے آداب و شرائط کے ساتھ کی جائے اس میں کوئی کوتاہی کا عنصر نہیں ہونا چاہئے

Marfat.com

قرآنِ مجید میں نماز کے برکات اور فوائد کا ذکر ملتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (آیت ۴۵ سورۃ العنکبوت پارہ ۲۱ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ)

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ❶

''بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور ہر گناہ سے'' یہ بھی اقامت صلوٰۃ پر موقوف اور مبنی ہے۔

چنانچہ آیت ۲ سورۃ المؤمنون پارہ قَدْ اَفْلَحَ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ

''جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں''۔

گویا جو لوگ اپنی نمازوں میں فروتنی رعاجزی اختیار کرتے ہیں یعنی نماز کی حالت میں یہ قصد خیالات اور وسوسوں کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھتے ہیں اور باری تعالیٰ کی عظمتِ وجلال کا نقش اپنے دل میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت ۴ میں مدّعا بیان یہ ہے کہ ایسے ہی لوگ سچے مؤمن ہیں جو اپنے اعمال اور حُسن عمل کی کارکردگی سے اللہ کے پاس اپنے اپنے درجات کے صلے میں بڑے بڑے مقامات ومَراتب قُرب پر فائز کئے جائیں گے۔ اُن کے لئے مغفرت ہے اور باعزّت روزی، اس آیت میں مؤمن کی مخصوص صفات کا بیان ہے جو ہر مؤمن کے قلب میں یہ صفت موجزن ہونی چاہئے:

اوّل خوبی:...... جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اُن کے دل سہم جائیں اللہ کی اُلفت وعظمتِ جمال اِس طرح سے قلب میں رچی اور بھری ہوئی ہو کہ دل پر ہیبت اور خوف طاری ہو جائے، ''ذکر اللہ'' کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ دل کو سکون ملتا ہے قرآن میں ارشاد ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' بے شک دلوں کو اطمینان اللہ ہی کی یاد سے ہوتا ہے۔

دوئم خوبی؛...... مؤمن کی کامل خوبی یہ ہے کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور دل اعمالِ صالحہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔

سوئم خوبی:...... کہ مؤمن اللہ پر کامل اعتماد، توکل کرتا ہے حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے 'اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ' رزق اور اپنی حاجات پانے کے لئے متوسط انداز کی طلب اور مادی وسائل کے ذریعہ کوشش کرلو پھر معاملہ اللہ کے سپرد کردو۔

چہارم خوبی:...... یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کی خوبی ہو اللہ کے آگے سرِ عبودیّت سے جھکائیں اور نماز کی پابندی اختیار کریں۔

پنجم خوبی:...... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کو رزق دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

آیت ۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ جب مالِ غنیمت لوگوں کی منشاء کے مطابق تقسیم نہ ہوا بلکہ حکم باری تعالیٰ کے احکامات کے مطابق مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی تو کچھ لوگوں کو اس بات پر شاق ہوا کہ غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت کچھ لوگوں میں اختلافِ رائے ہو گیا تھا پھر پروردگار کے حکم کے تحت سب نے آپ ﷺ کے حکم کو تسلیم کرلیا اور اسکے برکات اور بہتر نتائج کا ظہور سامنے آگیا۔

❶...... آیت ۴۵ سورۃ العنکبوت پارہ ۲۱ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وہ سچی بات کے معاملے میں آپ ﷺ سے جھگڑ رہے تھے حالانکہ وہ بات واضح ہوگئی تھی گویا کوئی اُن کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے یعنی وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔(۶)

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷

اور یاد کرو اُس وقت کو جب اللہ نے وعدہ دے کر فرمایا تھا کہ ان گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے/یعنی تمہارے ہاتھ ضرور لگے گا اور تمہاری خواہش یہ تھی کہ نہتہ گروہ تمہارے قابو/حصہ میں آئے، مگر باری تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ اپنے کلام/ارشادات سے حق کو سچ ثابت کردکھائے اور ان کافروں کی جڑ ہی کاٹ دے۔(۷)

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

تاکہ حق سچ ہو کر رہے اور مٹادے جھوٹ اور باطل کو، خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار گذرے۔(۸)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

اور جب تم فریاد کررہے تھے تو ربّ نے تمہاری التجا و دعا سُن لی اور بشارت دی یقیناً میں تمہاری مدد کے لئے پے درپے/قطار اندر قطار ایک ہزار فرشتے آنے والے ہیں۔(۹)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اور یہ تو اللہ نے کیا اور تمہیں نوید مسرت دی تاکہ تمہارے دلوں کو قرار آجائے/مطمئن ہوجائیں، تمام تر مدد اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے بے شک اللہ ہی بہت غالب اور حکمت والا ہے۔(۱۰)

الفاظ و معانی آیت ۶ تا ۱۰

﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ جھگڑتے ہیں آپ ﷺ سے سچ اختیار کرنے میں یعنی حق بات، جہاد ہے جو اس کے بعد ظاہر اور عیاں ہوگیا کہ جہاد واجب ہے۔ آپ ﷺ کے بیان کرنے سے اُنہوں نے یہ بات تسلیم کرلی کہ دشمن پر فتح پائیں گے۔ ﴿كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾ گویا وہ موت کی طرف دھکیلے جارہے ہیں یہ بے سروسامانی کی کیفیت میں لڑنے کی وجہ سے بعض مسلمانوں پر یہ کیفیت گذر رہی تھی، اس کا اظہار ہے گویا وہ دیکھتے ہیں موت کی علامتیں اور سبب اِس صورت کی ان کی امداد اور استعداد کم ہونے کی وجہ سے تھی۔ غزوۂ بدر میں مسلمان جو انتہائی کم اور بے بس تھے صرف ۳۱۳ مسلمان جنگ کے قابل تھے تمام لشکر میں صرف تین سو پچاس آدمی تھے۔ اور ستر اُونٹ (۷۰) دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولانا فخر الدینؒ)

ابو جہل کی سرکردگی میں مسلح لشکر کفار کے آنے کی خبر ملی تو صورت حال یکسر بدل گئی اہلِ مکہ کے تجارتی قافلہ کی، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے "وادی ذفران" میں مشاورت کی تو شمعِ رسالت کے پروانوں نے جس بے باکی اور جان فروشی

سے کام لیا تو اس سے لشکرِ اسلام کے حوصلے بڑھ گئے اور کسی کو بھی موت کا اندیشہ نہ رہا، مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے شاعرِ مشرق اقبالؔ کی زبان میں: ''ہو رزمِ حق و باطل تو فولاد ہے مؤمن''

﴿اَنَّھَا لَکُمْ تَوَدُّوْنَ﴾ وہ گروہ تمہارے واسطے ہے۔ اور تم دوست رکھتے ہو، ﴿تَوَدُّوْنَ﴾ تم دوست رکھتے ہو، آرزو کرتے ہو، وَدٌّ (سَمِعَ) سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ ﴿اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ﴾ اور حق کو ثابت کرے۔ بسبب آیتوں کے جو شرکت والی لڑائی کے باب میں نازل ہوئیں۔ یُحِقَّ الْحَقَّ کا مفہوم یہ ہے حق کو ظاہر کردے ''تاکہ اُن کو پہچاننے میں کسی کو دِقّت نہ ہو''۔ (بحوالہ قرطبیؒ) رسول اللہ ﷺ سے جو فتح و نصرت کے وعدے کئے گئے اُن کی وجہ سے یا کافروں کے قتل اور قید ہونے کے باب میں جو کلمات اَزلی لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ ﴿وَیَقْطَعَ﴾ کاٹ ڈالے، قَطْعٌ سے فعل مضارع واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ جڑ کافروں کی کاٹ دی۔ اللہ تعالیٰ کو تو اسلام کا بول بالا کرنا ہی منظور تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا، بہت سے کُفّار ہلاک ہوئے بہت سے گرفتار ہو کر آئے ﴿وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور جھوٹا کردے باطل کو۔ ﴿اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ﴾ میں مدد دینے والا ہوں، تمہیں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ، مُرْدِفِیْنَ کے معنیٰ ہیں یکے بعد دیگر مزید فرشتوں کو لانے والا، اسم فاعل اِرْدَافٌ مصدر رَدْفٌ مادہ، چنانچہ اوّلاً ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا پھر تین ہزار ہو گئے، پھر پانچ ہزار، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ہے ''اس بات پر تمام مفسّرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلّح ہو کر مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے بعض مسلمانوں کو بھی دکھائی دیئے''۔ (بحوالہ تفسیر المنان، تفسیر حقانی جلد دوئم از عبدالحق حقانیؒ)

کُتب حدیث کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بھی جنگ کی۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ''ایک شخص ایک مُشرک پر حملہ کرنے کے لیے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا ہوا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی اقدم حیزوم''۔ ﴿اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ﴾ مگر خوش خبری، نوید مسرت تمہاری نصرت کی تاکہ مطمئن ہوں۔ تمہارے دل اور قلّت و ذِلّت کا خوف تمہارے قلب سے دور ہو جائے۔

تَشْرِیح وَتَوْضِیحَات آیت ۶ تا ۱۰

آیت ۶ میں اظہارِ بیان ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اس امر حق پر جھگڑتے رہے اگرچہ ایک گروہ نے حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ مان بھی لیا تھا لیکن دل ہی دل میں سخت ہراساں اور پریشان تھے، حالانکہ یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ کارواں تو بچ کر نکل گیا ہے اب جنگ میں لشکرِ قریش ہی کا سامنا ہے، مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اہلِ مکہ کی فوج سے لڑائی کی نوبت نہ آئے کیونکہ مسلمان خود کو کمزوری کی حالت میں سمجھ رہے تھے، ڈرتے ڈرتے کہنے لگے وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور موت کو اپنی آنکھوں سے قریب تر دیکھ رہے ہیں حالانکہ سب نے دیکھ لیا سچی بات وہی تھی جو حضورِ اکرم ﷺ نے چاہی تھی اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی یہی تھی اسلام اور نظامِ جاہلیت دونوں میں سے ایک کو زندہ رہنا ہے۔

آیت ۷ میں اظہارِ بیان ہے کہ باری تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ دشمن کے دو گروہوں میں ایک تمہارے ہاتھ آجائے اور تم یہ چاہ

Marfat.com

رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے قبضہٗ قدرت میں آجائے اور اللہ کی رضا یہ تھی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کو سرفراز کرے اور عدوِ حق کی جڑ کاٹ دی جائے۔

آیت ۸ میں بتایا جارہا ہے کہ یہ اس لئے ضروری تھا کہ معلوم ہوجائے سچ درحقیقت سچ ہے اور جھوٹ دراصل جھوٹ ہے خواہ مُجرموں کی طبع اُفتاد پر یہ بات کتنی ہی گراں گذرے، یہاں اشارہ لطیف غزوۂ بدر کی طرف ہے بتایا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں جس کمزوری کا اظہار ہوا اسی طرح کا طرزِ تغافل بعض لوگ غزوۂ بدر میں نکلنے اور شرکت کرنے میں، دکھا چکے ہیں وہ واقف تھے کہ نبی اکرم ﷺ کا نکلنا قریش کی اس فوج کے مقابلے کے لئے برسرِ پیکار ہونا ہے جو تجارتی کارواں کی حفاظت کا بہانہ تراش کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے لیکن اُن کی یہ کاوش رہی کہ رسول اللہ ﷺ غیر مسلح تجارتی قافلہ کا رُخ کریں ان آیات مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کا نکلنا اور تجارتی قافلہ کے برعکس لشکر قریش سے مقابلہ کرنا تھا جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم سے تھا جو اس جنگ میں کافروں کے قلع قمع کرنے کا یعنی شکست فاش دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

آیت ۹ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمان تعداد میں بھی کم اور بے سروسامان تھے جب کہ کُفار کے پاس سامانِ حرب اور اسلحہ کی بھی فراوانی تھی اس صورت حال میں اہلِ ایمان کا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذاتِ واحد تھی جس سے وہ لَب کُشا تھے گریہ زاری کے ساتھ، خود رسول اللہ ﷺ ایک خیمے میں نہایت عجز کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ کے حضور مصروفِ دعا تھے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف کتاب المغازی۔) اللہ تعالیٰ نے فریاد سُنی، نوید مسرّت ملی میں ایک ہزار فرشتے بھیجنے والا ہوں جو پے در پے نمودار ہوں گے اور مدد کے لئے آئیں گے۔ اہلِ ایمان فتح سے ہمکنار ہوئے، مقامِ بدر پر قریش کے ستر سردار ہلاک ہوئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستّر افرادِ اہلِ کُفر مقید بھی ہوئے اِسی طرح کُفر کی ظلمت چھٹ گئی اور مُشرکینِ مکّہ شکست سے دوچار ہوئے۔

آیت ۱۰ میں اظہارِ بیان ہے کہ اللہ کی مدد کی اور بشارت صرف اس لئے تھی کہ مضطرب اور بےقرار دلوں کو "طمانیت قلب" میسّر آجائے ورنہ اصل مدد تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اہل اختیار اللہ کی مشیت کا ہوتا ہے اسباب کے معاملے میں، مؤمن کو اپنا ذہن پاک وصاف رکھنا چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کی خبر ایک خوش خبری تھی، جس کے ذریعہ اہلِ ایمان کو اطمینان دلانا مقصود تھا رہی نُصرت تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھی، یقیناً اللہ تعالیٰ حکمت والا اور غالب ہے۔

فرشتوں کا نُزول تو صرف نوید مسرت، طمانیتِ قلب کے لیے تھا، احادیثِ مُبارکہ کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے شرکت کی اور کئی کُفار کو اُنہوں نے تہِ تیغ کیا۔ (بحوالہ صحیح مسلم شریف، صحیح بخاری شریف کتاب المغازی وفضائل الصحابۃ)

Marfat.com

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾

اور یاد کرو جب باری تعالیٰ نے تم پر غنودگی / اُونگھ طاری کردی اپنی طرف سے تمہاری تسکین کی خاطر اور آسمان سے ابرِ رحمت / مینہ بَرسایا تاکہ تمہیں پاک اور ستھرا کردے اور دُور کردے تم سے شیطانی وَسوسہ / شَیطان کی نَجاسَت اور تمہارے دلوں کی ڈھارس اور ہمت بندھائے اور تمہارے قدم جمادے۔ (۱۱)

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

اور یاد کرو جب وحی بھیجتا تھا آپ کا رَبّ فرشتوں کی طرف اور حکم دیتا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو! میں ابھی کافروں کے دل میں تمہارا رُعب / دہشت ڈال دوں گا تو تم اُن کی گردنوں کے اوپر چوٹ لگاؤ اور اُن کے پور پور پر چوٹ لگاؤ۔ (۱۲)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کی یہی سزا ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے / اُن پر اللہ کا شدید عذاب ہے۔ (۱۳)

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

سو یہ سزا ہے پس چکھو بھگتو! یہ عذاب! کافروں کے لئے تو عذاب / آتشِ جہنم مقدر ہے۔ (۱۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفّار کے دُوبدُو مقابل پر آؤ تو اُن سے پُشت مت پھیر لینا۔ (۱۵)

الفاظ و معانی آیت ۱۱ تا ۱۵

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ﴾ اور یاد کرو اس گھڑی کو جب اللہ تعالیٰ نے تم پر اُونگھ / غنودگی طاری کردی تھی۔ یُغَشِّیْکُمْ، تَغْشِیَۃٌ سے مصدر، فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب، کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ جس فجر کے وقت فریقین سے مقابلہ ہونا تھا مسلمانوں کے دل ہراساں تھے اس وجہ سے کہ ان کا پڑاؤ ریگستان میں تھا چلتے تو پاؤں ریت میں دھنستے تھے لشکرِ اسلام کے پاس پانی بھی نہ تھا شیطان ملعون نے وسوسے پیدا کرنا شروع کردیئے کافروں کا قیام سخت زمین میں تھا، شانِ کریمی تو دیکھئے باری تعالیٰ نے برمحل پانی برسایا، رات کو بادل چھا گئے۔

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اور اُتارا تم پر اَبر سے بارانِ رحمت یعنی موسلا دھار مینہ برسا، صحابۂ کرامؓ نے غسل اور وضو کرلئے۔ ریت جو اُن کے اور کافروں کے مابین تھی بیٹھ گئی اور وَسوسہ جاتا رہا۔ ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ تاکہ مضبوط کردے تمہارے دلوں کو باری تعالیٰ کی عنایت سے، یَرْبِطَ، رَبْطٌ سے وہ مضبوط کردے فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔ ﴿وَيُثَبِّتَ بِهٖ﴾ اور ثابت کردے اس کے سبب سے تمہارے قدم، ثَبِّتُوْا تم استوار کرو تم قائم

Marfat.com

رکھو، تثبت سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ﴿فَاضْرِبُوْا﴾ تم مارو اے فرشتو! کافروں کو تلواریں۔ ﴿فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ گردنوں پر اُن کی۔ اَعْنَاقِ گردنیں، سر عُنُقٌ کی جمع ہے اِسم ہے۔

امام واحدی، امام ابن الانباریؒ سے نقل کرتے ہیں ''کہ ملائکہ جب لڑنے پر مامور ہوئے تو نہ جانتے تھے کہ ضرب میں کس عضو کا قصد کرنا چاہئے، حق تعالیٰ نے فرمایا اُن کے سروں پر مارو''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل) ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ یعنی کاٹ ڈالو کافروں کی سب اُنگلیاں پور پور۔ بنان ہاتھ پاؤں کی اُنگلیوں کو بھی کہتے ہیں اور بدن کے جوڑوں کو بھی۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

﴿اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ اور جب دیکھو تم اُنہیں جو کافر ہیں باہم ملے ہوئے ہیں تم سے لڑنے کو تو نہ پھیرو اُن کی طرف پُشت ر پیٹھ یعنی بھاگو نہیں، زَحْفًا کے معنیٰ ایک دوسرے کے مدِ مقابل ہونا ہوتے ہیں، زَحفَ کے لغت میں معنیٰ بچے کا زمین میں گھسیٹ کر چلنا ہے اس لئے آہستہ چلنے کو بھی زحف کہتے ہیں۔ (بحوالہ قرطبیؒ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے آگے صف آرا ہو جائیں جنگ کی خاطر تو میدانِ جنگ سے مسلمان کو پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی اجازت نہیں ہے حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو! ان میں ایک ''والتولی یَوْمَ الزّحفِ'' مقابلے والے دن پیٹھ پھیر لینا ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم کتاب الایمان)

تشرِیح وتوضِیحات آیت ۱۱ تا ۱۵

آیت ۱۱ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے مضطرب دلوں کو طمانیت کی خاطر سب پر نیند کا غلبہ طاری کر دیا جب آنکھ کھلی تو دلوں کا خوف و ہراس دور ہو چکا تھا۔ ابویعلیٰؒ جو حافظ حدیث کے نام سے موسوم تھے نے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمان پر ایک خاص قسم کی غنودگی مسلّط تھی اس شب ہم میں کوئی ایسا نہ تھا جو سو نہ گیا ہو صرف آقا محمد رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر نمازِ تہجد میں مصروف رہے رات میں کسی قدر اُونگھ طاری ہوئی تو آپ ﷺ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جو خیمے کے باہر پہرہ دے رہے تھے یہ اندازِ تبسّم فرمایا اے صدیق رضی اللہ عنہ جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور فتح کی نوید دی ہے، جس طرح غزوۂ بدر میں تھکاوٹ اور اُلجھن دور کرنے کے لئے باری تعالیٰ نے تمام صحابہٗ کرامؓ پر نیند طاری اسی طرح کر دی تھی کہ غزوۂ اُحد میں بھی اس طرح کا واقعہ رونما ہوا تھا۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے ''جنگ کی حالت میں نیند کا آجانا امن وسکون کی علامت ہے اور نماز میں نیند کا غلبہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ (بحوالہ ابن کثیر) یہ بات ذہن نشین رہے کہ سورۃ انفال کے آغاز سے ہی اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ ہو رہا ہے غزوۂ بدر میں تو ایک خاص سلسلہ عنایات انعام ہے۔

اوّل:...... جہاد کے لئے مسلمانوں کو حکم۔

دوئم:...... دوسرا انعام، مدد کا وعدہ، خصوصاً فرشتوں کی مدد کا وعدہ۔

سوئم:...... دعا کا مبّرور اور قبول ہونا۔

چہارم:...... جس میں مسلمانوں کو دو نعمت عطا کرنے کا ذکر ہے۔

(الف) نیند کا آنا جس سے تکان اور پریشانی کا دُور ہونا۔ (ب) بارش کا ہونا جس کے ذریعہ پانی کی فراہمی اور میدان کارزار میں سطح زمین کی ہمواری اور دشمن کے لئے زمین کا دلدل بن جانا۔

پنجم:......امداد کی خاطر فرشتوں کا نُزول ہونا۔

آسمان سے پانی بَرسا، جس سے مسلمانوں کو پاکیزگی بخشی گئی اور شیطان کے وسوسے دُور ہوئے جس کی بدولت مسلمانوں کے دلوں میں مضبوطی ملی اور قدم جم گئے۔

آیت ۱۲ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اہلِ ایمان کی ہمّت بڑھاؤ اور کافروں کے دلوں میں دہشت طاری کردی جائے اور اُن کی گردنوں پر ضرب کاری لگاؤ اُن کے پور پور زخمی کردو گویا یہ تائیدِ غیبی کا حوالہ ہے جو مسلمانوں پر حوصلہ افزائی اور تقویت کی خاطر غزوۂ بدر کے موقع پر آشکار ہوئیں دعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے ہزار فرشتوں سے مدد کی نوید، بارش کا ہو جانا، فرشتوں کا کُفّار کو مرعوب کرنا اور توفیق باری تعالیٰ کے سبب مسلمانوں کے حق میں لڑائی کو فیصلہ کن بنانے میں اہم کردار ادا کرنا، مسلمانوں کے دلوں میں تصرف پیدا کر کے حوصلہ بڑھایا اور قتال میں فرشتوں نے حصّہ لیا۔ (بحوالہ تفسیر دُرِّ منثور، اور مظہری)

آیت ۱۳ میں بتایا جا رہا ہے کہ اسلام کے دشمن سزا کے مرتکب اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی، جو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو باری تعالیٰ سخت پاداش میں مُبتلا کرتا ہے۔

آیت ۱۴ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت میں مصروف عمل رہتا ہے تو اُس کو سزا ضرور ملتی ہے مُسلمانوں کے کُفّار پر ہاتھوں سے اُن کے کرداریوں کی سزا تجویز ہوئی اور اس سے زیادہ سزا آخرت میں ملنے والی ہے تو اے کافرو! یہ ہمارا تھوڑا سا عذاب ہے اس کو چکھو اور جان لو! کافرو! جہنّم کا عذاب آنے والا ہے جو نہایت شدید عذاب ہے۔

آیت ۱۵ میں وضاحت کے ساتھ اظہار کیا جا رہا ہے کہ اے اہلِ ایمان جب تم کُفّار کے مدِ مقابل لڑائی کے لئے آجاؤ تو اُن سے اپنی پیٹھ نہ پھیر لینا یعنی جہاد چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں ہے جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے۔ ''چونکہ اس جنگ بدر میں کامیابی بظاہر اسباب استقلال اور ثابت قدمی سے واقع ہوئی اس لئے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ہر ایک جنگ میں صبر و استقلال کا حکم ملتا ہے۔'' (بحوالہ تفسیر حقانی جلد دوئم تفسیر فتح المنان از عبد الحق حقانی)

اِس بات کو یوں سمجھئے کہ اگر جنگ میں کُفّار کے ساتھ دُو بدُو مقابلہ آن پڑے تو اس وقت راہِ فرار اختیار مت کرو! اگر یہ راہِ فرار کسی منصوبے کی خاطر ہے تا کہ دوبارہ، عزمِ نو کے ساتھ دشمن پر بھرپور وار کیا جائے یا دوبارہ حملے کی تیاری کر سکو، ان حالات کے سوا کسی اور صورت میں تم دشمن کو پیٹھ دکھاؤ گے تو پھر عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاؤ گے، علماءِ جمہور اور مُفسرین کا قول ہے کہ یہ حُکم عام ہے ''اور یہ کہ آمنے سامنے مقابلہ سے بھاگنا ان سات ''گناہِ کبیرہ'' میں سے ایک ہے جس کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ نے لفظ ''موبقات'' استعمال کیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''ان سات گناہوں سے اجتناب کرو۔ الشرک باللہ، سحر، ایسے شخص کا قتل جس کا قتل حرام ہو، سود، مالِ یتیم کھانا، محض بے خبر مؤمن عورت پر الزام اور دُو بہ دُو جنگ میں پیٹھ پھیرنا۔ (بحوالہ بخاری شریف، مسلم شریف)

Marfat.com

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯

اور لڑائی کے موقع پر جنگ کے ہنر کا پینترا بدلنے کے لئے یا حکمتِ عملی سے دشمن کو مارنے کے لئے / اپنی فوج سے طاقت لا کر حملہ کرنے کے سوا کسی نے لڑائی چھوڑ کر دشمن کو پُشت دکھائی، تو وہ اللہ کے غضب / عذاب میں گھر جائے گا اور جہنّم اِس کا ٹھکانہ ہے اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (۱۶)

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

پس تم نے انہیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا اور اے حبیب ﷺ! وہ خاک، جو آپ نے پھینکی تھی، وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔ اللہ نے احسان فرما کر اہلِ ایمان کو بڑی خوبی سے آزمایا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ (۱۷)

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

یہ تو ہوا، مگر اللہ کافروں کے مکروہ فریب کو اور اُن کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ (۱۸)

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲ ع

اے کافرو! اگر تم فیصلہ چاہتے ہو، تو لو وہ فیصلہ تمہارے پاس آ گیا، اگر باز آ جاؤ تو تمہارے لئے اِس میں بھلائی ہے اور اگر تم یہ کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کریں گے اور تمہاری جمعیّت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو تم کو نفع نہ دے گی اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔ (۱۹)

الفاظ ومعانی آیت ۱۶ تا ۱۹

﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗ﴾ اور جو کوئی پھیرے گا اُس دن اُن کی طرف اپنی پیٹھ۔ وَمَنْ اور کوئی یُوَلِّهِمْ، تَوْلِيَة مصدر سے ان کو جو پیٹھ دے گا اصل میں یُوَلِّیْ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا﴾ مگر پھر چھٹنے یا رعب / دبدبے والا، مُتَحَرِّفًا مصدر مڑنے والا، دشمن کو دیکھ کر پیٹھ پھیرنے والا، تاکہ پلٹ کر حملہ کرے۔ تحرف کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔ (بحوالہ روح المعانی) ﴿اَوْ مُتَحَيِّزًا﴾ تَحَيُّزًا مصدر، یا سمٹ کر اپنی جماعت کے ساتھیوں کی مدد کے لئے دوبارہ حملہ کر دے یا پناہ لینے والا، اسم فاعل۔ ﴿اِلٰى فِئَةٍ﴾ گروہ کی طرف مسلمانوں میں ہی سے ﴿تَحَيُّزًا﴾ کے لغت میں معنی انضمام اور ملنے کے ہیں اور فِئَہ کے معنی اور مفہوم جماعت ہے ”مطلب یہ کہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرنے اور حملہ کرنے کی نیت سے میدان چھوڑے تو یہ جائز ہے“ (بحوالہ معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ جلد چہارم)

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے قتل کیا انہیں اِس طرح تمہیں فتح و نصرت دی، اور ملائکہ کی مدد سے تم کو اُن پر

Marfat.com

غالب کر دیا۔ ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ اور نہیں پھینکی اے حبیب ﷺ! آپ ﷺ نے دشمن پر وہ مٹھی بھر خاک ان کے منہ پر، جبکہ پھینکی آپ ﷺ نے اور آپ کا پھینکنا ایسا نہ تھا کہ وہ تمام لشکر کی آنکھوں میں پڑ جائے مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے پھینکی وہ خاک یعنی سب کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دی، اور وہ مشت خاک رمٹھی کنکریوں کی، سب کو سراسیمہ کر گئی گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ اثر پیدا کیا چنانچہ اِن کلمات پر ''رسول اللہ ﷺ کے ایک خاص معجزہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جس کا مشاہدہ دوست و دشمن نے بدر کے میدان میں کیا، ایک کافر بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرّات نے بھر نہ دیا ہو، سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو گئیں'' (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے جہاد کی نصرت سے زیادہ انمول ہدایت یہ تھی کہ جس نے اُن کے ذہن رسا کو اسباب سے پھیر کر ''مسبب الاسباب'' کی جانب وابستہ کر دیا جس سے یہ واضح ہوا کہ نصرت و ناکامی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابع ہے اور فتح ان کا مقدر بنتی ہے جو ربِّ جلیل کے اطاعت گذار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا جلال الدین رومیؒ نے ''مثنوی روم'' میں کیا خوب کہا ہے۔

مارمیت از رمیت گفت حق ☆ کارما برکارہا دارد سبق

﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا﴾ اور اللہ نے جو کچھ اس لئے کیا کہ دین کو ظاہر کر دے اور ایمان والوں کو اپنے پاس سے عطا فرمائے کیونکہ اچھی عطا نصرت اور غنیمت ہے فتح کی بشارت اس لئے دی کہ اہلِ ایمان کو محنت و کاوش کا صلہ دیا جائے۔ علاّمہ زمخشریؒ نے یبلی اور بلاء کا مفہوم عطا بتایا ہے اور تفسیر مظہری میں یبلی کا معنیٰ......؟ اور بلاء کا نعمت لکھا ہے۔ ''حقائق سلمی'' میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے نقل ہے کہ ''بلاء حسن'' وہ ہے کہ نفوس سے انہیں فانی کر دے اور فنا کے بعد خود اُن کی ہیت کے ساتھ باقی کر دے۔ ﴿ذَٰلِكُمْ﴾ یہ ہے کام جو آپ نے دیکھا ﴿وَأَنَّ اللَّهَ﴾ اور یہ بھی ہے کہ اللہ۔ ﴿مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ﴾ سست اور باطل کرنے والا ہے کافروں کے مکر اور حیلہ کو، کید، حسن تدبیر، فریب۔ مُوْهِنُ وَهْنٌ اس کا مادہ ہے، کمزور کرنے والا، اسم فاعل ہے۔ اِیْهَانٌ مصدر ہے قواعد کے مطابق ﴿إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ اگر اللہ کا فیصلہ چاہتے ہو تو وہ سامنے آچکا، حق غالب آ گیا رحق کو فتح اور باطل کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

تَسْتَفْتِحُوا، تم فیصلہ چاہتے ہو اِسْتِفْتَاحٌ سے فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ﴿وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ﴾ اور اگر پھرو گے مسلمانوں سے لڑنے کو تو پھیر دیں گے ہم بھی انہیں کی طرف فتح و نصرت۔ نَعُدْ، عَوْدٌ سے ہم بھی دوبارہ کریں گے فعل مضارع کا صیغہ جمع متکلم۔

تشریح و توضیحات آیت ۱۶ تا ۱۹

آیت ۱۶ میں اظہار بیان ہے کہ اور جو کوئی جنگ میں اس روز پشت پھیرے گا کافروں کے مقابل میں بجز اس کے کوئی حیلہ جنگ کرتا ہو، یا لشکر میں پناہ کی خاطر آتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو گا عرب میں لڑائی کے دو طریقے مروّج تھے، ایک منظّم فوج کشی کا، اور دوسرا طریقہ جس کو ''گوریلا جنگ'' کا نام دیا جاتا ہے، اِس آیت میں منظّم فوج کشی کے بارے

Marfat.com

میں ہدایات ہیں کہ ''اس میں فرار کی راہ اختیار کرنا یا پیٹھ دکھانا حرام ہے البتہ جنگ کی نوعیت سے پیچھے ہٹنا جائز ہے'' (بحوالہ تدبر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ) اور کوئی شخص لڑائی سے پیٹھ پھیرے گا اِس کے لئے سخت وعید آئی ہے تو اُس کا ٹھکانہ جہنّم ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

آیت ۱۷ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے پس تم لوگوں نے اُن کو قتل نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اُن کو قتل کیا ہے، جب کُفار کی فوجیں، مسلمانوں کے مدِّ مقابل آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے مشتِ خاک ہاتھ میں لے کر ''شاھت الوجوہ'' فرماتے ہوئے کافروں کی طرف پھینکی، کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کُفار کی طرف پھینکنا ہی تھا کہ اس کے ساتھ اہلِ ایمان یکبارگی کے ساتھ کافروں پر حملہ آور ہوئے۔ کافروں کی یہ کیفیت ہوئی کہ اُن کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے مسلمانوں نے اُن کا کام تمام کیا، یہ معجزہ بھی اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ظاہر ہوا حقیقت یوں آشکار ہوئی کہ یہ خاک اے محبوب ﷺ! آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی تا کہ اہل ایمان کو اچھی طرح آزمائش میں مُبتلا کر کے انہیں آزمایا جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر احسان کرنا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آیت ۱۸ میں بیان اظہار یہ ہے کہ اصل بات تو اللہ تعالیٰ کا مقصد کُفار کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا اور ان کی شوکت وناز کو توڑنا تھا، یعنی اس وقت بھی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مکّہ کے کافروں کے تمام کے تمام ترتیب دیئے ہوئے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور بتایا گیا کہ آئندہ بھی اُن کی باطل تدبیروں کو سست کر دیا جائے گا۔

آیت ۱۹ میں ذکر ہو رہا ہے اور خطاب کُفار مکہ سے ہے وہ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے ''مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ'' ہمارے اور آپ کے مابیَّن یہ فیصلہ کب صادر ہوگا پس مکمل فیصلہ تو یوم قیامت ہوگا مگر ایک فیصلہ کُفار نے آج غزوۂ بدر میں بھی دیکھ لیا، تم کمزور مسلمانوں سے شکست خوردہ ہوگئے، تمہاری رُسوائی ہوئی پسپائی ہوئی تم اب اگر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور شرک کُفر والحاد سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ ابوجہل نے مکّہ سے روانہ ہوتے وقت کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ دونوں فریق میں جو حق پر ہو اسے فتح نصیب کر، اس دعا کا اثر مل گیا مسلمان نصرت پاگئے اور کافر ذلیل وخوار ہوئے۔

یہ اہلِ قریش کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ قریش کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اس جنگ میں جس کو کامیابی حاصل ہوگی اس کو بَرسرِ حق سمجھا جائے گا، دیدہ ور نے دیکھ لیا، اہلِ علم نے سمجھ لیا، عقل وخرد رکھنے والوں نے جان لیا، پہچان لیا، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگئی ہے۔ اے لوگو! اب بہتر بات یہی ہے کہ تم اور شرارت کی جُرأت سے باز آجاؤ یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلو! اور یاد رکھو! تمہارے لشکر کی کثرت، تمہارے مالِ ومتاع کی کثرت، ساز وسامان کی کثرت کچھ کام نہ آئے گی، مسلمانوں کی تائید اور حمایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! فرمانبرداری کرو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی / اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو، رُوگردانی مت کرو، حالانکہ تم اُسے سُن رہے ہو۔ (۲۰)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾

اور اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا / ہو جانا جنہوں نے کہا ہم نے سُن لیا، حالانکہ وہ کچھ سُنتے ہی نہیں۔ (۲۱)

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

بے شک سب جانوروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہی بہرے، گونگے (اِنسان) ہیں جن کو کچھ عقل ہی نہیں / جو نہیں سمجھتے۔ (۲۲)

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

اور اگر اللہ ان میں کوئی خوبی اور بھلائی کو دیکھتا تو اُنہیں سننے کی توفیق دیتا اور اگر اب اُنہیں حق بات ضرور سُنا دیتا، تب بھی یہ بے رُخی کے ساتھ رُوگردانی کرتے / انجامِ کار یہ ہونا تھا کہ ضرور بھاگتے / پلٹ جاتے منہ پھیر کر۔ (۲۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اور جس وقت اللہ کا رسول ﷺ بلائے تم کو اس کام / امر کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو! کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے قلب کے مابین حائل ہو جایا کرتا ہے اور بے شک تم سب اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے / اُٹھائے جاؤ گے۔ (۲۴)

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

اور بچو تم ایسے وبال اور فتنہ سے جو ہرگز تم میں خاص ظالموں کو یہ نہ پہنچے گا بلکہ عام ہوگا، اچھی طرح جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (۲۵)

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین پر کم اور مَغلوب تھے، بے بس اور کمزور سمجھے جاتے تھے ملک (مکہ) میں ڈرا کرتے تھے، کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں، تب اللہ نے تم کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت / طاقت بخشی اور تم کو پاکیزہ / اچھی روزی دی، تاکہ تم / بجالاؤ شکر کیا کرو۔ (۲۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! اور اللہ رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کیا کرو اس کا وبال تم کو معلوم ہے۔ (۲۷)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور اچھی طرح جان لو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے ، یہ ایک امتحان کی چیز ہے اور بے شک اللہ ہی کے پاس اس کا اجرِ عظیم ہے ۔ (۲۸)

الفاظ و معانی آیت ۲۰ تا ۲۸

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ۔ ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ﴾ اور نہ اس سے انکار کرو ، اطاعت کا جو حکم ہے اس سے یا جہاد سے منہ نہ پھیرو رسول اللہ ﷺ سے اِس واسطہ کے اس آیت سے اطاعتِ نبی ﷺ کا امر اور آپ ﷺ کی مخالفت سے نہی مُراد ہے ۔ ﴿وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ تم سنتے ہو اور اِس سُن سُنا کر اس سے نہ پھرو! کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت ایک ہی بات ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اُس نے رسول ﷺ کی فرمانبرداری بجالائی ۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت عقائدِ اسلام اور شریعتِ بیضاء کا سنگِ اساس ہے ۔ قرآن کی آیات سننے کے بعد اطاعت باری تعالیٰ اور اطاعتِ رسول ﷺ میں تغافل بڑا تعجّب خیز ہے اتباعِ قرآن کا تب ہی ہے جب اس کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیا جائے ۔ شریعت محمدی کی پابندی اور اس پر عمل قرآن کا ہی حکم ہے ماحصلِ کلام کہ قرآن اور کلمۂ حق سُن لینے کے بعد اطاعت سے رُوگردانی نہ کی جائے ۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا﴾ اور نہ ہو تم ۔ ﴿كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ مثل ان لوگوں کے جنہوں نے کہا سنا ہم نے جیسے اہلِ کتاب رکفار رمنافق ر﴿وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ حالانکہ وہ نہیں سنتے یا اس انداز سے سنا جیسے سنا ہی نہیں ، سننے کے بعد جب عمل کی باری آتی ہے تو عمل پیرا نہیں ہوتے اور عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے ، گویا غور و فکر اور صحیح سمجھ سے قطعی محروم ہیں گویا اُن کا سننا نہ سننے کے حکم میں آتا ہے ۔ مثنوی میں کیا خوب کہا گیا ہے ۔

ع　مگو کہ می شنوم ہر چہ گفتہ سعدی ☆ چہ شد کہ می شنوی چون سخن نمی شنوی

حقیقت تو یہ ہے کہ ”جو سننا نفع نہ اُٹھائے اور نصیحت پذیر نہ ہو اُس کا سننا ، سننا ہی نہیں ہے یہ مَنافقین و مُشرکین کا حال ہے“ مسلمانوں کو تو حکم دیا جاتا ہے کہ اس سے دُور رہیں ۔ (بحوالہ کنز الایمان ، خزائن العرفان فی تفسیر القرآن از سید محمد نعیم الدینؒ)

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ، چلتے پھرتے ، چلنے والے ، دَابَّۃٌ کی جمع ہے ہر وہ جاندار جو چلتا پھرتا ہے اس کو دَابَّۃٌ کہتے ہیں ۔ دَبّ سے اسم فاعل واحد مؤنث قواعد کے مطابق ۔ (بحوالہ قاموس القرآن) سورۂ نمل آیت ۸۲ پارہ ۲۰ : اَمَّنْ خَلَقَ میں ارشادِ ربی ہے :

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۔

”اور جب اُن پر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا ہم زمین سے اُن کے لئے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے بات چیت کرتا ہوگا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے“ ۔ (آیت ۸۲)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”دابۃ الارض“ سے کیا مُراد ہے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ ”قیامت سے پہلے مکہ کا صفا پہاڑ پھٹ جائے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور

سچے ایمان والوں اور چھپے منکروں (منافقوں) کونشان دے کر جُدا جُدا کر دے گا''۔

علّامہ عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں ''بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشّمس مِنَ المغرب (مغرب سے سورج نکلنے) کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی ہے اِس کا کہ عالم کا سب موجودہ نظام دَرہم بَرہم کر دیا جائے لہٰذا اس قسم کے خَوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں ''شاید'' دابۃ الارض'' کے ذریعہ یہ دکھانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں'' (بحوالہ تفسیر عثمانی)۔ ﴿الصُّمُّ﴾ بہرے ہیں لوگ حق سننے سے۔ ﴿الْبُكْمُ﴾ گونگے ہیں لوگ حق بات کہنے سے۔ ﴿الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ وہ لوگ نہیں دریافت کرتے حق کو، گویا وہ لوگ گونگے اور بہرے ہیں، اگر ان میں کچھ فہم ہوتی تو وہ عقل کو استعمال کرتے ہوئے اشاروں سے اپنی بات کہہ دیتے اور دوسروں کی بات سمجھ جاتے، ''یہ لوگ بہرے گونگے ہونے کے ساتھ بے عقل بھی ہیں''۔ (بحوالہ از معارف القرآن جلد چہارم مفتی محمد شفیعؒ)

عقل جس کے سبب انسان سب حیوانوں سے افضل ہے اس سے اُنہوں نے منہ پھیر لیا ہے ''تبیان'' میں لکھا ہے کہ ''اس قوم سے مراد عبدالدار کے لوگ ہیں اِن میں سے دو آدمیوں کے سوا کوئی ایمان ہی نہیں لایا''۔ ایک مُصعب بن عُمیر اور دوسرے حرملہ۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از فخر الدینؒ)

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ اور اگر اللہ جانتا کہ اُن میں بھلائی ❶ ہے یا استعداد ہے کہ وہ آیات قرآن سے استفادہ کر سکیں گے تو سُننے کی توفیق دیتا۔ ﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ﴾ اور اگر اللہ اُنہیں سناتا اور وہ تصدیق کرتے تو ﴿لَتَوَلَّوْا﴾ بے شک وہ پھر جاتے ایمان سے۔ ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ وہ انکار کرنے والے ہیں حق سے۔ ﴿اَسْمَعَهُمْ﴾ اُن کو سنا دیا، اَسْمَعَ، اِسْمَاعٌ سے فعل ماضی واحد مذکر غائب قواعد کے لحاظ سے۔

ایک قول ہے کہ مکہ معظمہ کے کافر کہتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) قصی بن کلاب کو ہمارے واسطے زندہ کر دے وہ مرد متبرک تھا تیرے/آپ کے صدق پر وہ گواہی دے اور آپ ﷺ پر ایمان لائے تو ہم بھی ایمان لائیں گے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ پھر ایمان والوں کو خطاب کر کے کہا کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا حکم مانو، یہ حکم ایک خاص انداز سے دیا گیا جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اپنا کوئی مفاد مضمر نہیں ہے، بالکل سارے کے سارے احکام تمہارے ہی، فائدہ کے لئے ہیں۔ ﴿اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا حکم قبول کرو۔ ﴿اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ اور جب رسول تمہیں پکاریں/بلائیں اس چیز کے لئے جو تمہیں زندہ کر دے یعنی علوم دینیہ کہ دل کی زندگی اسی سے ملتی ہے یا عقائد صحیحہ یا اعمالِ حسنہ/صالحہ کہ اُن کے سبب بہشت میں حیات ابدی مُیسّر ہوگی یا جہاد جو تمہاری بقا کا موجب ہے اگر جہاد نہیں کرو گے تو دشمن غلبہ پا کر تمہیں ہلاک کر دیں گے یا شہادت اللہ کے نزدیک زندگی ہے۔

---

❶ ...... بھلائی سے مراد یہاں پر طلب حق ہے طلب ہی کے ذریعہ فہم وادراک کے باب عمل کُھلتے ہیں اور اسی خیر حق/اعتقاد کی توفیق ہوتی ہے، یوں سمجھئے کہ جس میں طلبِ حق کی فکر جستجو نہیں گویا ان میں کوئی بھلائی نہیں۔

بقول شاعر مشرق: ''شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مومن'' اقبال

وہ زندگی جس کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے اس میں علمائے تفسیر نے مختلف اقوال کا اظہار کیا ہے سُدی نے کہا ''وہ حیات بخش شئے ایمان ہے کا فر مُردہ ہے''۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم دوبارہ دینے کی حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس امرِ حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں ''وہ تمہارے پس مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور تمہاری طیبہ روحوں کو تازگی ونشاط عطا کرنے والی ہے''۔ (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ) سوال یہ اُبھرتا ہے کہ دل کی زندگی کیا ہے اس کا سادہ سا جواب ہے بندہ اور اللہ کے مابین جو غفلت اور نفس کی بُرائی کی خواہشات وغیرہ حجابات حائل ہیں وہ رکاوٹ راہ سے ہٹ جائے اور حجابات ظلمت کی تاریکی چھٹ کر نورِ معرفت دل میں سما جائے۔

ماحصلِ گفتگو یہ ہے کہ ایمان، قرآن، اتباعِ حق مسلمانوں کے دلوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ ﴿وَاعْلَمُوْا﴾ اور تم جان لو! ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ﴾ حائل ہوتا ہے۔ ﴿بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے انسان اور اس کے دل کے ارادوں کے درمیان۔ اس جملے کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں اور دونوں میں ایک خاص حکمت وعظمت پوشیدہ ہے جسے ہر انسان کو ہمہ وقت یاد رکھنی چاہئے یعنی جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آجائے تو اس نیک کام کو فوراً کر گذرنا چاہئے اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، اس لمحۂ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ارادے کے درمیان کوئی رکاوٹ، قضاء الٰہی سے حائل ہوجائے، ''آدمی کتنا ہی صاحبِ فہم وذکاء ہو'' وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اللہ کی رضا شامل نہ ہو، قلبِ حزیں میں اللہ کی حکمرانی ہے۔ باری تعالیٰ چاہے تو نورِ عرفان سے اس کو درخشندہ اور تاباں کردے اور چاہے تو ہدایت کے سب چراغ بجھا دے اور اندھیرا ہر طرف بکھر جائے اسی لئے سرکارِ دو عالم ﷺ اکثر دعا فرماتے ''اے دلوں کو پھیرنے والے، اس دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ''۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔ الحدیث۔

دوسرا مفہوم اس جُملے کا یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کا اپنے بندے سے نہایت قریب ہونا بتایا گیا ہے بندہ کے ساتھ، قربِ الٰہی کی تمثیل اور تصویر ہے کہ ہمتیں توڑنے میں، بندے کے دل کا مالک اللہ ہی ہے، کہنے کی بات یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اللہ کے خاص تصرف میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

''اللہ انسان کی شہ رگ / رگ گردن سے زیادہ قریب ہے''۔

﴿وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور یہ کہ تم اسی کی طرف جمع ہوں گے اور وہ تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ اور تم اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو جو اگر برپا ہوگیا تو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا بلکہ عام لوگ بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ ﴿تُصِيْبَنَّ﴾ وہ پہنچے / واقع ہو، اِصَابَۃٌ سے مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب۔ ﴿خَآصَّةً﴾ خاص کر، چُن کر، خَصٌّ سے جس کے لغوی معنی مخصوص کرنے کے ہیں اسم فاعل واحد مؤنث قواعد کے مطابق، ظالم اور دیگر دوسرے لوگوں کو اس فتنہ وشر انگیزی کا اثر پہنچے گا چونکہ بدعتیں رُونما ہوتی ہیں اور امر معروف

اور نہی عن المنکر میں خیانت اور اخفا کرنے اور جہاد میں تساہل برتنے اور کاہلی کرنے کا وقت ہے وہ فتنہ کیا ہے جس کا شعلہ بھڑکتا ہے تو سب کا سب راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے اور یہ عذاب صرف چند لوگوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ تمام اقوام اِس عذاب کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔

علمائے تفسیر نے اس سلسلے میں تین باتوں کا خصوصی انداز میں ذکر کیا ہے:

(الف):......نیکی کا حکم دینے اور بُرائی کو روکنے کی تلقین نہ کرنا، فسق و فجور میں مُبتلا ہونا اور احکامات شریعت کی پابندی نہ کرنا بھی اور بداعمالیوں کا تدارک نہ کرنا بھی ایک فتنہ ہے جس کا وبال پوری قوم پر اثر انداز ہوتا ہے۔

(ب):......ترکِ جہاد: جب کوئی قوم جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتی ہے تو اس قوم کو ذِلت کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور طوق غلامی میں اس کو جھکڑ دیا جاتا ہے۔

(ج):......معرکہ جہاد میں شامل ہو کر پھر جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

﴿لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ خیانت نہ کرو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی افشاء راز۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ جس کے حقوق میں خیانت، یہ بھی تو ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا مطیع بن کر رہے، اور خلوت میں گناہ کا مرتکب ہو فرائض میں سے کسی فرض کی کوتاہی کی جائے اور بُرائی کا ارتکاب کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کا مفہوم ان الفاظ میں واضح کیا ہے کہ فرائض کو چھوڑ کر اللہ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور سنت کو ترک کر کے رسول اللہ ﷺ سے خیانت نہ کرو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خوب جان لو! کہ اللہ کا دین امانت ہے اس کی حدود کی پابندی کا تمہیں امین بنایا گیا ہے اس امانت میں خیانت نہ کرو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری از ثناء اللہ پانی پتیؒ)

﴿وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ اور خیانت نہ کرو امانتوں میں جو ایک دوسرے کے پاس رکھتے ہو امانت میں خیانت کرنا کوئی معمولی جُرم نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ ایسا سنگین جُرم کا درجہ رکھتا ہے جس کے نتائج قوم کی تباہی کا موجب ہے۔

﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور تم جانتے ہو کہ خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے یا جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت تم پر واجب ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ﴾ اور جان لو! کہ یہ تمہارے مال۔ ﴿وَاَوْلَادُكُمْ﴾ اور تمہاری اولاد۔ ﴿فِتْنَةٌ﴾ سب آزمائش ہے، مال اور اولاد سے بڑھ کر سخت امتحان و آزمائش اور کونسی ہے۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۰ تا ۲۸

آیت ۲۰ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ایمان والوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کا حکم ہے اب اہلِ ایمان کو تلقینِ عمل ہے بتایا جا رہا ہے کہ اُن کا معاملہ اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے، عملِ ہدایت تو اس بات کا متقاضی ہے کہ کامل مؤمنِ صادق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمانبردار ہو، احوال و حوادث خواہ اس کی راہِ عمل میں کتنے ہی حائل ہوں مگر وہ جب سب کچھ سُن چکا تو قولاً، فعلاً اور عملاً اس سے رُوگردانی نہ کرے۔

آیت ۲۱ میں بتایا جا رہا ہے کہ کُفار کی حالت تو یہ ہے کہ دعویٰ زبان سے تو یہ کرتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا لیکن سُنتے سناتے

Marfat.com

کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی سننا ہے کہ سُن کر سمجھے نہیں یا سمجھ گئے تو اس کو قلب ونظر کی گہرائی کے ساتھ قبول نہ کریں۔ کفّار کی تذلیلِ کیفیت تو یہ ہے کہ سُن کر، زبانی اقرار کر کے عمل نہیں کرتے، پہلے بھی اہلِ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ''سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا'' ہم نے سُن لیا مگر مانا نہیں، اور مُشرکینِ مکہ کا تو یہ کہنا ہے ''قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ'' یعنی ''جو قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں پس ہم نے سُن لیا اگر چاہیں تو اِسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں، العیاذ باللہ۔ مدینہ کے منافقین کا تو یہ طرزِ عمل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی موجودگی میں تو ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ'' کر گئے اور دل سے اسی طرح انکاری رہے گویا مُنکر کے مُنکر ہی رہے بہر نوع صادق مؤمن کی تو یہ شان ہے کہ دل کی گیرائی اور گہرائی کے ساتھ قلب سے، زبان سے، عمل سے، حاضر و غائب اللہ کے احکام پر، فرمان پر جان نثار کرتا رہے۔

آیت ۲۲ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے نزدیک جانوروں میں شمار یہ بہرے، گونگے لوگ ہیں، جو عقل و دانش سے کام نہیں کرتے۔ یہاں پر کمزور نوعیت کے مسلمانوں کو تنبیہ ہدایت ہے کہ پورے ضابطۂ وفاداری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، قرآن کی دعوت وتفکّر و تدبیر بصارت و بصیرت پر مبنی ہے انسان جو اس کائنات رنگ و بُو میں بستے ہیں، کھلے دل و دماغ اور عقلِ رسا سے کام نہیں لیتے وہ درحقیقت انسان کہلانے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ وہ نہ حق سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ حق کہنے ہیں وہ زبان وفہم سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتے وہ جانوروں سے بہتر ہے اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہ آیت بنی عبدالدار کے حق میں اُتری جو کہتے تھے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہم اس سے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہ سب لوگ غزوۂ اُحد میں ہلاک ہوئے صرف دو افراد ایمان لائے مصعب بن عمیر اور سویبط بن حرملہ۔

آیت ۲۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ باری تعالیٰ ان میں صلاحیت دیکھتا تو اُنہیں قوت سماعت کی توفیق دیتا، گویا ان کافروں میں قبولِ حق کی استعداد مفقود ہے اصل میں ان لوگوں کو فلاح پانے کی توفیق ہی نہیں ہے اگر فلاح و صلاح کی آرزو ہوتی تو ان کے قلبِ حزیں میں حق کی سچی تڑپ اور نورِ ہدایت، معرفت قبول کرنے کا عزم ہوتا تو ان کی قوتِ سماعت کو نافع بنا کر ان کو ایسی شعورِ عقل عطا کرتا جس سے وہ حق کو تسلیم کر لیتے اور حق اپنا لیتے چونکہ اُن کے اندر خیر کی طلب ہی نہیں ہے تو ضرور رُوگردانی کریں گے اس لئے کہ وہ صحیح فہم و فراست سے محروم ہیں۔

آیت ۲۴ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے یہ مژدہ نوید ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس اَمر کی طرف تمہیں دعوت دے رہے ہیں تو یہ دعوت تمہارے لئے قلب و روح کی دعوت ہے یہ دعوت سراپا بھلائی کی دعوت ہے اس پر عمل ہی زندگی ہے کیونکہ مفسرین نے اِس سے جہاد مُراد لیا ہے اور بعض کے نزدیک احکام شرعیہ مراد لیا ہے اس لئے اس کی قدر کرنی چاہیئے، اگر انسان تذبذب کا شکار ہو جائے تو اس کی قوت ارادی کے درمیان اللہ کا قانون رکاوٹ کا مُوجب بن جاتا ہے اور خیر کی توفیق سے یکسر محروم ہو جاتا ہے گویا فرمانبرداری میں تاخیر سے دل مُضمحل ہو جاتے ہیں۔ آدمی کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکاء ہو اگر اللہ کا حکم اس کی قوتِ ارادی میں حائل ہو جائے تو کچھ نہیں کر سکتا، اللہ کے حکم کی اطاعت صدق دل

Marfat.com

سے کرو کیونکہ باری تعالیٰ بندے سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اس قدر قریب نہیں چنانچہ آیت ۱۶ سورۃ قٓ پارہ حٰمٓ ۲۶ میں ارشادِ ربّی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ

''اور انسان کو ہم نے پیدا کیا ہم جانتے ہیں اس کے دل میں جو وسوسے گذرتے ہیں۔ اور ہم اُس کی رگِ جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں''۔ (آیت ۱۶)

اس سے پتہ یہ چلا کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں پر کُلّی اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اُن کے اور قُلوب کے مابیّن حائل ہو جاتا ہے ''انسان اللہ کی مشیّت کے بغیر کسی چیز کو نہیں پا سکتا''۔ (بحوالہ فتح القدیر، امام ابن جریر)

رسول اکرم ﷺ دین میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے اور دعا فرماتے ''اَللّٰھُمَّ مصرف القلوب، صرف قلوبنا اِلٰی طاعتك'' ''اے دلوں کو پھیرنے والے میرے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کے لئے پھیر دے''۔ (بحوالہ صحیح مسلم، کتاب القدر) آخری آیت میں بیان ہوا کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف اکٹھا ہونا ہے۔

آیت ۲۵ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ ایسے فتنۂ وبال سے اجتناب کرو جو مخصوص طور پر اُنہیں لوگوں پر اثر انداز نہیں ہوگا جنہوں نے تم پر ارتکابِ جُرم کیا ہوگا۔ اس کا مفہوم یوں سمجھئے کہ جب ایک قوم کے لوگوں نے ظلم وتشدد اور عصیان کو اختیار کر لیا ہو اور چند لوگ اس سے کنارہ کش رہے۔ اُنہوں نے اس کی کوئی مزاحمت نہیں کی اور نہ نصیحت کی اور نہ اس ظلم وسیاہ کاری میں اظہارِ نفرت کیا تو یہ وہ فتنہ ہے جس کی زد میں وہ ظالم اور خاموشی اختیار کرنے والے سب شامل ہو جائیں گے جب عذاب نازل ہوگا تو حسبِ مراتب اس عذابِ بلا میں مُبتلا ہوں گے کوئی بچ نہ پائے گا۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ)

گویا حکم تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ماننے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہو اور نافرمانوں کو پند ونصیحت کرو اور اگر کوئی تمہاری نصیحت پر عمل پیرا نہ ہوں تو بیزاری کا اظہار برملا کرو اس آیت کا مفہوم شاہ ولی اللہؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ ''مسلمانوں کو ایسے فتنہ وفساد اور گناہ سے بالخصوص بچنا چاہئے جس کا بُرا اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے''۔ آخر میں بتایا گیا کہ خوب جان لو! اللہ سخت پاداش والا ہے۔

آیت ۲۶ میں بتایا جا رہا ہے کہ ہجرت سے قبل اور اس کے بعد بھی زمین میں تمہاری تعداد قلیل تھی تم کمزور تصوّر کئے جاتے تھے تمہاری کمزوری کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تمہیں اندیشہ وخیال یہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک نہ لیں تو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے تمہیں پناہ دی، تم کو پاکیزہ رزق دیا اور اپنی نصرت سے سرفراز کیا، تمہیں مکہ کے مصائب وآلام سہنے کے بعد مدنی زندگی کے لمحات میں راحت وآرام اور آسودگی بخشی تاکہ شکرِ باری تعالیٰ بجالاؤ۔ گویا نعمتوں پر شکر کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا لازم ہے کیونکہ نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ چنانچہ آیت ۸ سورۃ التکاثر پارہ ۳۰ عَمَّ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ'' ''تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پُرسش ہونی ہے۔ یقینی طور پر یہ دریافت کیا جائے گا کہ اِس دن سے بے خبر رہنے والوں کو دوزخ سے واسطہ پڑے گا اور دریافت کیا جائے گا۔ باری تعالیٰ

Marfat.com

نے جو قوتیں، صلاحتیں اور نعمتیں ان کو عطا کی تھیں ان کا کتنا حصّہ اُنہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لئے استعمال کیا۔
آیت ۲۷ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اے اہلِ ایمان! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حقوق میں جانتے بوجتے ہوئے خیانت مت کرو تمام حقوق، فرائض خواہ وہ کسی بھی عہد و میثاق کے زُمرے میں عاید ہوتے ہیں یا معروف فطری تقاضے اور قانون کے دائرے میں آتے ہیں ان کے خلاف خیانت ہے گویا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکامات کی خلاف ورزی کی جائے ایک فرد دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کی جائے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ

''اس کا ایمان نہیں! جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں، اُس کا دین نہیں، جس کے اندر عہد کی پاسداری کا احساس نہیں'' (بحوالہ مسندِ احمد جلد دوم و مشکوٰۃ شریف)

آیت ۲۸ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ تمہارے اَموال اور تمہاری اَولاد ایک امتحان / آزمائش ہے، ہوتا تو یہ ہے کہ مال اور اولاد کی اُلفت میں گرفتار ہو کر انسان خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اولاد کی محبت ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے گریز کرنے پر مجبور کرتی ہے اچھی طرح جان لیا جائے کہ اگر انسان اِس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے تو اللہ کے پاس اس کا بڑا اجر ہے بصورت دیگر یہی مال و متاع اور اولادِ اس لئے کہ عذابِ الٰہی کا موجب ہو جائے گی۔

آیت ۲۰ تا ۲۸ کے اہم نکات پر مطالعاتی نظر:

ایمان والوں کی یہ اہم ذِمّہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کی فرمانبرداری دل و جان سے کریں، نافرمانی سے اجتناب لازم ہے اور اِن لوگوں کا طرزِ عمل اختیار نہ کرو، جن کو دعویٰ تو ہے سماعت کا اور کہتے ہیں ہم نے سُنا، لیکن اُنہیں کچھ سُننے کی توفیق نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے لوگوں کی مثال یہ ہے کہ یہ بدترین جانوروں میں شمار کیے جاتے ہیں، کیونکہ یہ بہرے، گُونگے ہیں، دانش سے کام نہیں لیتے، عقلِ سلیم کو استعمال کرنے سے قاصر ہیں یہ عملاً نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لیے کہ علم و آگاہی سے اور شعور سے قطعی کام نہیں لیتے۔
اگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اِن میں کوئی خُوبی صلاحیت دیکھتا تو یقینی طور پر اِن کو سُننے کی سعادت ملتی، کہ حق سُن سکیں تا کہ عمل کر سکیں، کیا تمہیں پتہ نہیں! رسول ﷺ کی دعوت، دعوتِ رُوح و قلب ہے اور یہ دعوتِ حق دراصل دعوتِ حیات ہے اس کی قدر کرو۔ تذبذب کا اگر شکار رہے تو اپنی قوت ارادی کو کھو بیٹھو گے، پھر خیر کی توفیق تم سے چھین لی جائے گی یاد رکھو! سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف اکٹھا ہونا ہے فتنہ سے بچو! باری تعالیٰ سخت پاداش والا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں پاکیزہ رزق دیا ہے اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بنو! اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو تمہارا مال و متاع اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اَجر تو صرف اللہ تعالیٰ دینے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نُصرت سے سر فراز کیا ہے یہ کس قدر اَجرِ عظیم ہے۔

Marfat.com

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تم میں حق و باطل کی تمیز کی صلاحیت / توانائی پیدا کردے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما کر بخش دے گا اور اللہ تو بڑا ہی فضل والا / کرم والا ہے۔ (۲۹)

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

اے محبوب (ﷺ)! اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جب کافر خفیہ تدبیریں آپ ﷺ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں وہ تو اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور سب کے مقابلے میں اللہ کی تدبیر غالب آتی ہے۔ (۳۰)

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب اُن کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو کہتے ہیں ہم نے سُن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ایسی باتیں ہم بھی بنا سکتے ہیں یہ کیا ہیں یہ تو اگلے لوگوں کی وہی کہانیاں ہیں۔ (۳۱)

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب اُنہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہی قرآن تیری طرف سے حق ہے تو آسمان سے تو ہم پر پتھر برسا، اور ہم پر دردناک عذاب لے آ؟۔ (۳۲)

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ اُن پر آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل کرے اللہ تعالیٰ اُنہیں عذاب دینے والا نہیں، جب تک وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں / اس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔ (۳۳)

الفاظ و معانی آیت ۲۹ تا ۳۳

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرتے رہو اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالو! اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے ایک دلی لگاؤ اور قلبی کیفیت میں سکون نصیب ہوتا ہے جس کا نام تقویٰ ہے بالفاظ دیگر جو شخص عقل و خرد کو طبع مزاجِ فطرت پر غالب رکھ کر اس امتحان میں ثابت قدم رہے اور باری تعالیٰ کی اطاعت و اُلفت کو سب اُمور پر مقدم رکھے تو اس کو قرآن اور شریعت کی اصطلاح میں ''تقویٰ'' کہتے ہیں یہ کیفیت گناہ اور نافرمانی سے مانع بن جاتی ہے پرہیز گاری کا شعار اپنانے سے اس کے صلے میں تین نعمتیں / انعامات عطا ہوتی ہیں:

(الف):......نعمتِ فرقان: نعمتِ فرقان ایسی صَلاحیت قوت ہے جو حق و باطل میں حق کو غالب کر دے جو دو اُمور میں فرق کو واضح کر دے۔ اِس لئے اس فیصلہ کو فرقان کہا جاتا ہے اس کے سبب اہلِ حق کو نصرت اور اس کے مخالف کو شکست ہوتی ہے اس کا ظہور غزوۂ بدر میں ہوا جس کو ''یوم الفرقان'' کہا جاتا ہے، یہ بات جان جائیے کہ تقویٰ سکونِ قلب کا باعث ہے۔

Marfat.com

(ب):...... دوسری نعمتِ انعام جو تقوٰی کے سبب عطا ہوتی ہے نیکی کا مجاہدہ اس کو کُفارہ سَیّئات کا نام دیا جاتا ہے باوجود کوشش کے بشریت کے تقاضے کے سبب انسان سے خطا اور لغزش سرزد ہو جاتی ہے ''باری تعالیٰ اعمالِ صالحہ کی توفیق دے کر اِن خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے''۔

(ج):...... تیسرا انعامِ نعمت جو تقوٰی کے سلسلے میں عطا ہوتا ہے وہ آخری نجات اور عطائے بخشش ہے جس سے روزِ محشر پریشانی سے نجات پانا ہے۔ ﴿يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ اور پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل کا فرق۔ ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اور دور کر دے گا تم سے تمہاری بُرائیاں اور تمہیں نصرت دے گا اس کے سبب سے، بصیرت اور فراست ملنے کے بعد اُن کو اچھے اور بُرے میں فیصلہ کرنا آسان قدرے آسان ہو جاتا ہے۔

''بحر الحقائق'' میں تحریر ہے کہ ''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تقوٰی کے سبب توفیق عطا فرماتا ہے کہ تم اپنے اپنے جَلال کے اِسرار اور اپنے جمال کے انوار میں فرق رتفاوت کر لو اور وجود اور عدم کے بھید پہچان لو''۔ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ اور بخش دے گا تمہارے گناہ کبیرہ توبہ کے سبب سے، یا اپنی مشیّت کے سبب سے تمہارے گناہوں کو در گذر کر دے گا۔ ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ﴾ اور جنہوں نے کُفر اختیار کیا تھا آپ کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید کریں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں۔'' بات یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے جب محمد رسول اللہ ﷺ مکہ شریف میں تھے تو کفار آپ کے قید کرنے اور قتل کرنے کے باہم صلاح مشورے میں مصروف تھے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اُن کے منصوبوں اور ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا، اور آپ عافیت کے ساتھ مدینہ منوّرہ پہنچے، چنانچہ اس واقعہ کا ذکر تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں بروایت محمد بن اسحاق و امام احمد اور ابن جریرؒ میں درج ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریش کے کافروں رؤسائے مکہ نے دار الندوہ ریہ قصی بن کلاب کا گھر تھا مسجد حرام کے متصل میں ایک خاص مجلس کا اہتمام کیا کہا جاتا ہے کہ اِس اجتماع میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف اور ابوسفیان کے علاوہ قریش کے نامور افراد شامل تھے''۔

﴿لِيُثْبِتُوْكَ﴾ ❶ اِثْبَاتٌ مصدر تاکہ وہ آپ کو کر لیں مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿اَوْ يَقْتُلُوْكَ﴾ یا قتل کر دیں آپ ﷺ کو تلواروں سے۔ ﴿اَوْ يُخْرِجُوْكَ﴾ یا نکال دیں آپ ﷺ کو مکّہ سے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا، آخری آیت میں ارشاد ہوا۔ ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والا ہے لفظ مَکَر کے معنیٰ عربی لُغت میں کسی تدبیر، حیلہ بہانے کے ذریعہ اپنے مدِ مقابل فرد کو اس کے ارادے سے روک دیا جائے۔

ابھی مجلس کا آغاز ہوا ہی تھا کہ ایک سنِّ رسیدہ عربی شیخ کی شکل میں ابلیس لعین وارد ہوا، از راہِ مکر کہنے لگا کہ میں شیخ نجد ہوں تمہاری مجلس کی خبر ملی تو میں بھی حاضر ہوا ہوں، میں تمہارا دوست ہوں، مجھ سے کچھ نہ چھپانا، میں تمہیں بہترین رائے دینے اور تعاون کرنے آیا ہوں، چنانچہ اس اجتماع میں وہ شامل ہو گیا۔ ابو البختری ابن ہشام نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو آہنی زنجیروں میں مقید کر کے ایک مکان میں مضبوط بندشوں سے باندھ کر دروازہ بند کر دو، معاذ اللہ!۔ تاکہ وہ ہلاک

❶......اس کا معنیٰ ہے لِيُثْبِتُوْكَ تاکہ آپ کو محبوس کریں یا قید کریں۔ (بحوالہ قرطبیؒ)

ہوجائیں اس پر ابلیس لعین (یعنی وہ شیخ نجدی بنا بیٹھا تھا کہ) یہ رائے درست نہیں۔ آپ ﷺ کے جانثار آئیں گے تم سے مقابلہ ہوگا اور آپ ﷺ کو تمہاری قید سے چھڑا لیں گے کچھ کا خیال تھا شیخ نجد صحیح کہتا ہے، اتنے میں ہشام بن عمر و کھڑا ہوا اور اس نے کہا میرا مشورہ تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کو اُونٹ پر سوار کر کے اپنے شہر سے باہر نکال دو، باہر جا کر یہ جو کچھ کریں ہمارا شہر فساد سے بچ جائے گا اور ہمیں جنگ و جدال بھی نہ کرنا پڑے گی، (شیخ نجدی) ابلیس لعین نے کہا یہ مشورہ بھی صحیح نہیں، تمہیں خبر ہی نہیں کہ جس شخص نے ہوش اُڑا دیئے اپنی دانش مندی اور شیریں کلامی سے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دوسری قوم کے دلوں کو تسخیر کر کے ان لوگوں کے ساتھ تم پر حملہ کر کے شکست سے دوچار کردیں گے، اب اَبُو جہل نے کہا جو بات کرنے کی تھی تم میں سے اسے کسی نے نہیں سمجھا، ابو جہل نے مشورہ دیا کہ قریش کے ہر خاندان کا ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور اس کو تیز تر شمشیر دی جائے اور وہ سب آپ ﷺ پر حملہ آور ہو کر قتل کردیں گے تو بنی ہاشم قریش کے تمام قبائل سے نہ لڑسکیں گے، خون کا بدلہ خون بہا کا معاوضہ دینا پڑے تو وہ دے دیا جائے گا۔ ابو جہل کی اس تجویز کو ابلیس لعین نے پسند کیا اور سب نے اِس پر اتفاق کیا۔ سوال تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی غیبی طاقت کو یہ جاہل کہاں جان سکتے ہیں۔ حضرت جبرائیل آمین علیہ السلام نے اس ساری صورت حال سے حضرت محمد ﷺ کو باخبر کردیا اور تدبیر یہ بتائی کہ حضور ﷺ اپنی خواب گاہ میں اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور آگاہ کیا کہ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ شریف سے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آج رات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی خواب گاہ میں رہنے کا حکم صادر کیا اور فرمایا کہ چادرِ اطہر اُوڑھو! اور رسول اللہ ﷺ کی اس مشکل کو باری تعالیٰ نے ایک معجزہ سے حل کیا آپ ﷺ نے ایک مُشت خاک دستِ مبارک میں بھر کر باہر تشریف لائے اور آیت ''اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا'' تلاوت کرتے ہوئے محاصرہ کرنے والوں پر پھینکی اللہ تعالیٰ نے اُن کی نظروں کو آپ ﷺ کی طرف سے پھیر دیا سب اندھے ہو گئے اور حضور ﷺ کو نہ دیکھ پائے اور اللہ کے رسول ﷺ رفیقِ خاص سیدنا حضرت اَبُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غارِ ثَور میں جلوہ فگن ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امانتیں دینے کے لئے مکہ میں چھوڑا، رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا یہ سعادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص فضائل میں شامل ہے۔

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا﴾ اور جب پڑھی جاتی ہیں ہماری آیات اُن کے سامنے۔ ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کلام سُن لیا اور اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کلام ہم بھی کہہ دیں، بات یہ ہے کہ نضر بن حارث لعن اللہ علیہ فارس کے شہروں میں تجارت کی غرض سے آیا تھا یہاں رُستم اور اسفند یار کی کہانیاں خریدیں، داستانوں کی مشہور کتاب ''کلیلہ دمنہ'' کا عربی میں ترجمہ کر کے مکہ شریف میں لے گیا جب رسول اللہ ﷺ سابقہ اُمتوں کے عبرت آموز واقعات بیان فرماتے تو وہ بڑے فخر سے دعویٰ اظہار کرتا کہ ایسی حکایات اور باتیں تو میں بھی سنا سکتا ہوں۔ (بحوالہ قرطبی) لیکن باوجود دعویٰ کے وہ اس جیسی ایک سورۃ تو کیا اس جیسے ایک آیت بھی پیش کر سکے۔ ﴿اِنْ هٰـــذَآ﴾ نہیں ہے یہ۔ ﴿اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ مگر حکایتیں ہیں پہلے لوگوں کی، یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی، جس نے حضرت

Marfat.com

محمد ﷺ سے قرآن مجید سُن کر کہا تھا کہ ''ہم چاہتے تو ہم بھی ایسی ہی کتاب کہہ لیتے اللہ تعالیٰ نے اُن کا مقولہ نقل کیا، اِس میں اِن کی کمال بے شرمی و بے حیائی ہے''۔ (بحوالہ کنزالایمان خزائن العرفان از احمد رضا خان تفسیر نعیم الدین مُرادآبادیؒ)

جب نضر بن حارث سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کلام اللہ'' کا حق ہونا بیان کیا تو غلط طرزِ عمل پر پختگی دکھانے کی خاطر اس کے جواب میں یہ دعا کی جس کی خبر حق سبحانہٗ تعالیٰ دیتا ہے۔ ﴿اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ﴾ اور یاد کرو اُسے جب نضر نے اور اُس کی متابعت کرنے والوں نے جو اُس سے متفق تھے کہا کہ اے اللہ ﴿اِنْ كَانَ هٰذَا﴾ اگر ہے یہ قرآن!۔ ﴿هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ صحیح اور درست اُتارا گیا ہے تیرے پاس سے۔ ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا﴾ پس تو برسا ہم پر۔ اَمْطِر تو برسا اِمْطَارٌ سے فعل امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر قواعد کے مطابق۔ ﴿حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ پتھر آسمان سے، (جس طرح اصحاب فیل پر تم نے برسائے تھے)، یا کوئی دوسرا سخت عذاب نازل کر دیجئے قرآن حکیم نے اُس کا جواب دیا۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ اور نہیں ہے کہ اللہ عذاب کرے اُن پر، اگر چہ دستِ دعا کر کے وہ عذاب طلب کرتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور سنت الٰہی تو یوں ہی قائم رہتی ہے کہ جب تک پیغمبر اپنی قوم میں رہے اس وقت تک اس قوم کو اللہ ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ رحمۃ للعالمین ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ اور اللہ اُن پر عذاب نازل کرنے والا نہیں جب تک وہ استغفار کرتے ہیں دانستہ کُفر پر اصرار تو اس بات کا مقتضی ہے کہ اُن پر عذاب ہو لیکن اے حبیب (ﷺ)! آپ کا وجود سراپا رحمت ہے اُن پر عذاب نہیں نازل ہوگا۔

تشریح و توضیحات آیت ۲۹ تا ۳۳

آیت ۲۹ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ اگر اہلِ ایمان اللہ سے ڈرتے رہے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتے رہے خیر و شر میں تفاوت برتتے رہے، تقویٰ اور صبر سے اپنی زندگی کو آراستہ کرتے رہے تو تقویٰ کے سبب باری تعالیٰ انعامات سے سرفراز فرمائے گا اور ہم سے ہمارے گناہ بھی بخش دے گا، اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل اور کرم کرنے والا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ''پرہیز گاری کی راہ پر گامزن ہونا بھی اللہ کی عطائے توفیق اور دستگیری کا ہی مرہونِ منت ہوتا ہے''۔ (بحوالہ ضیاء القرآن جلد دوئم از محمد کرم شاہ الازہریؒ)

خدا ترسی اگر اختیار کی جائے تو باری تعالیٰ ہماری بُرائیوں کو ہم سے دور کر دے گا سچ بات تو یہ ہے کہ '' تقویٰ کی وجہ سے انسان کے دل میں بصیرت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی ہی مُشکلات میں درست فیصلے کر سکتا ہے۔'' (بحوالہ فی ظلال القرآن جلد سوئم سید قطب شہیدؒ) ہمیں انسانیت کے لئے حق و صداقت، عدل و انصاف، خیر و سعادت کے سوا اور کوئی ماحصل زیست سامنے نہیں رکھنا چاہئے، آج بھی جذبۂ ایمان اور جذبۂ دروں کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ دور کہاں گیا ہماری زبان میں تاثیر تھی، یہی چشمِ خوں فشاں تھی یہی بصیرت قلب و نظر تھی تو آج بھی ضرورت ہے ''براہیم سا ایمان پیدا کرنے کی''۔ یہ غور طلب فکر ہے جس پر عمل کر کے ہمیں راہِ تقویٰ اپنانا ہے تو اللہ ہی مغفرت فرمالے گا۔

آیت ۳۰ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ خیال کرو کہ جب کُفّار سازش کر رہے تھے یہ اس سازش کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جس میں مکہ کے قریش نے حضرت محمد ﷺ کے قتل پر اتفاقِ رائے کر دیا تھا یا حضور اکرم ﷺ کو جلا وطن کرنے میں

Marfat.com

سرگرمِ عمل تھے لیکن کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تدبیر کی تھی جس سے بہتر کوئی تدبیر کا ادراک نہیں کرسکتا! لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بچالیا حتیٰ کہ آپ ﷺ بمعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غارِ ثور پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے بحفاظت مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ملک شام رومیوں کے قبضہ میں تھا وہاں کا حکمران بھی کافر تھا اہلِ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے خلاف اِس حکمران کو بتایا کہ یہ بغیر باپ کے اور فسادی نعوذ باللہ۔ حکمران نے کافروں کی راہلِ یہود کی بات مانتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کرلیا لیکن باری تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اُٹھالیا یہ بات آیت ۵۴ سورۂ آلِ عمران پارہ تِلۡكَ الرُّسُلُ میں بتائی گئی ہے کہ ''وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ'' اور کافروں نے مکر کیا تو اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔

آیت ۳۱ میں بتایا جارہا ہے کہ اور جب ان کو آیات کلامِ ربانی پڑھ کر سنائی جاتیں تو کہتے! پس ہم نے سُن لیا! ہم بھی اگر چاہیں تو ایسا کلام پیش کرسکتے ہیں! یہ تو بس، پرانی داستانیں ہیں کُفّار مکہ کا جہل وشقاوت کو دیکھئے، دعویٰ محض یہ کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں، تحریک اسلامی کے خلاف ''قسم قسم کے حربے اٹھ کھڑے ہوتے تھے ان حربوں میں ایک حربہ یہ بھی تھا کہ قرآن کریم کے بارے میں شکوک پھیلاتے جائیں کہ یہ پرانی کہانیاں ہی تو ہیں اگر وہ چاہیں کہانیاں تصنیف کرسکتے ہیں لیکن اس سے قبل قرآن نے ان کو بار بار چیلنج دیا تھا اور وہ ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔ (ماخوذ فی ظلال القرآن جلد سوئم از سید قطب شہیدؒ)

اب غزوہ بدر میں سب نے دیکھ کر کہا کہ یہ محض افسانے نہ تھے، وہ وعدہ عذاب لوگوں پر آیا، جیسے سابقہ لوگوں پر آیا تھا۔

آیت ۳۲ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ مشرکین مکہ انتہائی جہل اور شقاوت وبغض کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہی دین حق ہے اور ہم تکذیبِ بلا میں مُبتلا ہیں تو پھر دیر کس بات کی! اقوام سابقہ کی طرح عذاب کی گھڑی ہم پر نازل کر! ہم پر پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسایا جاتا یہ عجیب وغریب طرزِ تکلّم ہے کہ اس سے اہلِ کُفر کے عناد کا اندازہ ہوتا ہے بات سچ تو یہ ہے کہ جب کبر نخوت، بُغض وعناد فطرت سلیم سے الگ ہوجائے تو پھر کیفیت یہ ہوتی ہے کہ غرور تکبّر انسان کو بُرائی پر آمادہ کرتا ہے لیکن وہ سچّائی کو قبول نہیں کرتے یہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مقابلہ کرتے رہے، لیکن اس بُغض وعناد کے بعد میں یہ دعوتِ حق دعوتِ دین فتح سے ہمکنار ہوئی۔

آیت ۳۳ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ عذاب کے نازل نہ ہونے کی وجہ ایک یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ ان میں موجود تھے، کچھ لوگ توبہ واستغفار کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی سُنت تو یہ ہے کہ جب تک کثرت سے استغفار کیا جائے، توبہ کیا جائے دل کی گہرائی اور گیرائی سے۔ اللہ کی رحمت طلب کی جائے، لوگ مغفرت کے طلب گار رہیں تو اللہ کا عذاب نازل نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد عذاب کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی ''جب باری تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مکہ شریف سے علیحدہ کرلیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی از مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

Marfat.com

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

اور اُن میں کیا بات ہے، کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے، حالانکہ وہ مسجد حرام جانے سے روکتے ہیں، جبکہ وہ لوگ اُس کے اختیار والے/متولی نہیں۔ اس کے اہل/متولی تو صرف پرہیز گار ہیں، لیکن اکثریت کو اِس بات کی خبر ہی نہیں/کہ اُن کے بہت سے لوگ اِس بات کو نہیں جانتے۔ (۳۴)

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

اور اُن کی نماز کیا تھی، خانہ کعبہ کے پاس سیٹی بجانا اور تالیاں پیٹنا، پس اب عذاب چکھو! اِس سبب سے کہ تم انکارِ حق/کفر کیا کرتے تھے۔ (۳۵)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾

جو لوگ یقینی طور پر کافر ہیں، وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں یہ لوگ تو اپنے مال کو خرچ کرتے ہی رہیں گے بالآخر پچھتائیں گے بڑی حسرت و یاس کے باعث پھر مغلوب کردیئے جائیں گے اور جنہوں نے راہِ کفر اختیار کی وہ دُوزخ کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔ (۳۶)

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۳۷﴾

تاکہ اللہ تعالیٰ جدا کردے ناپاک کو پاک سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے اور پھر اس ڈھیر کو اکٹھا کرکے دوزخ/جہنّم میں ڈال دے، یہی لوگ خسارہ/نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ (۳۷)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾

اے حبیب (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے! اگر وہ باز آجائیں تو اُنہیں بخش دیا جائے گا جو کچھ پہلے ہو چکا، سو ہو چکا، اگر یہ اسی سابقہ روش کا اعادہ کریں گے تو اگلوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہی اُن کے ساتھ بھی ہوگا (۳۸)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾

اور تم لوگ ان کافروں سے جنگ کرتے رہو! یہاں تک کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔ سارا دین اللہ جل شانہٗ کا ہی ہوجائے، پس اگر یہ لوگ اپنی حرکت سے باز رہیں تو اللہ اُن کے کام، جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خود دیکھنے والا ہے۔ (۳۹)

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر یہ لوگ اب بھی رُوگردانی کریں تو جان لو! اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اللہ بہت اچھا کارساز ہے حمایتی ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔ (۴۰)

Marfat.com

الفاظ و معانی آیت ۳۴ تا ۴۰

﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور کیا ہے اُنہیں اور کیا مخل ہے یہ کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دیں۔ ﴿يَصُدُّوْنَ﴾ حالانکہ وہ بازر کھتے ہیں رسول ﷺ اور مومنوں کو۔ ﴿عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے عبادت کرنے سے۔ ﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ﴾ وہ نہیں ہیں متولی، مُشرکین اپنے آپ کو خانہ کعبہ کا پاسبان جانتے تھے۔ اس طرح جس کو چاہتے طواف کی اجازت دے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے تھے، چنانچہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیتے تھے اس میں صُلح حُدیبیہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ ۶ھ میں رسولِ اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادائیگی عمرہ کے لئے مکہ شریف پہنچے تھے اور مُشرکین مکّہ نے آپ ﷺ کو روک کر واپس جانے پر مجبور کیا تھا۔ ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں، قرآنِ کریم کی آیت زیرِ مطالعہ میں صرف یہ بات بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا کہ اُن مُشرکین کو خانہ کعبہ کے متولی کیسے مانا جائے جبکہ قاعدہ کُلّیہ یہ ہے کہ اس کے متولی صرف متقی مسلمان بن سکتے ہیں۔ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً﴾ اور بیت اللہ کے سامنے ان کی نماز سیٹی بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ نہیں! بعض کافروں کی یہ عادت تھی مرد اور عورتیں برہنہ طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اور ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو وہ بھلا دینے کی خاطر، مُکَاءً سیٹی اور تَصْدِيَةً تالیاں بجاتے'' اس تقدیر پر صلوٰۃ سے مُراد وہ نماز ہے جس کا حکم کیا گیا ہو''۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از فخر الدینؒ)

اس بات سے یہ ظاہر ہوا کہ جس کو ذرا بھی عقل و شعور ہو! وہ ان افعال کو عبادت رنماز تو کیا کوئی صحیح انسانی فعل بھی قرار نہیں دے سکتا! پھر آخری آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ پس چکھو! اے کافرو! عذاب کہ قتل اور قید ہونا ہے غزوۂ بدر میں، عذاب سے مُراد یہ عذاب دینا ہے جو مقام بدر پر مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ''اس جگہ عذاب آخرت بھی مُراد ہو سکتا ہے''۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بے شک کافر گویا لشکر بدر کو کھانا دینے والے۔ ﴿يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ﴾ خرچ کرتے ہیں مال اپنے اور اُونٹ مول لے کر قتل کے مرتکب ہوتے ہیں اور کُفار کو کھلاتے ہیں۔ ﴿يَصُدُّوْا﴾ تاکہ باز رکھیں لوگوں کو۔ ﴿عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی راہ سے کہ رسول ﷺ کی متابعت ہے۔

اکثر نے کہا ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد دو ہزار عرب کو ابوسفیان نے غزوۂ اُحد میں شرکت کی خاطر مزدوری پر مقرر ر مامور کیا یہ لوگ اس لشکر کے علاوہ تھے جو خود آئے تھے یا جس کاروان کو ابوسفیان بہکا لایا تھا، ان لوگوں کے مال کا نفع پچاس ہزار مثقال سونا تھا، لشکر پر صرف کیا اور غزوۂ اُحد میں گئے اور یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ (بحوالہ تفسیر قادری جلد اوّل از مولوی فخر الدینؒ) غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عبادت تین نوعیت کی ہوتی ہے (۱) قولی۔ (۲) فعلی۔ (۳) اور مالی، قولی اور فعلی عبادت کی کیفیت کا تذکرہ تو پہلے ہو چکا اب مالی عبادت کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ مال خرچ تو کرتے

Marfat.com

ہیں لیکن اللہ کی رضا کے لئے نہیں، بلکہ یادِ الٰہی اور ذکر اللہ سے لوگوں کو رُوکنے کے لئے۔ ﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ﴾ پس قریب ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کر دیں پھر ہو وہ خرچ کرڈالنا باعثِ حسرت ویاس، پھر وہ مغلوب ہوگئے۔ ذرا ذہن میں رکھئے غزوۂ بدر میں جو ایک ہزار جوانوں کا لشکر مسلمانوں کے مدِ مقابل لڑنے کے لئے گیا تھا اُن کے طعام وقیام وغیرہ کے کُل اخراجات مکّہ کے بارہ معزّز سرداروں نے اپنے ذمّہ لئے تھے، جن میں ابو جہل عتبہ، شیبہ سرفہرست رشامل تھے اور اُنہوں نے دیکھ لیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلنا تھا بجز حسرت، ندامت اور ذِلّت کے کچھ نہ ہوا، ''ان لوگوں کو اپنی شکست فاش کے ساتھ اپنے اموال ضائع ہونے پر بھی احساسِ ندامت اور رسوائی پیش آئی۔ (بحوالہ تفسیر مظہری) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ﴾ اور جو لوگ راہِ کُفر پر ثابت رہے ان کا حشر دوزخ کی طرف ہوگا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔ ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ اور یہ کافروں کا مغلوب ہونا اس واسطے ہے کہ اللہ جُدا کردے ناپاک کو پاک سے، لفظ خَبِيْث، ناپاک، گندہ اور حرام کے لئے مستعمل ہے اور طیب پاک صاف اور حلال کے لئے استعمال ہوتا ہے اس موقع پر دونوں متضاد لفظوں سے کافروں کے مال واحوال کے لئے خبیثہ اور مسلمانوں کے مال واموال کے لئے طیب لئے گئے ہیں اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کُفّار نے مال خرچ کئے وہ ناپاک تھے جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ مال بھی گیا اور جان سے بھی گئے اس کے مدِ مقابل مسلمانوں نے کم مال صرف کیا چونکہ وہ مال پاک صاف اور حلال تھا اس لئے اس کے خرچ کرنے والے کامرانی سے ہمکنار ہوئے اور خاصا مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا﴾ باری تعالیٰ اکٹھا کردیتا ہے ایک خبیث کو دوسرے خبیث کے ساتھ پھر اُن کو جمع کردے گا۔ ﴿فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ﴾ جہنّم میں۔ يَرْكُمَهٗ، ''رَكْم'' مصدر اس کو تہ بہ تہ کر کے انبار لگا دینا فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر غائب قواعد کے مطابق۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ یہی لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں۔

اس کی وضاحت کو یوں سمجھئے کہ جس طرح مقناطیس میں باہمی کشش ہوتی ہے، میلان ہوتا ہے وہ لوہے کو کھینچتا ہے قانون کشش، علمِ طبعیات physics کے مطابق law of Gravity۔

باہمی کشش رقوت کے چار بُنیادی اُصول ہیں:

الف:...... Gravitation Force قوت کشش مائل بہ مرکز۔

ب:...... Electro Magnetic Force برقی مقناطیسی قوت۔

ج:...... Strong Nuclear Force طاقتور نیوکلیئر صلاحیت۔

د:...... Weak Nuclear Force کمزور فضائی رنیوکلیئر صلاحیت۔

(بحوالہ: Dictionary Oxford Practical Book Comprehen sive Phy sics. By: M.I.Khan)

جدید سائنسی تجربات میں تمام کائنات کا نظام باہمی کشش پر قائم ہے اس طرح اعمال میں اخلاق کی بھی قوت صلاحیت ہے ایک بُرا عمل دوسرے بُرے عمل کو اور ایک اچھا طرزِ عمل دوسرے اچھے طرزِ عمل کو اپنی جانب راغب کرتا ہے رکھینچتا ہے۔

"مالِ خبیث دوسرے مالِ خبیث کو کھینچتا ہے اور پھر یہ اموال خبیثہ، آثار خبیثہ پیدا کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں جتنے اموال خبیثہ ہیں سب کو جہنّم میں جمع کردیں گے اور یہ مال والے بڑے خسارے میں پڑ جائیں گے" (ماخوذ معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

﴿اِنْ یَّنْتَهُوْا﴾ اگر باز رکھیں کُفر سے اور رسول ﷺ کی عداوت سے تو بخش دیا جائے گا اُن کو۔ ﴿یُغْفَرْ لَهُمْ﴾ کُفر سے باز رکھنے کا مطلب مسلمان ہونا ہے۔ حدیث مُبارکہ میں آیا ہے "جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا اس کو ان گناہوں کی سزا نہیں ہوگی جو اس نے جاہلیّت میں کیئے ہوں گے اور جس نے اسلام قبول کر کے بھی بُرائی ترک نہ کی اس کا اگلے پچھلے سب عملوں کا مواخذہ ہوگا (بحوالہ صحیح بخاری شریف کتاب استیابۃ المرقدین مسلم شریف کتاب الایمان) ﴿مَا قَدْ سَلَفَ﴾ جو کچھ گذرا اُن کے گناہوں سے۔

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ اور اے مومنو! کافروں کو قتل کرو تا وقتیکہ نہ رہے فتنہ رشرک یعنی بُت پرست اور اہلِ کتاب میں سے کوئی مُشرک باقی نہ رہے کہ دین ہوجائے خالص کہ توحید ہے یا عبادت اللہ ہی کے واسطے ہے "فتنہ کا معنیٰ فساد کیا گیا ہے"۔ای فساد فی الارض ۔ (بحوالہ مظہری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فتنہ سے مُراد یہ مفہوم لیا ہے کہ وہ ایذاء اور عذاب اور مصیبت جو مکّہ کے کافروں کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ ہوتا رہتا تھا اس کے مقابل دین کا مفہوم قہر وغلبہ کے لئے آیا ہے گویا یہ بات معلوم ہوچکی کہ مسلمانوں کو کافروں سے اس وقت تک جنگ رقتال کرتے رہنا چاہئے جب تک مسلمان اُن کے ظلم وستم سے محفوظ نہ ہوجائیں۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ اگر وہ باز آجائیں تو یقینی طور پر اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے اس کام کے موافق جزا دے گا۔ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ﴾ اگر وہ انکار کریں قبولِ حق سے تو پس جان لو! اللہ۔ ﴿مَوْلٰىكُمْ﴾ تمہارا مددگار ہے۔ ﴿نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ اچھا حمایتی دوست ہے۔ ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ اور خوب مددگار ہے کہ مسلمانوں کو مُشرک پر غالب کرتا ہے۔

تشریح وتوضیحات آیت ۳۴ تا ۴۰

آیت ۳۴ میں اظہارِ بیان یہ ہے کہ مکّہ المکرّمہ سے حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان کو کیوں عذاب نہ دے گا، جب کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، نزُول عذاب میں دواُمور مانع ہیں ایک اُن کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا جلوہ فگن ہونا دوسرا استغفار، اب ان پر عذاب آنے کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ اور اُن کے پیروی کرنے والوں کو بیت اللہ رحرم شریف میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی عبادت سے روک رہے ہیں اس میں غلط فہمی کا شکار ہیں وہ خانہ کعبہ کے متوّلی رنگہبان ہیں حالانکہ مسجد حرام کے متوّلی ہونے کا شرف حق صرف پرہیزگاروں کو ہے اکثریت کو تو اِس کا علم ہی نہیں ہے، تفسیر ابن جریر میں تحریر ہے کہ "آپ ﷺ کا مکّہ میں جلوہ نما ہونا مانع عذاب قرار دیا جائے" مُفسّرین نے لکھا ہے کہ "محمد رسول اللہ ﷺ کا دنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک ہے"۔ (ماخوذ معارف القرآن جلد چہارم حضرت مفتی محمد شفیعؒ) کا یہ اقتباس قابلِ مطالعہ ہے آپ رقمطراز ہیں۔

Marfat.com

''خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ ﷺ کا قیامت تک قائم رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ قیامت تک دنیا میں ہیں، اس لئے یہ اُمّت قیامت تک عذابِ عام سے مامون رہے گی'' ۔(بحوالہ تفسیر معارف القرآن جلد چہارم از مفتی محمد شفیعؒ)

آیت میں ۳۵ میں بیان کیا جارہا ہے کہ کُفّارِ مکّہ کا عمل کیا ہے؛ اصل اور حقیقی نمازی کو مسجد جانے سے روکتے ہیں اور خود اُن کی اپنی نماز کیا ہے ستم ظریفی اور ظُلم کی انتہا تو دیکھئے کعبہ کا برہنہ ہوکر طواف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بجائے تالیاں بجانا، سیٹیاں بجانا، اُن کی عبادت کیا تھی! شور اور بے معنی لغو باتیں لہو ولعب کے سوا کچھ نہ تھا ''عجز ونیاز جو روحِ عبادت ہے اس سے اُنہیں کوئی واسطہ نہ تھا'' (بحوالہ قرطبیؒ)

اہلِ قریش کو یہ زعم تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی ہیں حالانکہ حقیقت اُس کے بَرعکس تھی، اس لئے اُن پر عذاب نہیں نازل ہوسکتا بتایا جارہا ہے کہ اُن کے اندر وہ اوصاف باقی نہیں، جو بیت اللہ کی تولیت کے لئے لازمی ہیں، سیٹی اور تالی بجانے کی رسمِ فضول باقی رہ گئی تھی اُن کو دین کی سمجھ سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا ایسے لگتا ہے ابراہیمی نماز کو حرم سے خارج کردیا تھا تو کُفر کی پاداش میں عذاب کا مزہ تو چکھنا تھا، وہ غُرور وفخر میں کھوکر یہ بات بھول گئے کہ دین کی ہر بات میں وقار، عظمت، متانت، سنجیدگی اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ ساتھ ''پاکیزگی کی صلاحیت معرفت کی جھلک اور روحانیت کی مہک ہوتی ہے'' (بحوالہ تدبیر القرآن از امین احسن اصلاحیؒ)

آیت ۳۶ میں وضاحت کے ساتھ بتایا جارہا ہے کہ جن لوگوں نے راہ کُفر اختیار کر رکھی ہے اُن کی عقل ودانش اِدراک عمل سے محروم ہوگئی ہے کم عقلی تو دیکھئے، اللہ کے راہ سے روکنے کے لئے مال ومتاع خرچ کرتے ہیں، غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں لشکروں کی ترتیب وتیاری سے لے کر تا حال کافروں کی خلافِ اسلام کوششوں پر بے شمار سرمایا کا ضیاع کتنی عجیب سوچ ہے اللہ تعالیٰ نے مال دیا، عقل کی صلاحیت دی، سب کچھ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے یہ ثروت ودولت دین کی مخالفت پر خرچ کرتے ہیں، بات تو ٹھیک سہی! اُن کا مال ضرور خرچ ہوگا، کاوش وکوشش اور محنت تو ہوگی مگر یہ سب کچھ اُن کی حسرت ویاس کا مُوجب ہوگا ناکامی کا سامنا ہوگا، شکست اُن کا مقدّر ہوگی اور پھر ہوگا کیا اُن کا وقت، اُن کا مال، اُن کی سعی پیہم ضائع ہونے پر حسرت کریں گے ''ملال کیوں نہیں ہوتا ملال ہوتا ہے'' کے مصداق شانِ کریمی کا تو یہ اعجاز ہے کہ کُفر کی ساری کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا دین قائم ودائم ہے اور رہے گا دنیا کی رُسوائی اور ذِلّت کے بعد آخرت میں حسرت ناک انجام ہوگا کافروں کو ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنّم میں جھونک دیا جائے گا۔

آیت ۳۷ میں اظہار بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے چھانٹ کر الگ کردے گا آخرت میں اور ان کو تہ بہ تہ ڈھیر یکجا کر کے جہنّم میں جھونک دے گا گویا اہلِ کُفر جس طرح اس کائنات رنگ وبُو میں تائیدِ کُفر میں ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے ہیں اسی طرح آتش دوزخ میں ایک دوسرے کو جلانے کے لئے باہم ایندھن کا کام سرانجام دیں گے، یہی ہیں زیاں کار۔

Marfat.com

یہ بات یقینی ہے کہ روزِ قیامت خبیث اور طیّب بالکل جُدا جُدا ہو جائیں گے تمام کُفّار اکٹھا ہو کر جہنّم میں جھونک دیئے جائیں گے اُس وقت انہیں احساس ہوگا، اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کی خاطر جو اپنا مال مُتاع خرچ کیا جو دَولت وثروت صرف کی وہ سب رَائیگاں گیا یعنی انہوں نے دنیوی اور اُخروی دونوں اقسام کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔

آیت ۳۸ میں بتایا جارہا ہے کہ اگر اب یہ کُفّار، کُفر وعصیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں، تو جو کچھ ہو چکا ہو وہ ہو چکا اور رسول اللہ ﷺ کی حلقہ بگوشی اختیار کرلیں، تو حالت کُفر میں جو گناہ ہو چکے ہیں، وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے اور پھر جو کچھ کریں گے تو پہلوں کا دَستور بھی چلا آتا ہے جس طرح پہلے لوگ نبی اور رسولوں کی تکذیب، بُغض اور عداوت سے تباہ ہوئے تو اُن پر بھی تباہی آسکتی ہے۔ سابقہ اُمتوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اب بھی روش نہ بدلی تو ''قانون مکافاتِ عمل'' کے تحت تباہی وبربادی مقدّر بن سکتی ہے۔

آیت ۳۹ میں وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ مسلمانو! تم اُن سے جنگ کئے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ کُفر ومعاصی کا خاتمہ ہو جائے اور زمین پر امن قائم ہو جائے فتنہ کا قلع قمع ہو جائے اور سرزمین حرم سے اسلام لانے والوں کو تنگ کرنے والوں کے فساد کا استیصال ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین باقی نہ رہے جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کُفر کی طاقت ٹوٹ جائے اور دین حق سب پر غالب آجائے چنانچہ آیت ۲۸ سورۃ الفتح پارہ حٰم (۲۶) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ، تا کہ وہ اس کو غالب کرے سارے دینوں پر۔

اِس آیت میں مذکور ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو خیر ورنہ تم اطمینان رکھو وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے

آیت ۴۰ میں اظہار بیان ہے کہ مسلمانوں کو یہ عزمِ مصمم اور پُختہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کا مددگار ہے اب مسلمانوں کو جذبۂ ایمان سے سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی مدد، حمایت پر کامل اِیقان رکھ کر توکّل کے ساتھ جہاد کرنا چاہئے، کُفّار کی کثرت اور ساز وسامان سے مَرعوب نہیں ہونا چاہئے، اگر کُفّار سازشیں بھی کریں اُن کے پاس مال واسباب بھی زیادہ ہو تو پھر بھی مسلمان اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میدان عمل میں قدم رکھیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہوگی جو کامرانی اور فتح مندی کی ضمانت ہے غزوۂ بدر کی تاریخ شاہد ہے باری تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی کیا خوب امداد اور حمایت کی۔ بقول شاعر مشرق

ع جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں اقبالؔ

وَمَا توفیقی الا باللہ

الحمدللہ پارہ ۹ قال الملاء اختتام پذیر ہوا

Marfat.com

عذر ہائے من پذیر

سورۃ الاعراف پارہ ۹ قَالَ الْمَلَاُ کے مطالعہ کی روشنی میں آیت ۸۸ تا ۲۰۶

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

کہنے لگے قوم کے وہ سردار جو تکبّر اور غرور کیا کرتے تھے، اے شعیب علیہ السلام ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال کے رہیں گے۔

انسان کے اندر اَنَا ایک ایسی صفت ہے جو اگر غلط راہ اختیار کرے تو انجام تباہی ہے!۔

اے راہِ حق کے طلب گارو! ذرا سوچو تو سہی! کیا یہ حقیقت نہیں کہ انسان کے اندر اَنَا ایک ایسی صفت ہے جو اگر غلط راہ / سَمت اختیار کرے تو انجام کار تباہی ہے یہی ضد، یہی انا کا احساس قوم شعیب علیہ السلام کے بڑے سرداروں میں آچکا تھی، وہ مغرُور اور مُتکبّر ہو گئے تھے۔ انہوں نے بَر ملا کہا اے شعیب! ہمارے مذہب پر قائم ہو جاؤ ورنہ تمہیں اور تمہارے ساتھ، تم پر ایمان لانے والوں کو بھی شہر سے بے دخل کر دیا جائے گا۔ عجیب طرزِ فکرِ عمل ہے۔ کبھی مذہب بھی مُسلّط کیا جا سکتا ہے باطل اور جھوٹا مذہب کو سچّا سمجھنا ہی، اللہ تعالیٰ پر اِفتراء کرنا اور بُہتان باندھنا ہے حضرت شعیب علیہ السلام تو ایک جلیل القدر نبی تھے جن سے کُفر کا اِرتکاب ممکن ہی نہیں! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ راہِ صداقت سے نکل کر کِذب کی طرف واپس جائیں! معاذ اللہ!۔

دین سے اِنحراف اللہ کی ناراضگی کا مُوجب ہوتا ہے!

اے طالبِ حسن وعشق! اپنی اختراع کی ہوئی رُسومات بے جا کو دین یا باعث ثواب سمجھنا ایک بُرائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسومات کی بُرائی سے نجات دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا دین قبول کیا ہم اِس پر دائم اور قائم ہیں ہم کبھی اللہ کا بتایا ہوا دین نہیں چھوڑیں گے یہ اور بات ہے کہ کوئی خطا ہم سے ایسی سَرزد ہو جائے اللہ تعالیٰ ہم سے نورِ ایمان سَلب کرے تو پھر انسان گمراہی میں مُبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ دین سے اِنحراف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مُوجب ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم وَسیع سے وَسیع تر ہے وہ دل کے اَسرار سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ اِنسان کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اِس لئے ہم اپنے معاملات کو اللہ کے سُپرد کرتے ہیں اور اس کے حُکم کے آگے ہمارا سَر خم تسلیم ورضا ہے۔ پھر حضرت شُعَیب علیہ السلام نے دَستِ دعا بڑھایا، اے اللہ! ہم تیرے حکم کے مطابق لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف دعوت دیتے آئے اب فیصلہ کا اختیار آپ کو ہے ایسا فیصلہ صادر ہو جائے کہ حق دار کو اُس کا حق مل جائے۔ پُر تاثیر دعا کے سَبب اُن پر عذاب آیا قومِ شعیب علیہ السلام تین طرح کے عذاب سے ہمکنار ہوئی۔ (۱) ظُلّہ۔ (۲) صَیحہ۔ (۳) رجفہ۔ پہلے گھنے بادل اُمڈ آئے، اُنہوں نے سایہ کیا جس میں آگ کے شُعلے چنگاریاں تھی، پھر آسمان سے ہولناک جگر سوز آواز آئی اور پھر زمین پر نیچے سے زَلزلہ طاری ہوا چنانچہ سب تباہ ہو گئے۔ (بحوالہ ابن کثیر)

Marfat.com

حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے، کُفر کی راہ اختیار کرنے والے ہی خسارے میں تھے۔

اے صاحب آرزو! یہ تاریخ کا المیہ ہے جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے آگے تکبّر سے نازاں تھے آپ علیہ السلام کو اور آپ علیہ السلام کے ماننے والوں کو شہر سے نکالنے پر آمادہ تھے، اپنے اقتدار کے نشے میں چُور تھے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے زلزلے کے ایک زبردست جھٹکے سے آسودۂ خاک ہو گئے بالکل تباہ ہو گئے، قافلۂ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے ایک ایک کر کے اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچتے رہتے ہیں۔ ماحصل کلام یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور کُفر کی راہ اختیار کرنے والے ہی خسارے میں تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے عالمِ یاس وحسرت اور حرمان کی کیفیت میں فرمایا "اے لوگو! میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی اب ایسے بدبختوں پر کوئی کہاں تک حسرت ویاس کرے۔

اَنبیاء کی تکذیب کرنے والوں پر قحط، سیلاب اور اَنتشار مُسلّط کر دیئے جاتے ہے تا کہ اُن کا تکبّر ٹوٹے

اے طالبِ حُسن وسرور! اللہ تعالیٰ کا شعار یہ ہے کہ ہر بستی کے باشندوں کے لئے ایک رسول بھیجا جاتا ہے پھر اَنبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں پر بیماری، قحط، سیلاب اور دیگر تفرقہ واَنتشار مُسلّط کر دیئے جاتے ہیں تا کہ اُن کا تکبر ٹوٹے، اور وہ نرم پڑ جائیں اور اپنے کُفر وتکذیب سے توبہ کریں اور اُن کے دل عجز واِنکساری سے آگاہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں غم وملال، اور اُن کو نفسیاتی اور روحانی مصائب میں مُبتلا کرنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کو بدنی اور مالی تکالیف اور اذیت کا مزہ چکھایا تا کہ اس دُکھ ودرد کو سہہ کر کوئی سبق سیکھیں اور ان کے دلِ حزیں دوبارہ زندہ ہو کر کیف وسُرور حاصل کریں یہ دستورِ کُلیہ عمل ہے کہ جب انسان رَنج والم میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کی شخصیّت کے اندر کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے اندر تہذیب غالب آجاتی ہے اور عقل وشعور کے اندر، خیر وبرکت کے خشک موتی رسوتے تازہ دم ہو کر پھوٹ نکلتے ہیں دلِ زندہ کے اندر احساس تیز تر ہو جاتا ہے اور فطری تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رَحمت، بَرکت کے سائے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب اندوہناک لمحات میں گھرے ہوئے کمزور اور ناتواں آدمی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی پُرفضا گھنگور گھٹائیں چلتی ہیں تو یہ خوشگوار لطیف جُھونکے بہنے لگتے ہیں تو انسان فرحت، راحت اور اطمینان محسوس کرتا ہے غرض مصیبت کے بعد نعمت ہوتی ہے اِس کی زیادہ قدر ہوتی ہے اور نعمت دینے والے کی آدمی اطاعت کرنے لگتا ہے۔

انسان کو اللہ کی طرف سے مُہلت ملتی ہے تو کمالِ عُروج پاتا ہے!

اے اہلِ آرزو! جب باریٔ تعالیٰ نے بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی، مال وثروت ملا، اور خوب ترقی ملی، تو پھر ان کی کج فہمی تو دیکھئے، کہنے لگے وہ مصیبت ہم پر کُفر وتکذیب کے سبب سے نہ تھی ورنہ یہ راحت کیوں ملتی یہ تو اتفاقِ زمانہ ہے یہ تو گردشِ لیل ونہار کا عمل ہے ایسے غم وآلام تو ہمارے آباؤ اجداد کو بھی پہنچے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُہلت ملتی ہے تو کمالِ عُروج پاتا ہے دولت وثروت پا کر، اقتدار واختیار پا کر عظمت باری تعالیٰ کو یکسر طاقِ نسیان کی طرح فراموش کر دیتا ہے یہ اسی وہم گمان میں رہتے ہیں کہ اچانک اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ الاعراف رکوع ۱۲ آیت ۹۴ تا ۹۹ کا خلاصہ

اَنبیاء علیہم السلام کی فرمانبرداری میں خوشحالی کا راز مضمر ہے:

اے نورِ شوق کے متوالو! یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں یہ ان ہی کے کرتوتوں کا صلہ ہے اگر یہ لوگ رسولوں کی مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے حقیقت احوال تو یہ ہے کہ انبیاء کی فرمانبرداری میں خوش حالی کا راز مضمر ہے اگر یہ لوگ ایمان قبول کرتے، اور شعار تقویٰ اختیار کرتے تو اُن کو پتہ چلتا کہ تقویٰ کا عمل نُزول و برکات کا عمل ہے تقویٰ کا عمل رحمتِ ابرِ کرم ہے تقویٰ قلب کی اس احساسِ کیفیت کا نام ہے جو فیضان نبوّت سے عطا ہوتی ہے یہ نزول رحمت کی ساعت پر جب سالک کے دلِ حزیں پر پڑتی ہے تو ارض وسماء میں برکات اور رحمت بے پایاں کے باب کُھل جاتے ہیں انسان ذات باری تعالیٰ کو اپنے روبرو پاتا ہے اور نافرمانی کی ہمت نہیں کرتا۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ کہ آسمان اور زمین کی تمام تر مخلوقات اور موجودات کا انحصار برکات ایمان و پرہیزگاری پر ہے اگر ان کو اپنایا جائے تو آخرت کی اصلاح وفلاح کے ساتھ دنیائے رنگ وبُو کی نیکی اور برکت ملتی ہے ایمان اور پرہیزگاری سے دامن چھڑا لیا جائے تو قہر الٰہی کسی وقت بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ دور جدید کے حالات کے دائرہ کار کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت محسوس ہوتی ہے کہ آج تک کل ظاہری طور پر زمین کی پیداواری صلاحیّت (Scale Of Prodution) بہ نسبت پہلے کے بہت زائد ہے اصول معاشیات کا نظریہ (Recordian Theory) ریکاڈو کا نظریہ ناکام ہو چکا ہے استعمال کرنے والے اشیاء کی بُہتات ہے نئی نئی ایجادات نے بظاہر انسان کی زندگی کو سہولت عطا کر دی ہے مال وزر، ساز وسامان کی کثرت بہت زیادہ ہے اس کے بعد دُور جدید کا انسان بے کیفی کا شکار ہے سخت الجھن میں تنگدست دکھائی دیتا ہے راحت وآرام کا فُقدان، اے صاحبو! کیا کبھی آپ نے غور کیا، اس کا سبب کیا ہے، اس کی وجہ ایک ہی ہے، برکت مٹ/اُٹھ گئی ہے۔ برکت کا مفہوم کیا ہے! برکت سے مراد ایسی فراوانی جس میں سکھ، چین، آرام وراحت ہو اور یہ فرحت وراحت، انسان کے مال پر بھی ہوتی ہے جان میں بھی، کام میں بھی، اور وقت میں بھی، گویا برکت ایک نعمت ہے۔

اگر حقوق اللہ، حقوق العباد کی پابندی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہو جاتی ہے

اے صاحبو! جب خود غرضی اور نفسانفسی بام عروج کو پہنچ جاتی ہے اور انسان بے خبر ہو جاتا ہے تو اچانک اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے عیش وطرب میں پڑ کر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناگہانی گرفت سے بے فکر ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تباہی اور بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہو جاتی ہے۔

گویا مسلسل معصیت کے سبب لوگوں کے دلوں پر مُہر لگا دی جاتی ہے

اے صاحبِ حُسن وعشق! دور حاضر کے لوگ جو سابقہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی زمینوں اور مکانات کے وارث ہوگئے یا آئندہ ہوں گے، کیا انہوں نے ماضی کے حالات جو عبرت ناک تھے اُن سے یہ سبق نہیں سیکھا اور مسلسل کُفر اختیار کر کے احکامات باری تعالیٰ کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں گُناہ کے سبب ایسے تباہ ہوئے کہ سوائے عبرت کے باقی نہ بچا، کیا انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اسی طرح یہ بھی انہیں جرائم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے انہیں کون

Marfat.com

بچا سکتا ہے! حالانکہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور واضح نشانیاں موجود ہیں گناہوں کے سبب صرف عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر تالے بھی پڑ جاتے ہیں۔ گویا مسلسل مَعْصیت کے سبب لوگوں کے دلوں پر مُہر لگا دی جاتی ہے وہ آوازِ حق کی سماعت سے نہ صرف محروم ہو جاتے ہیں بلکہ نصیحت وَپند بھی اُن کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں وہ ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔

اسلامی تعلیمات اور قرآنی منہاج انسانی نفسیات کے بدلتے ہوئے طریق زندگی کی اصلاح کرتا ہے

اے راہِ حق کے مَتوالو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس توراۃ، مُعجزات اور دیگر نشانیوں کے ساتھ ارسال کئے گئے اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مگر ان لوگوں نے مُعجزات کی بڑی بے اَدبی کی پھر سب نے دیکھا کہ فساد برپا کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، فرعون نے آپ علیہ السلام سے نَبوّت کا نشان طلب کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو مُعجزات قابلِ ذکر ہیں، ایک ہاتھ سے عصا کو پھینکتے تو وہ عَصا اژدھا بن جاتا، دوسرا یہ کہ ہاتھ کو بغل میں دبا کر نکالتے تو وہ روشن اور سفید ہو جاتا لیکن پھر بھی فرعون اور اس کے سرداروں نے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، اسلامی تعلیمات اور قرآنی منہاج تربیّت کا یہ طریقہ عمل ہے کہ وہ انسانی نفسیات کے بدلتے ہوئے طریق ہائے زندگی کی اصلاح کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِنسانی زندگی صرف ایمان اور اسلام کی اَساس پر ہی صحیح ہو سکتی ہے جب تک اللہ وحدہٗ کو الہٰ نہیں مانا جاتا، جب تک سرزمین بندگی اور غلامی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہیں کر دی جاتی۔ حق بندگی تب ہی ادا اور قائم ہو گا جب ہم اللہ تعالیٰ کو حاکم تسلیم کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے جو انبیاء کرام علیہم السلام اولاد میں سے تھے، فرعون کی غلامی اور قید سے نجات دِلا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اَرضِ مقدس لے جانا چاہتے تھے۔

جادُوگر کا شیطان سے رابطہ ہوتا ہے نبی کا تعلق ربط ذاتِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے

اے اہلِ حُسن وعشق! ایسا لگتا ہے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مُعجزات سے متاثر ہو کر، ہیبت زدہ ہو کر اپنے درباری اور دیگر لوگوں کو جمع کر کے اظہار کیا تو فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یہ تو ماہر جادوگر ہیں معاذ اللہ! یہ ساحرانہ کرشمے کے ذریعہ مخلوق کو اپنی طرف راغب کر کے اثر و اقتدار پیدا کر کے بنی اسرائیل کی حمایت اور حریت کا سہارا لے کر، یہاں کے باشندے قبطیوں کو اُن کے وطنِ عزیز مصر سے بے دخل کر دیں گے، بالآخر مشاورت کے ذریعہ یہ طے پایا کہ انہیں مُہلت دی جائے کہ اِس جادوگر کا مقابلہ اپنی قوم کے ماہر ساحروں سے کرائے تاکہ یہ شکست سے دوچار ہو کر اپنے انجام کو پہنچے۔ جب جادوگر جمع ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم کو غلبہ مل گیا تو ہمیں کیا صلہ ملے گا فرعون نے جواباً کہا تم سب میرے مقرّب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے، ایک طرف مقابلے کے لئے فرعونی تکبّر کا لاؤلشکر تھا، جادوگروں کی فوج ظفر موج تھی اور دوسری جانب اللہ کا پُرعزم رسول علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ہمراہ بالوں کے کمبل کا لباس کچے چمڑے کے جوتے اور ہاتھ میں عصائے تنہا، تائید باری تعالیٰ کے ساتھ جلوہ فگن تھا۔ جادُوگر ناواقف آداب رُبوبیّت ونبُوّت تھے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عَظمت، اعجازِ دلیل کے قائل ضرور ہو گئے تھے، یہ بات قابلِ ذکر ہے چنانچہ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ

Marfat.com

''جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے ادب کا معاملہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بخشی فرعون نے غرور کیا لہٰذا محروم رہا۔'' ادب کا ثمر ضرور ملتا ہے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا پہلے آپ عصا ڈالیں گے یا ہمیں اجازت ہے کہ ہم پہلے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا، قوت تخیلات پر عمل سمر یزم کر کے آدمیوں کو خوفزدہ اور پریشان کر دیا، جادو اور معجزہ میں کئی طرح سے فرق ہوا کرتا ہے ''جادوگر کا شیطان سے رابطہ ہوتا ہے اور وہ پلید اور بدکار ہوتا ہے جبکہ نبی کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہوتا ہے اس لئے عقائد اور اعمال میں پاکیزگی کا عنصر پایا جاتا ہے۔

سحر عروج پر تھا، ایسے میں ربِّ جلیل نے موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر القا کیا، موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ''اپنا عصا ڈال دو'' عصا کا پھینکنا تھا کہ عظیم اژدھا نمودار ہوا وہ سب کو نگلنے لگا، یہ حق کی جیت تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں پر فتح عظیم پائی، اور باطل کو شکست ہوئی، وہ صرف مغلوب نہیں ہوئے بلکہ اُن کو رُسوائی بھی ملی، حق غالب ہوا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور باطل جو انسانی فعل عمل تھا معدوم ہو گیا۔ عصائے موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر اور جادوگر خدائی نشان دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے، یوں کہئے کہ جادوگر عارفین حق بن گئے، یوں جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد فرعون عالمِ پشیمانی اور صورتِ غیظ وغضب میں گویا ہوا، ''یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا استاد ہوگا'' (بحوالہ تفسیر عثمانی) فرعون نے کہا تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لے آئے، یہ تم سب کی ایک گہری سیاسی سازش ہے تمہاری سازش کو پوشیدہ تدبیر کا نام دیا جا سکتا ہے کہ تم ملک کے باشندوں کو ملک سے بے دخل کر دو، تمہاری اس حرکت پر تم کو سزا دوں گا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوا دوں گا اور اس نصف بدنی کو سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

☆ ......جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے...... ☆

اے اہلِ آرزو! دین اور آخرت کا علم، یا صفات باری کی حقیقت دانش نہیں ''قلبِ حزین'' سیکھا تا ہے، جذبہ یقین اور شوق شہادت کا جذبہ عمل تو دیکھئے ابھی چند ساعتوں پہلے جو جادوگر کافر تھے، مؤمن کی زندگی اپنانے کے بعد عزمِ یقین کی سعادت پاتے ہوئے کہنے لگے! اگر تم ہمیں سولی پر چڑھا دو گے تو بڑا لطف آئے گا اور ہم رشد اور فیض جمال پا کر اپنے ربّ کے حضور پہنچ جائیں گے اور عظمت باری تعالیٰ پا جائیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے کی یہ سزا ہے تو ''گر قبول افتدز ہے عزّ وشرف'' کے مصداق ہم یہ جان اسی مقصدِ حیات پر نثار ہونی چاہئے پھر انہوں نے دعا کی اے ربِّ جلیل ہمیں اسلام پر موت نصیب فرما، ہمیں صبر واستقامت عطا فرما، اقبالؔ کی زبان میں ع

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے ☆ جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

یہ کہنا بجا ہے بلکہ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ زندگانی کے اپنے اسرار ورموز ہوتے ہیں اور جن کو حیات کی تمام لذّتوں سے بڑھ کر عظمتِ دینِ اسلام عزیز ہے اور جنہوں نے صبحدم آفتاب کے طلوع کے وقت فرعون کا سحر دیکھا تھا شام ڈھلے آفتاب کی ڈوبتی کرن نے انہیں موسیٰ علیہ السلام کے شہداء کی فہرست میں دیکھا۔ سبحان اللہ

Marfat.com

تمام پریشانیوں کا حل، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے، جس کا آسان عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے

اے صاحبِ حُسن وعشق! جب حق کے نشان کی علامت دیکھنے کے بعد جادُوگر سجدہ ریز ہوئے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دَستِ تعاون بڑھانا شروع کیا اور اکثر قبطیوں کا مَیلانِ طبع اُن کی طرف ہونے لگا تو فرعون کے رہنما، یوں کہئے کہ راہ نما، تو قدرے گھبرائے اور فرعون کو یہ کہہ کر تشدد وظلم پر اُکسایا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ آزادرہ کر عام لوگوں کو اپنی طرف راغب کر کے علَمِ بغاوت بلند کردیں گے وہ سب مل کر ہمارے خلاف نبرد آزما ہوجائیں گے کیونکہ جادوگروں کا طلسمِ باطل تو ٹوٹ چکا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے قبل بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر داستانِ ظلم کا آغاز کردیا تھا، نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کردیا جاتا، اس خوف سے کہ اہل نجوم نے فرعون کو خبر دے دی تھی کہ بنِی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے اُس کی عَنانِ سلطنت زوال پذیر ہوگی، اورلڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تا کہ وہ خدمت پر مامور رہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ میں بتایا تھا کہ نجات کا ایک نسخہ کیمیاء ہے تمام پریشانیوں کا حل اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے جس کا آسان عمل اللہ کی اطاعت کو اختیار کرنا ہے اور صبر کا دامن تھامنا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ زمین کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، شعارِ تقویٰ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جیسے چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اقتدار تو نیابت اور خلافت کا نام ہے۔

☆......اقتدار بھی بڑے امتحان کی ایک منزل ہے......☆

اے راہِ حق کے طلب گارو! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے دامن عصیاں کو داغ دار مت کرو، فرمانبرداری کا شعار اپنالیا جائے تو اللہ تعالیٰ اقتدار ظالم سے چھین کر مظلوم کو دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ رہا سوال آخرت اور دائمی زندگی کا تو اس کا فیصلہ تو صادر ہوچکا ہے، وہ صرف صالحین اور اہلِ تقویٰ کا حصّہ ہے آخر کامرانی اور کامیابی صرف متقی اور پرہیز گار کے لئے ہے۔ استقامت انہیں نصیب ہوتی ہے جو نیکی کرتے ہیں اور گُمراہی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں باری تعالیٰ عنقریب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا، اور تمہیں اللہ کی طرف سے اقتدار نصیب ہوگا۔ پھر وہ تمہیں آزمائے گا کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو اگر اقتدار میں ظلم کی روش اختیار کی تو تم بھی اپنی تباہی و بربادی کا ساماں کروگے۔ اقتدار بھی بڑے امتحان کی ایک منزل ہے ہر فرد اپنے عمل کا جواب دہ ہوگا غلطی کا ارتکاب کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں پکڑے جائیں گے۔ العیاذ باللہ۔

انسان تو حَسنات اور سیئات سے وابستہ رہتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتا ہے

اے طالبِ حسن وسرور! اللہ تعالیٰ نے اہل فرعون کو تنبیہ کے طور پر دیناوی مصائب وآلام میں مُبتلا کیا ان پر قحط کا تسلّط ہوا پھلوں میں کمی ہوئی تا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحت پر عمل پیرا رہیں لیکن وہ تو

اور زیادہ گستاخ ہو گئے جب قحط دور ہوا اور خوشحالی ملی تو اس نے اس کو اپنا استحقاق سعادت سمجھ لیا، جب وسعت رزق کی صلاحیت کا ادراک ہوا تو اس کو اپنی خوش نصیبی اور اقبال مندی جان لیا اگر قدرتی آفت کا شکار ہوئے تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء کی نحوست قرار دیا، لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بدکار کے اعمال کی نحوست ہی تباہی کا موجب ہوتی ہے اسی صورت حال سے یہ دوچار تھے، باری تعالیٰ کی حکمت تو اس بات کی متقاضی رہتی ہے کہ انسان تو حسنات اور سیئات سے وابستہ رہتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتا ہے تاکہ انسان کو آزمائش میں ڈالا جائے لیکن جن کے دل، حق، ایقان، ایمان اور صداقت سے محروم ہیں ایمان لانے والے نہیں، اس کی سیاہی قلب کا معاملہ تو یہ تھا کہ کہنے لگے یہ سب کچھ آپ کے جادو کے ثمرات کا اثر ہے اور ہم نے طے کر لیا ہے آپ علیہ السلام پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے پھر کیا ہونا تھا آلِ فرعون طرح طرح کے عذابات سے دوچار ہوئے طوفان بادِ باراں آیا، طاعون پھیلا، خون کا عذاب آیا، اللہ تعالیٰ نے ٹڈیاں بھیج دیں، جس سے نہ صرف کھیت تباہ ہوئے بلکہ دہقان کے گھر سے لکڑی کا سامان بھی کھالیا، غلّہ میں گھن لگ گیا، مینڈک کا عذاب آیا، آخر کار مصائب کائناتِ رنگ و بُو سے گھبرا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، دعا کا اثر یہ ہوا کہ بارش تھم گئی خسارے کے بجائے پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوا، عذاب سے نجات پا کر اہلِ فرعون نے پھر عہد توڑا، بار بار ایفائے عہد فراموش کر دیتے پھر عذاب میں گرفتار ہوتے تو ہر دفعہ موسیٰ علیہ السلام سے دعا کے لئے کہتے، اور یہ عندیہ دیتے اگر عذاب ٹل گیا تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی سے ہمکنار کر دیں گے اور آپ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے لیکن "کچھ علاج اس کا اے چارہ گراں ہے کہ نہیں" کے مصداق ان کی بدبختی کا یہ شیوہ رہا کہ مصیبت کی گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے عہد و پیماں کرتے اور جب بلا ٹل جاتی تو پھر وہی روش اپناتے جو کُفر و معصیت کی ہے۔

ہونا کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ وہاں سے چل دیئے جب بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں پہنچے تو دیکھا اہلِ کنعان کے ساتھ رہ کر وہ پھر بُت پرستی کا شکار ہو گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم مجھ سے توقع رکھتے ہو کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے دَر پر لے جاؤں گا یہ حرف غلط کی طرح غلط ہے۔ کیا تم نے یہ فراموش کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی فرعون اور اس کی قوم کو غرقابِ غرقِ دریا کر دیا۔

خلوت متوجہ الی اللہ ہونے میں بڑی اہمیّت کی حامل ہے
اصلاح باطنی کے لئے خلوت ضروری ہے

اے اہلِ حُسن و عشق! جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے سکون ملا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر بُت پرستی صحیح نہیں تو ہمارے لئے کوئی شریعت تو ہونی چاہئے جس پر ہم دل جمعی کے ساتھ عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی کامرانی پالیں، تو باری تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کم از کم تیس دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا اعتکاف کرو اور پے در پے روزے رکھو گے تو تم کو توراۃ عنایت کی جائے گی، خلوت کا فیضِ اثر یہ ہوتا ہے کہ خلوت متوجہ الی اللہ ہونے میں بڑی اہمیت کی حامل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا "جو شخص چالیس روز خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو

Marfat.com

اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری ہو جائیں گے'' اس حدیث مُبارکہ سے معلوم ہوا کہ اصلاحِ باطنی کے لئے خلوت ضروری ہے۔

ارض وسماء کہاں تیری وسعت کو پا سکے، میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

اے صاحبِ حُسن وسرور! چالیس دن کی مدت پوری ہو چکنے کے بعد باری تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص وممتاز انداز میں شرف ہمکلامی سے مشرف کیا، اعزاز شرف کلام ملنے کے بعد، لذت بے پایاں پائی تو کمال اشتیاق سے جمالِ دیدار کی پھر طلب بڑھی، بے اختیار زبان پر آ ہی گیا، رَبِّ اَرِنِیۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ! اے اللہ! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیجئے! تا کہ جلوۂ ذات کا دیدار کرسکیں، حضرت بہار کوٹی نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ تابِ دید نہ یارائے اختیار مجھے ☆ نہ یوں قرار مجھے اور نہ یوں قرار مجھے

تجھ ہی پہ چھوڑ رہا ہوں اب اپنی کشتی کو ☆ نہ خود کا ہوش نہ اوروں پہ اعتبار مجھے

گیتی کائنات میں کسی بشر انسانی کا یہ فانی وجود، اللہ کے دیدار کا متحمل نہیں ہوسکتا! گویا انسان کی نظر مادی لحاظ سے کمزور تر ہے یہ تجلی انوار الٰہی کی تاب نہیں لاسکتی ''اہلِ سنت والجماعت کا یہ ہی مذہب ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ دنیا میں عقلاً ممکن شرعاً ممتنع الوقوع ہے'' (بحوالہ تفسیر عثمانی)

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ انسان باری تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا، صرف اُس کی نشانیاں دیکھ کر اِدراک کے سبب اس کو پہچان سکتا ہے اور قلب حزیں اپنے فہم وذکاء کے مطابق تصوّر کر سکتا ہے خواجہ میر درد نے کیا خوب کہا ہے

ارض وسماء کہاں تیری وسعت کو پا سکے ☆ میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مل جائے وہی سب سے بہتر انعام ہے

اے صاحبِ آرزو! حکم ہوا موسیٰ علیہ السلام کو! کہ پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال کی ہلکی سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں کوہِ طور پر تجلی الٰہی پڑی تو پہاڑ کا وہ حصہ جہاں تجلی کا پرتو ڈالا گیا وہ توریزہ ریزہ ہوگیا تجلی باری کی ایک جھلک دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہوش سنبھلے تو کہہ اُٹھے اے اللہ! تیرا جمال ان مادی نگاہوں کی رسائی سے عظیم تر ہے دیدار نہ ہوسکا تو کیا ہوا، یہ شرف کیا کم ہے کہ رسالت سے سرفراز ہوئے، توراۃ عطا ہوئی اور بلا واسطہ کلام سے بھی سرفراز کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مل جائے وہی سب سے بہتر انعام ہے جو مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو، یہ انعام کس قدر عظیم تر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تختیوں کا عطیہ ملا، جس پر ہر قسم کی ہدایات اور احکامات تحریر تھے۔ حکم ہوا کہ قوم کو نصیحت کیجئے کہ اس پر احسن طریق سے عمل کریں البتہ جو لوگ غرور وتکبر میں مُبتلا ہیں انہیں ان آیات کو ماننے کی توفیق ہی نہ ہوگی گُناہ کے سبب ان کے قلوب پر کجی پیدا کر دی جائے گی وہ نافرمانی اور عصیان کے سبب رطفیل انہیں دنیا میں تباہی اور رُسوائی کا سامنا کرنا ہوگا اور آخرت میں دوزخ اُن کا مُقدر رہے۔

Marfat.com

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے سامنے عقل کی کوئی حیثیت نہیں

اے طالبِ حُسن وسرور! ذرا غور تو کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس دن گذارنے کے بعد اپنی قوم کی طرف رُخ کیا تو قوم کے لوگوں نے نبوّت کی پیروی اختیار کرنے کے بجائے اپنی عقل ودانش پر تکیہ کیا انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے سامنے عقل کی کوئی حیثیت نہیں وہ گمراہی کا شکار ہوئے اُن کی عدم موجودگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے نگراں مقرّر ہوئے تھے لیکن قوم کے لوگوں نے دوسری قوموں کی روش کو اپنایا چند زیورات سے گائے بچھڑے کی طلائی مورتی بنا کر گوسالہ پرستی میں مصروف ہوگئے یہ زیور جیسے ڈھال کر بچھڑا کا رُوپ دیا اصل میں یہ زیور فرعون کی قوم قبیلے والوں کا تھا ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا، سورۃ طٰہٰ پارہ ۱۶ قال الم میں بچھڑے کا تفصیل کے ساتھ احوال بیان کئے گئے ہیں یہاں ان کی حماقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ایک خود ساختہ مورتی سے گائے کی آواز سن لینے پر بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ گوسالہ پرستی کا منظر دیکھ کر غضب ناک انداز میں کہا کہ میرے بعد تم لوگوں نے یہ روش اپنا رکھی ہے توحید سے اس قدر جلدی انحراف کرنے لگے۔ اللہ کے حُکم آنے کا بھی انتظار نہیں کیا اظہار برہمی کے بعد اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر اپنی جانب کھینچنے لگے اس دوران تختیاں ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھیں جب پتہ چلا کہ ہارون علیہ السلام بے قصور ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

غیر اللہ سے اُمید وابستہ کرنا، رُسوائی اور ذِلّت کی علامت ہے

اے راہِ حق کے طلب گارو! جن لوگوں نے شرک کی راہ اختیار کی، بچھڑے کی پرستش کے سبب اُن پر عذاب باری تعالیٰ نازل ہوا غیر اللہ سے اُمید وابستہ کرنا رُسوائی اور ذِلّت کی علامت ہے جن لوگوں نے عقل کو ہی راہ نما جان لیا ہے اُن کو کائنات کے رنگ وبُو میں دو طرح کے عذاب کا سامنا ہوتا ہے اوّل اللہ تعالیٰ کا غضب، جس کا سبب عقیدے کا فتنہ ہے اور دوسرے آلام و پریشانی اور تذلیل، آج کے جدید تہذیب وتمدن کے معاشرہ میں مغرب زدہ بیزار طرزِ معاشرت اسی کی عکاسی کرتی ہے عقائد کی داستان گُمراہی کی طرف مائل ہے، آبرو نام کی کوئی شے اُن کے پاس نہیں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں رقمطراز ہیں کہ " دین میں بدعات اور رسومات کا اپنانا بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور ایسے لوگ گرفتار عذاب ہوتے ہیں" راہ ہدایت پانے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اگر گُناہ سرزد ہوگیا تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، ایمان لاکر، اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح نفس کے لئے توبہ سچے دل سے کی جائے شرک وکُفر کے بعد توبہ کرے، تو رَبّ کریم کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ بھی کمی نہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برہمی اور خفگی کی کیفیت کم ہوئی تو وہ تختیاں اٹھالیں جن میں توراۃ تحریر تھی ان میں راہ ہدایت تھی یہی برکت ورحمت کا سامان تھا کیونکہ توراۃ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا کلام تھا۔

---

❶ ......حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا ایک کڑک محسوس ہوئی باری تعالیٰ کا جلال کوہِ سینا پر جلوہ نما ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام چالیس شب وروز وہاں رہے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی۔ (بحوالہ ملخصاً از سفر خروج باب ۲۴، ماخوذ تفسیر فتح المنان، از محمد عبدالحق حقانی)

Marfat.com

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی اپنی قوم کو سنایا تو اُنہوں نے کہا کہ جب تک باری تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں اس وقت ایمان قبول نہیں کریں گے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ۷۰ افراد کو ایک وقت مقررہ کے لئے چُن لیا وہ قوم کی جانب سے ایفائے عہد کریں گے آئندہ شرک سے باز آجائیں گے پھر زلزلہ آگیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے نجات ملی۔

☆......آزمائش سے پناہ طلب کرنی چاہئے......☆

اے اہلِ حُسن وعشق! اللہ تعالیٰ تو قادر ہے اللہ جس کو چاہے ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور جس کو چاہے اطاعت نہ کرنے پر گُمراہی کی راہ دکھائے، آزمائش سے پناہ طلب کرنی چاہئے لوگ بُرائیوں سے اجتناب کریں زکوٰۃ کی ادائیگی کریں اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ملتی ہے۔

☆......خَاتمِ النَّبِین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے......☆

اے راہِ حق کے طلب گارو! رسول اللہ کی بعثت سے قبل انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر پہنچاتے رہے اور اپنی اپنی اُمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی نوید مسرت دیتے رہے، خصوصاً جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لئے اعلیٰ درجات کی درخواست کی تو حکم ملا، سب سے بلند درجات تو ان کا نصیب ہے جو نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پا کر ایمان کی سعادت سے سرفراز ہوں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری، اُن سے باہمی محبت اور اظہار اُلفت کمال رہنمائے عروج دین ٹھہری، حکم ہوا کہہ دو، میں تم سب کی طرف اُس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں تم ایمان لاؤ اور اتباع کرو اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا. جمہور اہل اسلام اس آیت سے یہ مفہوم لیتے ہیں خاتم النّبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر ہے۔ بَعثت کے بعد، جو آپ کا نام نامی اسم گرامی اور پیغام سنے اس پر ایمان قبول کرنا فرض ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا کافر ٹھہرا۔ یہی شعار ختم نبوّت ہے آپ کی بَعثت سے تکمیل نبوّت ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا اطاعت اللہ اور اطاعت رسول اس بات کی مظہر ہے کہ کلمۂ توحید کی گونج تا قیامت سنائی دیتی رہے گی، ایک جماعت اجتماعی غور پر ہر دَور میں نورِ نبوّت کی امین رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہی فلاح کی اساس ہے

اے اہلِ آرزو! یہ کچھ لوگوں کی بے خبری ہے کیسی غلط فہمی ہے آدمی کسی بھی مذہب پر رہے بس اچھے کام سرانجام دے، کسی کو تکلیف نہ دے، نیکی کرے سچ بولے تو نجات مل جائے گی نہیں یہ قطعاً غلط ہے حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا ہی بھلائی اور فلاح کی اساس ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہے تو بھی نجات کا حق دار ٹھہرا، ذرا سوچو تو سہی! کون سا ایسا گوشۂ رمز ہے آپ جہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی روشنی نہ پہنچ رہی ہو ارض وسماء میں ہر جگہ اللہ کی حکومت اور حاکمیّت ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں! اللہ تنہا ہے، وحدہٗ لاشریک ہے وہی حیات بخشتا ہے اور موت بھی دیتا ہے تو اے بنی آدم! تمہاری فلاح وصلاح اس میں مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا، اس کی یکتائی کا اقرار کرو اور نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تا کہ ہدایت پاؤ۔ یاد رکھو! موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گرُوہ ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہے اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کے ہم نے بارہ قبیلے جُدا جُدا کر دیئے جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے پانی طلب کیا تو یہ وحی تھی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، چنانچہ عصا مارا گیا تو اس سے بارہ چشمے نکلے، ہر گروہ کا الگ الگ چشمہ تھا جب پھر دھوپ سے تنگ ہوئے تو اُن کے لئے بادلوں کا سائباں بنا دیا گیا، آسمان سے بہترین کھانے من وسلویٰ کی شکل میں آئے جب بات تسلیم نہیں کی تو بدنصیبوں نے خود ہی نقصان اُٹھایا اب اللہ تعالیٰ کا کرم تو دیکھو! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا یہ کس قدر انسانیت پر احسان ہے۔

اے صاحبو! تم تو رسومات کو دین سمجھنے لگتے ہو یہ تو آفات سماوی کا موجب بنتا ہے اے بنی اسرائیل اس بستی میں رہو، حلال کھاؤ توبہ کرو، اللہ تعالیٰ جس دروازے سے گذریں سجدہ کرتے جانا اللہ تعالیٰ تمہارے گُناہ بخش دے گا۔

آج کے جدید سائنسی دور میں پوری اُمت مسلمہ فتنہ اَنتشار کا شکار ہے

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حق گوئی و بے باکی ہمارا شیوہ ہوتا؟

اے اہلِ حُسن و عشق! اہلِ یہود کی داستان، نافرمانیوں کا ایک طویل باب ہے، یہ اپنی زندگی کے طرزِ عمل میں دین حق کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر کے ریا کاریوں سے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے من مانے نظریات اپنائے ہوئے تھے، جیسا کہ اس سے پہلے کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات بدل دی، اللہ تعالیٰ کے احسانات کو وہ بھول گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن پر سخت عذاب! تارا، قرآن نے کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے یہ اس لئے ضروری قرار پایا کہ اُمت مسلمہ گذشتہ قوموں کی ان بدکرداریوں سے محفوظ رہے لیکن ہائے ہماری بدنصیبی، ہم خود بھی ایسے عمل کر رہے ہیں جو یہود و نصاریٰ کے تھے ہم خود اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے بے نیاز ہو گئے ہیں آج کے جدید سائنسی دور میں پوری اُمت مسلمہ فتنہ انتشار کا شکار ہے اور وہی گروہ ہم پر غالب ہو رہے ہیں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ درسِ عبرت سیکھ کر بداعمالیوں سے محفوظ رہتے اقبال کی زبان میں مردِ مومن بنتے، حق گوئی اور بے باکی ہمارا شیوہ ہوتا۔

☆......اہلِ یہود نے سبت کے حُکم کی حُکم عدولی کی یہ حرمت شکنی ہے......☆

اے طالبِ حُسن و سرور! یہود پر سبت (ہفتہ) کے دن، شکار کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مُمانعت تھی، لیکن اہل یہود نے سبت کے حُکم کی حُکم عدولی کی یہ حُرمت شکنی ہے۔ ہفتہ کے دن، تو مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی، پانی کے اوپر سے دکھائی دینے لگتیں اور باقی دنوں میں نظر نہ آتیں یہ دراصل ایک آزمائش تھی ایلہ کے لوگ، سمندر کے کنارے بستی میں آباد تھے، انہوں نے پانی کی نالیاں مچھلیاں پکڑنے کے لئے کھود رکھی تھیں تو سَنیچر کے دن شکار کرنے پر آمادہ ہو گئے، اکثر نے منع کیا کچھ نے کہا اُن پر کوئی آفت آنی چاہئے باوجود منع کرنے کے یہ باز نہ آئے سَرکشی اختیار کی، آخر کار دنیا میں اس کی سزا بھگتنی پڑی، چہرے مسخ ہو گئے جس سے بندروں کی شکل دکھائی دینے لگی نتیجہ یہ نکلا کہ تین دن بعد مر گئے بنی اسرائیل کے انبیاء کی معرفت باری تعالیٰ کا یہ اعلان ہوا کہ نافرمانی کے سبب یہود پر ہمیشہ کسی نہ کسی طاقت کا تسلط رہے گا جو اُن کو سخت ایذاء میں مُبتلا رکھے گی چنانچہ ہوا بھی یہی ان پر دشمن مُسلّط ہونا شروع ہوئے چنانچہ ''سفرِ استثناء'' کے باب گیارہ، درس ۲۸ میں اور خاص کر باب ۸ درس ۱۹ میں بتایا گیا بنی اسرائیل بدکاری کے مُرتکب ہوئے اِس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد سے

Marfat.com

ان پر دشمنوں کا تسلط ہے، کبھی بابل، اور نینوا نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا، پھر شاہانِ مصر نے تباہ کیا پھر سکندر اعظم کے زمانے سے لے کر آج تک یہودی اسیر چلے آئے ہیں، معلوم یہ ہوا ہے حق کے خلاف کرنا، فرقہ بندی، گروہ بندی دنیا کے لئے عذاب الٰہی ہے۔ (بحوالہ تفسیر فتح المنان جلد دوئم از عبدالحق حقانی ")

☆......انسان کی سَرشت میں ربُوبیت باری تعالیٰ کا عقیدہ داخل ہے......☆

اے نورِ شوق کے مَتوالو! جہاں تک دینی شعور کی بات ہے وہ ازل ہی سے انسان میں وَدیعت کردی گئی ہے تمام عقائد اور ادیان سماوی کا اساسِ عمل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات، اور ربوبیت پر ایقان اور اعتقاد رکھے انسان کی سرشت میں ربُوبیّت باری تعالیٰ کا عقیدہ داخل ہے ذرا عہد الست کی تحقیق پر غور تو کیجئے ارواح کو تخلیق کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا گیا باری تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت سے تمام اَولاد کو نکالا پھر ان کو عقل سلیم اور گویائی عطا کی، اور کہا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ، کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں، سب نے کہا بَلٰی کیوں نہیں، بے شک تو ہی ہمارا پروردِگار ہے پھر کہا میں تم پر ساتوں آسمان، اور ساتوں زمین اور آدم علیہ السلام کو گواہ بناتا ہوں کہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہنا کہ ہم کو خبر نہ تھی تم کو اس بات کا علم رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تم میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اس عہدِ میثاق کی یاد دلانے کے لئے تمہارے پاس رسول آتے رہیں گے کتابیں نازل ہوتی رہیں گی۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت کا اقرار نہیں لیا بلکہ ربوبیت کا اقرار لیا گیا ہے" (بحوالہ تفسیر اسرار التنزیل جلد سوئم از محمد اکرم اعوان) اس کی ایک واضح تمثیل یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کے سوا، اُمید وابستہ کرے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کی غلامی اپناتا ہے لیکن اس کا عقیدہ واضح ہو جائے کہ میری تمام ضرورتوں کا کفیل صرف اللہ ہی تو ہے پھر کوئی قدم نافرمانی کی طرف نہیں جاتا اگر خطا ہو جاتی ہے تو اپنی نسیان پر توبہ کرتا ہے اور بخشش مانگنے لگتا ہے تو پتہ یہ چلا اس طرزِ عمل سے کہ ربوبیت کا اقرار لیا گیا، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان آیات دیکھ کر اور ان کو حق ماننے کے بعد بھی گمراہی اختیار کر لیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان آیات پر عمل پیرا نہیں ہوتا، اور اپنی نفس کی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے تراشے ہوئے نظریات اپنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان کے باطل نظریات کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ استعداد و صلاحیت کو غلط کاموں میں لگا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیدھی راہ سے ہٹ جاتا ہے ایسا آدمی آنکھیں، کان اور قلبِ حزیں رکھنے کے بعد ان سے کام نہیں لیتا، گویا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں ایسے معاشرے کے اندر افراد جہنّم کے مستحق ہیں

اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں اللہ کو اچھے ناموں سے یاد کرو اس کے اسماء مُبارکہ میں کج روی نہ کرو۔ سچی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کی راہ نمائی کرتا ہے اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

☆......تکذیب کرنے والوں کے لئے استدراج اور گناہ پر مُہلت ڈھیل ہے......☆

اے نورِ شوق کے متوالو! جو لوگ کُفر اور تکذیب کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ بُرائی کی روش اپناتے ہیں اور رفتہ رفتہ دستِ قدرت کی سختی میں آتے ہیں ہائے رے افسوس! انہیں اس کی خبر ہی نہیں ہو پاتی، تکذیب کرنے والوں کے لئے

Marfat.com

استدراج، گناہ پر مُہلت ڈھیل ہے باری تعالیٰ قانون امہال رُمہلت کے تحت منکرین حق کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سبب مُہلت دیتا ہے تاکہ انجام سے بے خبر لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر اس انداز سے پکڑا جائے کہ انہیں خبر بھی نہ ہو، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر بہت ہی مستحکم ہے۔

☆......رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی حقانیت کی دلیل ہے......☆

اے اہلِ آرزو! کیا کبھی لوگوں نے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی حقانیت کی دلیل ہے کیا تمہیں پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اتنی مخالفتوں اور سختیوں کے باوجود شب و روز، مسلسل عزم نو کے ساتھ مشقت اٹھا کر اللہ کی آیات اور کلام کیوں پہنچاتے ہیں یہ دعوتِ دین وحق اس لئے دیتے ہیں کہ انہیں تمہارے لئے باعث رحمت و برکت بنا کر بھیجا گیا ہے وہ انسانوں کے خیر خواہ ہیں، انہوں نے اپنی عمر عزیز تمہارے ہی ساتھ گذاری ہے وہ امین اور صادق تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا پیام اور پیغام لے کر آئے ہیں وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں تمام کائنات کی نشانیاں، اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت فکر و عمل دینے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی آیات اور کتابِ ربانی تسلیم کرنے میں کیا عذر باقی ہے؟ اچھی طرح سمجھ لو، کہیں ایسا تو نہیں، موت و ہلاکت کی گھڑی قریب سے قریب تر آ گئی ہو، اور موت کی وادی میں قدم رکھنا پڑے، تو پھر کیا انجام ہوگا۔

☆......کھول آنکھ، زمین دیکھ، فضا دیکھ، فلک دیکھ......☆

اے طالبِ حُسن وسرور! اگر آیات ربّانی پر ایمان اب بھی نہ لایا گیا تو کون سا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی آس لگائے بیٹھے رہو، اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ بعد الموت جو کچھ تیاری کرنی ہے فی الفور کر لی جائے سورج کو ہر روز مشرق سے طلوع ہونا ہے اس لئے آنکھیں کھولنے کی ضرورت ہے فکر و عمل اور سارے سامانِ ہدایت کے رکھے رہ جائیں گے اس لئے اقبالؔ نے کہا

کھول آنکھ، زمین دیکھ، فضا دیکھ، فلک دیکھ ☆ مشرق کے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن کا تعلق باری تعالیٰ سے ٹوٹ گیا اور جب ربّ جلیل ہی نے اُن کی توفیق ہدایت سلب کر لی تو بھلا اب کون انہیں ہدایت بخش سکتا ہے! کفّار سوال کرتے ہیں قیامت کب وقوع پذیر ہوگی، بات تو یہ ہے کہ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے حکمت و مصلحت کے تقاضے کے پیش نظر یہ بات انسانوں سے پوشیدہ رکھی گئی ہے جب اس کا وقت آئے گا اچانک آجائے گی کچھ بھی تاخیر نہیں ہوگی۔

☆......نبوّت کے مَنصبِ جلیلہ کے مطابق خود نبی اپنے نَفع پر اختیار نہیں رکھتا:......☆

اے صاحبو! نفع ونقصان صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ کے دستِ قدرت میں ہے نبوّت کے مَنصب جلیلہ کے مطابق خود نبی اپنے نفع پر اختیار نہیں رکھتا، غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے میں تمہارے سود اور خسارے کی کیا بات بتاؤں، اللہ جب

چاہتا ہے سب باتوں کا علم، موقع پر عطا کرتا ہے لوگوں کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو خوشی ورنج سے واسطہ پڑتا رہا ہے رسول کے ذمہ تو اللہ کا پیام پہنچانا ہے غلط کاموں سے منع کرنا ہے برائیوں سے نجات دلانا ہے تاکہ قیامت کے روز، ذِلّت ورُسوائی نہ ہواس لئے یہ زندگی جو عطا ہوئی ہے یہ لمحہ انعام ہے نیکی اختیار کرلو، عروج زندگی اور کمال زندگی کے لئے ضروری ہے کہ عقیدے اور عمل کی اصلاح مل جائے یہ نعمت تو ان کا مقدر رہے جو منزلِ ایمان پاتے ہیں رسول ﷺ سے فیض کی اساس ایمان ہے اور وہ بھی ایمان کامل۔

☆......گویا بنی نوع انسان کی تخلیق ایک ہی مرد عورت سے ہوئی ہے......☆

اے راہِ حق کے طلب گارو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک وجود آدم سے پیدا کیا پھر نسل انسانی کی بقاء کے لئے اُسی وجود میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا گویا بنی نوع انسان کی تخلیق ایک مرد اور عورت سے ہوئی ان میں باہمی محبت اور ایک لذّت وصال رکھ دی، جب عورت ومرد کا باہمی اختلاط رملاپ ہوا تو فطری مطالبہ کی تسکین کے لئے ایک دوسرے کو راحت وسکون کا ذریعہ بنادیا جب یہ ایک دوسرے سے ملے تو حمل قرار پا گیا شکم مادر میں جب حمل کا ثقل محسوس ہوا تو دونوں نے باری تعالیٰ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ تندرست، بچہ عنایت کرتا کہ ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔

جب حق سبحانہٗ تعالیٰ سالم وتندرست اولاد عطا کرتا ہے تو اُن کے اعتقادات میں یکسر تبدیلی آجاتی ہے اور انسان طرح طرح کے شرک میں مُبتلا ہو جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت جمال اور کمال صفات میں شریک بنانے لگتے ہیں وہم وگُمان گھر کر خیال کرتے ہیں یہ کسی بُت کی نذر و نیاز کے سبب ملا ہے، توہمات اور توہمانہ رسم اپنانے لگتے ہیں، پھر یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن کو پُکارتے ہیں جو بے جان ہیں وہ اپنے لئے تو کچھ نہیں کر سکتے! دوسروں کی مدد کیا کریں گے، بندۂ مؤمن تو بُتوں کی پرستش نہیں کرتا، بندۂ مؤمن کو علم ہے یہ پتھر کے صنم ہیں یہ تو انسانی تراش خراش کے خود ہی محتاج ہیں یہود ونصاریٰ میں بھی راہب تھے جو لوگوں کو گُمراہی کی طرف مائل کرتے تھے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کا در چھوڑ کر کسی دوسرے سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں کیا اُنہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ ان بُتوں کے پاؤں تک نہیں جو چلنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، ان کی آنکھیں نہیں جو دیکھ سکیں، ان کے کان نہیں ان میں سننے کی صلاحیت نہیں۔

اے صاحبو! بندۂ مؤمن جانتا ہے اللہ تعالیٰ میری حمایت کرنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت ودانائی سے پُر کتاب نازل کی ہے اللہ بندوں پر اپنے احکامات کے ذریعہ بندوں کو اُصلاحِ نفس کی دعوت دیتا ہے اُن کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہے ''تجلی تیری ذات کا سو بہ سو ہے'' کے مصداق اللہ تعالیٰ ہر وقت اُن کی فریاد سنتا ہے جب اہلِ ایمان لوگوں کو دعوتِ حق دیتے ہیں تو مُشرک لوگوں کو حق بات ماننے اور سننے کے آمادہ نہیں ہوتے مؤمن کو تلقین عمل یہ دی جارہی ہے کہ مکارم اخلاق کا اعلیٰ اور ارفع نمونہ بن کر شرکتِ اسلام کی خاطر صبر، تحمل، درگذر، اور بردباری کو اپنا شیوہ عمل بناؤ۔ عدو اسلام اور مخالفوں کی فتنہ پردازی، اور اشتعال انگیزی کا جواب دامن صبر، اور قوت ایمانی اپنا کر دیا جائے گا تو ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ حق وباطل کے اسرار ورُموز اِن لوگوں پر کُھل جائیں گے اور آخرت میں ان کے طرزِ تغافل کے بدلے سب کچھ ظاہر ہونا ہی ہے۔

سورۃ الاعراف رکوع ۲۴ آیت ۱۸۹ تا ۲۰۶ کا خلاصہ

Marfat.com

☆......جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں......☆

اے صاحبِ حُسن وسرور! اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل اطاعت کرتے ہیں بقول اقبالؔ ''جہاں میں اہلِ ایماں صورت خورشید جیتے ہیں'' وہ شیطان کے وسوسے پر عمل نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طالب ہوتے ہیں قرآن پڑھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حُکم کے مطابق کان لگا کر بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور خاموشی اختیار کرتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ قرآن باعث رحمت اور سراپا ہدایت ہے اس لئے باری تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف عمل رہتے ہیں عبادت سے، ذکر اللہ سے، روحانیت کے بلند درجات پائے جاتے ہیں۔

الحمدللہ سورۃ الاعراف مکمل ہوئی وماتوفیقی الا باللہ

عذرہائے من پذیر

سورۃ الانفال

☆......حصولِ تقویٰ پر اپنی توجہ مرکوز رکھو، اصل دولت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے......☆

اے طالبِ حُسن وسرور! مال غنیمت کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو جان لو! یہ مال رَبِّ جلیل کا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف سے اس کے رسول کا ہے یہ اور بات ہے کہ سابقہ اُمتوں کو مال غنیمت لینے کی اجازت نہیں تھی بتایا گیا کہ مال کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کے حُکم کا انتظار کرو، آپ باذن باری تعالیٰ فیصلہ صادر فرمائیں گے۔ لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ حصولِ تقویٰ پر اپنی توجہ مرکوز رکھو! اہل ثروت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اصول عمل سے عبارت ہے مال وزر کی تو کوئی قدر وقیمت ہی نہیں! غزوۂ بدر کے معرکہ حق وباطل میں نوجوان اور عمر رسیدہ لوگ بھی شریک جہاد تھے کچھ لوگ رسول اکرم ﷺ کی حفاظت میں مامور تھے ان میں ہر ایک متمنی تھا کہ غنیمت کا مال ہمارا حق ہے حوصلہ اور ہمت عزم بڑھانے پر فرمادیا تھا کہ جہاد میں عزم وایثار، قوت وصلاحیت کا مظاہرہ کرنے والوں کو اس کا بدلہ غنیمت میں ملے نوجوان بھی اپنا حق طلب کرنے لگے اس مال غنیمت پر فیصلہ کرنے کے لئے آیات ربانی کا نزول ہوا ان میں اہل ایمان کو اصولی ہدایت کا عملی درس ملا مال غنیمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے کیونکہ نصرت اللہ کی مدد سے ملتی ہے اس کے لئے تصرّف پر حق اختیار بھی اللہ کے رسول کا ہے جو کچھ کیا جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے عہد کرو تو پورا کرو، اللہ کی ناراضگی سے خوف کھاؤ آپس میں چھوٹے چھوٹے امور پر مت اُلجھو، باہمی تعلقات میں اصلاح کرو ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو مقدم رکھو۔

☆......ہر دل پر چھا رہا ہے رُعبِ جمال تیرا......☆

اے صاحبو! ایمان کا تقاضا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا نام آئے تو دل اللہ کے جلال وجمال سے کانپ اُٹھے، خوف باری تعالیٰ دل حزیں میں اِس انداز سے سما جائے کہ قلب ونظر کو سکوں میسر

Marfat.com

آ جائے ''ہر دل پہ چھا رہا ہے رُعب جمال تیرا'' کے مصداق جب ذکر باری تعالیٰ لب پہ آئے تو قلبی کیفیات میں رُوح کو تسکین وراحت کا احساس ہو جائے، اور جب مؤمن کے سامنے کلام اللہ کی تلاوت کی جائے، تو ایمان میں تازگی اور فرحت اور وُجدانی روجِدانِ روح کو سکون میّسر آ جائے۔ اہلِ ایمان کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایمان میں فروغِ عمل اور عملِ صالح کرنے کی توفیق ملتی ہے مؤمن کا چونکہ آخرت پر ایمان ہوتا ہے اس لئے توکلّ کی نعمت نصیب ہوتی ہے وہ ہر صورت میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سے حاجت مانگتا ہے اللہ کے سوا، کسی اور عبادت کرتے ہیں نہ کسی سے طلب کرنے کی انہیں حاجت ہوتی ہے۔ اہلِ ایمان کے لئے اقامت الصلوٰۃ بھی ایک نعمت ہے اپنی نماز میں آداب صلوٰۃ کا پورا پورا لحاظ رکھ کر ادائیگی نماز کرتے ہیں مؤمن کی شان یہ بھی ہے کہ باری تعالیٰ کی طرف سے جو رزق ملتا ہے اس کے حکم کے مطابق، شکر کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے حُکم کے مطابق صرف کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پایۂ تکمیل تک پہنچا:

اے صاحبِ حُسن وعشق! جب اطاعت باری تعالیٰ کی تکمیل اور تعمیل کی خاطر، اس قدر مُحو ہو جائے کہ اپنی ذاتی انا اور رائے کو الگ رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کے حُکم کو بجالانے کا عزم برقرار رکھا جائے تو اس کے ثمرات کا کیا نتیجہ ہوا تھا اس کا ظہور غزوۂ بدر سے پتہ چلا، اس پر آخرت کے ملنے والے انعامات سے قیاس کیا جا سکتا ہے جس طرح اللہ سبحانہٗ نے آپ ﷺ کو گھر سے نکالا، یہی حق کا عمل پیہم تھا رمضان المبارک کی مبارک ساعت تھی، خبر ملی کہ اہلِ مکّہ کا تجارتی قافلہ شام سے واپس آنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا حُکم ہوا، جنگ کرنے کا، کافروں سے بدلہ لینے کی یہی گھڑی تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ مسلمانوں میں لڑنے کے لئے کچھ ہچکچاہٹ ہے لوگ آپس میں اختلاف رائے رکھنے لگے، ایک خوف سا غالب تھا، کچھ منافق مسلمانوں نے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی، کیوں! جانتے ہوئے بھی آغوشِ موت میں ہم جا رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کچھ اور تھی قریش سے اس مرحلے پر فیصلہ کن مقابلہ ہوا، مسلمانوں کو نُصرت ملی، ایک ہجرت کئے ہوئے کچھ ہی ماہ وسال گذرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا احساس ہوا ضرور تھا کہ اہلِ مکہ کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملے کا رُخ کر سکتے ہیں، صحابۂ کرام کو کُفار مکہ کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کی تلقین ہوئی، خبر ملی کہ سوداگروں کا کارواں جس میں مال اسباب ہے سردار ابُوسفیان رضی اللہ عنہ نے خبر کر دی کہ مسلمانوں کے حملے کا خطرہ ہے یہ خبر کا سننا تھا کہ اہلِ مکہ کے بڑے بڑے سردار آمادۂ جنگ ہوئے ادھر آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ بھی صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ کو خیر باد کہہ کر باہر نکل آئے، ابُوسفیان تو بچ بچا کر نکل گیا، جو لشکر جانب مدینہ قافلے کو بچانے آیا اس کا مسلمانوں سے معرکہ پڑا، باری تعالیٰ کی رضا بھی یہی تھی کہ مسلمان کافروں سے میدانِ کارزار میں جہاد کر کے فتح وکامرانی حاصل کریں تا کہ معرکہ حق وباطل کا فیصلہ ہو جائے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پایہ انجام تک پہنچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ستر (۷۰) سردار ہلاک ہوئے اور ستر (۷۰) مشرک مقید ہوئے۔

☆......فرشتوں کا نزُول فتح ونُصرت کی بشارت کے ساتھ ساتھ اطمینان کا موجب ہوا!......☆

اے اہلِ آرزو! فرشتوں کا نزُول فتح ونُصرت کی بشارت کے ساتھ ساتھ اطمینان کا مُوجب ہوا، کُفار مکہ ذِلّت ورُسوائی

Marfat.com

کے ساتھ لوٹے پتہ چلا کہ کامیابی کے لئے ظاہری ساز و سامان پر انحصار نہیں کرنا چاہیے اصل بات اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر غالب ہے

میدان بدر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا ہوئیں، مسلمانوں پر غنودگی طاری ہوئی خوف جاتا رہا،

اے طالبِ حُسن وسرور! غزوۂ بدر درحقیقت مسلمانوں کے لئے ایک آزمائش کی گھڑی تھی، تعداد میں کم، بے سروسامان، دوسری سمت کافر پورے ساز و سامان کے ساتھ کبر ونخوت کے نشہ میں سرشار تھے کفّار نے ایسی جگہ پر قبضہ کرلیا تھا جو بلندی پر تھا، زمین قدرے مضبوط تھی مسلمانوں کا قیام نشیب میں تھا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے، بلندی پر جہاں پانی بھی تھا ایک کٹیا سی بنادی گئی تھی جس میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شرفِ حضوری خدمت کی سعادت ملی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دروازے پر پہرے پر مامُور تھے، شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم اللہ کے مقرّب بندے ہو تو تائید ایزدی حاصل ہوتی، میدان بدر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا ہوتیں باری تعالیٰ نے مسلمانوں پر غنودگی طاری کی، خوف جاتا رہا، آنکھ کھلی تو قلب کو سکوں ملا، نویدِ مسرت ملی جبریل امین علیہ السلام تمہاری مدد کو آرہے ہیں عریش سے باہر قدم رکھا تو بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دل کو شیطان کے وسوسے سے پاک کردیا۔

☆......جب دوزخ کی آگ جسم کو مس کرجائے گی تو دل تک اس کی تاثیر جائے گی!......☆

اے اہلِ حُسن وعشق! مزید نعمت انعام یہ کہ فرشتوں کو حُکم ہوا، میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کے دلوں پر ایسا تصرّف القا کردو کہ وہ ثابت قدمی کو اپنالیں اور میں اپنی قدرت کاملہ سے اہل کُفّار کے دلوں میں رعب طاری کردوں گا تم اُن کی گردنیں کاٹ دو اور ایسی ضرب کاری لگاؤ کہ ان کے پور پور میں درد سا چھا جائے باری تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے کو چھوا جائے تمام بدن اثر انداز ہوتا ہے جیسے کہ جب دوزخ کی آگ جسم کو مَس کرجائے گی تو دل تک اس کی تاثیر جائے گی اور عذاب اور شدید عذاب اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اختیار کی۔

مؤمن تو کبھی شکست سے دوچار ہوتا نہیں، شہید ہوگیا تو مراد مل گئی یا پھر فاتح قرار پائے گا۔

اے راہِ حق کے طلب گارو! اللہ تعالیٰ کے اطاعت شعاروں کو پیام ہے کہ کُفّار سے میدان میں اگر گھمسان کا رن پڑے اور مقابلہ دُوبدُو ہوجائے تو کبھی پشت نہ دکھاؤ مؤمن تو کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوتا شہید ہوگیا تو مراد مل گئی یا پھر زندہ رہا تو فاتح قرار پائے گا۔ دشمنان اسلام سے جنگ کرتے وقت، خوف میں بھاگنا نہیں چاہئے مردِ آہنگ کی طرح لڑائی لڑنی چاہئیے بھاگنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ گنہگار ہوگیا، البتہ کسی چال کو مدنظر رکھ کر پینترا بدلا جاسکتا ہے، معرکہ حق وباطل میں جو تم لوگوں کو ہلاک کیا وہ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا یہ تو فعل باری تعالیٰ تھا جو تم نے اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیا۔ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے مٹھی بھر میں جو خاک ہاتھ میں لے کر تین مرتبہ (شاھتِ الوجوہ) فرمایا وہ تو اللہ نے پھینکی تھی، جس سے متکبر شرکش فنا کی گھاٹ اُتر گئے اور کُفار کو رُسوا ہونا پڑا۔

دورِ جدید کا مشاہدہ ہے مسلمان نے عمل کا دامن چھوڑا،
نتیجہ یہ ہوا کہ برکت اور رحمت چھن گئی

اے طالبِ حُسن و سرور! اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والے کے ساتھ ہے شرط یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے نصرت الٰہی ہر وقت ساتھ رہتی ہے، پھر انسان پر گیتی کائنات میں نہ ذلیل وخوار ہونے کا خطرہ اور نہ ہی آخرت کے عذاب میں گرفتار ہونے کا اندیشہ جیسا کہ دورِ جدید کا مشاہدہ ہے کہ مسلمان نے عمل کا دامن چھوڑا تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایمان کمزور ہوا اور ایمان کی کمزوری نے برکت اور رحمت چھین لی ہے کُفار کی حالت پر تو نظر کیجئے کہا جاتا ہے ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سننا ہی کیا ہے جو صحیح بات سن کر بھی سمجھے نہیں! اور پھر عمل پر آمادہ ہی نہ ہوا اہل یہود نے تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا "سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا" ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں کفار مکہ کی کیفیت تذلیل تو دیکھئے! ان کا کہنا ہے کہ جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام خود بنالیں، مدینہ منورہ کے منافقین نے یہ شیوہ اختیار کیا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے اقرار باللسان کر کے دل سے اس کے عمل پر انکاری رہتے ہیں یہ کیسی بے اعتنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گفتگو کرنے کو زبان، سننے کو کان، اور سمجھنے کو عقل و دانش دی لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان عطا کردہ نعمتوں سے کام لینے سے قاصر رہے اس میں کیا شک ہے ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

☆......اللہ تعالیٰ کے حُکم کی تعمیل کرو، رسول اللہ کی باتِ حق کو تسلیم عمل کے لئے اپناؤ!......☆

اے راہِ حق کے طلب گارو! اللہ تعالیٰ کے حُکم کی تعمیل کرو، رسول اللہ ﷺ کی باتِ حق کو تسلیم عمل کے لئے اختیار کرو اس سے فَیض ایمان ملتا ہے دل کو نور اور روح کو تجلیات سے سُرور ملتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت جس میں جہاد کی ترغیب مُضمر ہو سراپا بھلائی ہے جہاد میں شریک ہونا باعث فخر و انبساط ہے زندگی سراپا جہاد ہے گویا جہاد حیات ہے اطاعت میں تاخیرِ عمل سے دل مضمحل ہوتے ہیں۔ ظلم کرنے سے لوگوں کو روکو! اجتماعی فتنے اور بُرے کام کا وبال اور ظلم کا وبال صرف کرنے والوں تک ہی محدود نہیں رہتا اوروں تک پہنچتا ہے بے حیائی، فحاشی، اجتماعی بدکاری زنا، قمار بازی، سے خود اجتناب کرو اور دوسروں کو بھی منع کرو گناہ کے کاموں میں سزا سب کو ملے گی اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اللہ نے نعمتوں سے سرفراز کیا ہے بہر نوع اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بن کر رہو، امانت میں خیانت کے مرتکب نہ ہو۔

برکاتِ رسالت کے فیض کا دریا تمہارے سامنے روشن ہے
اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ سے فیض پاؤ!

اے اہلِ آرزو! مال و متاع، اولاد یہ سب کچھ ہی امتحان کے موجب ہیں ابدی زندگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کی ضرورت برکاتِ رسالت کے فیض کا دیا تمہارے سامنے روشن ہے اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول سے فیض پاؤ۔

Marfat.com

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ایک دلی لگاؤ اور قلبی کیفیات میں سکون نصیب ہوتا ہے

اے طالبِ حُسن و سرور! اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے ایک دلی لگاؤ اور قلبی کیفیات میں سکون نصیب ہوتا ہے جس کا نام تقویٰ ہے اور یہ صورت اظہار گناہ اور نافرمانی سے روکتی ہے پرہیز گاری اپنانے کا ثمر یہ ملتا ہے کہ نیکی پر مجاہدہ کا اختیار مل جاتا ہے مانا کہ ہزار کوشش کے باوجود بھی تقاضائے بشریت کے مطابق انسان سے خطا سرزد ہو جاتی ہے لیکن درِ توبہ کھلا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان لغزشوں کو معاف کرتا ہے پرہیز گاری کا ایک ثمر فیض یہ ہے کہ باری تعالیٰ آخروی نجات اور بخشش سے اپنے کرم سے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور روزِ محشر پریشانی سے نجات ملتی ہے۔ اے صاحبو! حقِ بندگی ادا کرتے رہو، اہلِ کرم کے تماشے دیکھنا ہے تو کائنات رنگ و بُو میں دیکھو مکہ کے کافروں نے کس قدر تدابیر اختیار کر کے حضور اکرم ﷺ کو ایذائیں پہنچائیں شہر بدر کی سازش، قتل کرنے کی کوشش، قید کرنے کی تدبیر، آپ ﷺ کے خلاف سازش میں ابلیس بھی شریک ہوا، ربِّ جلیل نے بھی اس کا توڑ تدبیر ہی سے کیا، اللہ ہی کی تدبیر سب سے اعلیٰ، افضل اور سب پر غالب ہے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت سے دل میں تاریکی پھیل جاتی ہے نور کا فقدان، حق کو جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتا ہے۔

کیسی بدنصیبی ہے کہ انسان عمر بھر محنت کرے، کاوش کرے، مال صرف کرے پھر بھی دوزخ میں جانا پڑے!

اے صاحبِ آرزو! ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے مدینہ منوّرہ کی طرف رُخ کیا غزوۂ بدر میں نُصرت ملی، جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت مل جائے تو پھر دوسروں سے کیا ڈرنا، کافروں کی صورتِ حال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سنی ہیں تو بے اعتنائی سے کہتے ہیں ہم نے سُن لیا! اس میں کیا ہے؟ یہ تو قدیم داستان کا ایک قصہ ہے یہ ہم بھی تحریر کر سکتے ہیں حالانکہ ایک آیت بھی نہیں لا سکتے پھر زعمِ کفر و عناد تو دیکھئے، ارے بھئی! اللہ تعالیٰ کا دین سچا ہے تو آسمان سے کوئی سخت عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا، آسمان سے پتھر ہی برستے، عذاب نہ آنے کی وجہ ایک تھی فخرِ کائنات حضرت محمد ﷺ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ عذاب نازل نہیں کرتا، کچھ لوگ توبہ استغفار کرنے والے تھے جب اللہ تعالیٰ سے بخشش رحمت طلب کی جائے تو بخشش رحمت عطا ہوتی ہے۔ ربِّ کریم عذاب نازل نہیں کرتے مکہ کے کافر جو کچھ حرم شریف میں کرتے ہیں وہ بھی محض تماشا اور رسم و رواج کی ظالمانہ حرکات و سکنات میں سیٹیاں بجانا، تالیاں بجانا، یہ سب کچھ ان کی عبادات کا حصہ تھیں پھر یہ دعویٰ کہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں حالانکہ حرم کے متولی کا حق تو اہلِ تقویٰ کا تھا بالآخر مختلف غزوات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب کا نزول ہوا، یہ ایک حقیقت ہے کفر ہمیشہ ناکام ہوتا ہے اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ کش مکش حق و باطل میں ناپاک مال اور ناپاک اعمال اور ناپاک ارادوں کو پاک سے جدا کر کے یکجا کر دیا اور ایسے ہی نافرمان اور بُرے لوگ خسارے میں رہیں گے کیسی بدنصیبی ہے انسان عمر بھر محنت کرے، کاوش کرے مال خرچ کرے پھر بھی اس کو دوزخ میں جانا پڑے۔ العیاذ باللہ

Marfat.com

☆......اسلام میں داخل ہونے کی شرط یہ ہے کہ بتوں کی پوجا نہ کی جائے......☆

اے راہِ حق کے طلب گارو! اللہ تعالیٰ کے کرم کی کوئی انتہا نہیں، اگر کافر اب بھی کُفر وعناد اور اسلام کی دشمنی وعداوت سے باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا، سو ہو چکا، اور اللہ تعالیٰ کا دین اپنالیں، اسلام میں داخل ہونا گذری ہوئی داستان عمل کے تمام جرائم کو مٹادیتا ہے اسلام میں داخل ہونے کی شرط یہ ہے کہ بتوں کی پرستش نہ کی جائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو پہلی حالتِ کُفر میں جو گناہ سرزد ہو چکے وہ سب معاف کردیئے جائیں گے۔ ’’حقوق العباد معاف نہ ہوں گے‘‘ اس کا مسئلہ علیٰحدہ ہے۔ (بحوالہ تفسیر عثمانی جلد اوّل)

☆......اہلِ قریش کو توبہ کرنے کی طرف مائل کرنے کی تلقین ہے......☆

اے صاحبِ حُسن وسرور! ان آیات میں اہلِ قریش کو توبہ کی طرف مائل کرنے کی تلقین ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوتِ دین پر لبیک کہا جائے، اور اپنی روش بُت پرستی سے باز آجائیں ورنہ مسلمانوں کو قتال رجنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاآنکہ سرزمین بیت اللہ سے اسلام قبول کرنے والوں کو، ستانے کے فتنہ سے نجات مل جائے اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین باقی نہ رہے، جو کچھ وہ کررہے ہیں اس کو باری تعالیٰ دیکھ رہا ہے مسلمانوں کو یہ یقین کامل رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے بہرنوع معاون تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ مسلمانوں کا حامی ومددگار اللہ تعالیٰ ہے کسی کی پروانہ کیا کرو، اللہ پر توکل رکھو! جس عمل پر عمل پیرا ہوں گے اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہوگی جو کامرانی کی نوید ہے۔

الحمدللہ سورۃ الانفال آیت ۴۰ تک کی تفسیر مکمل ہوئی

محمد لقیط خان......المرقوم ۱۵ مئی ۲۰۱۰ بمطابق ۲ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

محمد شفیق

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ حکومت پاکستان

رجسٹریشن نمبر: R.R.OAUQ200/338

تاریخ: ۲۰/۹/۲۰۱۰

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر عزیزی پارہ (۹) کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔

اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں ان شاءاللہ۔

محمد شفیق

محمد شفیق

رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

رموزِ اوقاف قرآنِ مجید

ہر زبان کے اہلِ زبان، جب باہم گفت وشنید کرتے ہیں تو کہیں کہیں رُک (ٹھہر) جاتے ہیں، کہیں پر رُکنا اور ٹھہرنا کم ہوتا ہے کہیں پر تو زیادہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اور کہیں پر بالکل کم ٹھہرتے ہیں۔ گو صحیح اندازِ گفتگو، اور بیان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اس اندازِ تکلّم اور اندازِ تخاطب کو بڑا دخل ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کی عبارت بھی گفتگو کے انداز کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اسی لئے اہلِ علم نے اس کے ٹھہرنے، اور نہ ٹھہرنے کی مختلف علامتیں مقرّر کر دی ہیں۔ ان علامات کو رموزِ اوقاف قرآنِ مجید کے نام سے مُوسوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی سعادت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ امر ضروری ہے ان رموز کو تلاوت کرتے وقت ملحوظ رکھیں۔ یہ علامات رمُوز درج ذیل ہیں۔

o...... چھوٹا سا دائرہ وہاں لگا دیتے ہیں جہاں بات پوری ہو جاتی ہے۔ دراصل گول (ت) جو بصورت (ۃ) لکھی جاتی ہے۔ اور یہ وقفِ تام کی علامت کہلاتی ہے اس علامت پر ٹھہرنا چاہیے، اب (ۃ) تو لکھنے کا رواج نہیں رہا۔ اب (ۃ) تو نہیں لکھی جاتی ہے چھوٹا سا ''دائرہ'' بنا دیا جاتا ہے اس کو آیت کہتے ہیں، دائرہ پر اگر کوئی علامت نہ ہو تو ٹھہر (رُک) جانا چاہیے، ورنہ علامت کے مطابق عمل کیا جائے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ علامت ''o'' دائرہ آیت کے ختم ہو جانے کی نشانی ہے۔

جہاں صرف علامتِ دائرہ ہو، وہاں پہنچ کر ٹھہر جانا چاہیے۔ دائرے کے اوپر ''لا'' درج ہو تو ٹھہرنا اولیٰ ہے۔ ضرورت ہو تو ٹھہر لیا جائے تو کچھ حرج نہیں، دائرے پر جو رمز وقف بھی ہو گی۔ وقف و وصل کے لئے اسی کا اعتبار ہو گا۔ یہ آیت کوفی ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔

م...... لفظ لازم کا مختصر ہے۔ اس رمز سے پہلے کلمے پر ''ٹھہر'' جانا لازمی ہے۔ گویا یہ علامت وقفِ لازم کی ہے۔ اس پر ضرور ٹھہرنا چاہیے، اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی سے یہ کہنا ہو کہ ''اٹھو۔ مت بیٹھو'' جس میں قواعدِ گرامر کے لحاظ سے 'اٹھنے' کا اَمر اور 'بیٹھنے' کی نہی ہے۔ تو اٹھو، پر ٹھہرنا لازم ہوا، اگر ٹھہرا نہ جائے تو ''اٹھو مت۔ بیٹھو'' ہو جائے گا۔ جس میں ''اٹھنے'' کی نہی اور بیٹھنے کے اَمر کا احتمال ہے۔ اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط...... وقفِ مطلق کی علامت ہے مُطلَق کا مخفف ہے اس رمز سے پہلے کلمے پر مطلقاً ٹھہر جانا چاہئے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب واضح اور پورا نہیں ہوتا، اور بات کہنے والا ابھی مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج...... وقف جائز کی علامت ہے یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

Marfat.com

ز...... یہ علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔ یعنی یہ وقفِ جائز کی رمز ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔ یہاں سے تجاوز کر جانا، یعنی گزر جانا چاہئے۔

ص...... یہ علامت وقفِ مرخص کی ہے۔ یہ لفظ مُرَخَّص کا مختصر ہے، یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔ لیکن پڑھتے پڑھتے، سانس ختم ہو جائے یا کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو ''ص'' کی رمزِ وقف سے پہلے کلمے پر ٹھہر جانے کی رخصت ہے۔

صلے...... یہ اَلْوَصْلُ اَوْلٰی کا مختصر ہے۔ وَصْلْ وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق...... قِیْلَ عَلَیْہِ الْوَقْفَ ۔(کہا گیا کہ اس مقام پر وقف ہے) یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

صل...... قَدْیُوْصَلُ کا مخفف ہے یہاں ٹھہرا بھی جاتا ہے اور کہیں نہیں، بوقت ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔

قف...... یہ لفظ قِف ہے۔ یُوْقَفُ عَلَیْہِ کا مخفف، جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ یہاں سانس روک کر وقف کرنا چاہیے۔

سکتہ...... یہ سکتہ کی علامت ہے، یہاں سانس لیے بغیر کسی قدر ٹھہر جانا چاہیے، پڑھنے والا، یہاں کسی قدر ٹھہر جائے سانس نہ توڑے۔

وقفہ...... یہ لمبے سکتہ کی علامت ہے، یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔ لیکن سانس نہ توڑیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ سکتہ اور وقفہ میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ 'سکتہ' میں کم ٹھہرنا چاہیے، اور وقفہ میں قدرے زیادہ۔

لا...... ''لا'' کے معنی 'نہیں' کے ہیں، 'لا' کی علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے، اور کہیں عبارت کے اندر عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے، آیت کے اوپر ہو تو بعض کا خیال ہے کہ ٹھہرنا چاہیے، بعض کے نزدیک نہیں ٹھہرنا چاہیے، لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب کی وضاحت میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

علاماتِ متفرقہ

ک...... کَذٰلِکَ کا مخفف ہے۔ اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ جو رمز پہلی آیت میں آچکی ہے۔ اس کا حکم اس پر بھی ہے۔

ؤ...... یہ نقطے' تین نقاط والے ہوتے ہیں 'دو وقف' کے قریب قریب آتے ہیں۔ ان کو (مُعَانَقَہ) 'معانقہ' یا مُرَاقَبَہ کہتے ہیں کبھی اس کو مختصر کر کے (مع) لکھ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں وقف گویا معانقہ کر رہے ہیں۔ معانقہ حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تین جملوں میں سے جن دو کو چاہو ملا لو۔ حاشیہ پر 'مع' ہوتا ہے دو آیتوں کے درمیان دو مقام پر '' ؤ '' دیئے جاتے ہیں۔

وقف معانقہ میں پہلے تین نُقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نُقطوں پر وقف کیا جائے، یا پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کیا جائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

احوالِ واقعی

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہ! تفسیرِ عزیزی کا پارہ قَالَ الۡمَلَاُ (۹) اشاعت وطباعت کے مرحلے سے گذر کر آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیقِ رحمت سے حسبِ وعدہ پارہ نہم آپ کے ہاتھوں میں ہے ذوق وشوقِ قرآن فہمی کو اُجاگر کرنے کی سمت، میری تحریر اور کاوش کو آپ نے تحسین کی نظر سے دیکھا، آپ کی عِنایت کا خلوصِ دل سے شکریہ! جزاکم اللہ

اگر میرے سامنے مُتقدمین کی تفاسیر وتشریحات نہ ہوتیں، جن کی علمی اور قرآنی خدمات ہمارے لئے علمی خزانہ ہے جنہوں نے قرآن کی ہر زوایہ نظر سے تشریح کی، زیرِ مُطالعہ مختصر تشریح وتوضیح انہیں عُلماء کرام اور مُفسّرین کی خُوشہ چینی ہے۔

اگر اس میں کوئی خوبی پائی جائے تو یہ انہیں اکابرین ملت کا طفیل اور تحفہ ہے اگر کوئی کمی یا خامی پائی جائے، تو یہ میری اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

باوجود احتیاط کے اگر کوئی غلطی، اظہارِ بیان، مفہوم ومعنیٰ اور مطالب میں ہوگئی یا رہ گئی ہو، تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہوں۔

باوجود احتیاط کے بشری تقصیر کی وجہ سے ترجمہ قرآن، تشریح میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان باقی رہتا ہے، اس بناء پر اہلِ دانش اور اربابِ ذی علم سے میری درخواست ہے کہ انہیں کوئی فروگذاشت نظر آئے تو ضرور مطّلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اِن استدرات سے استفادہ کیا جاسکے۔

اے اللہ! اپنی رحمتِ خاص سے اس تحریری کوشش کو بھی اپنی مُربّیانہ بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما! آمین۔

اے اللہ! جن نُفوسِ قدسیہ کی مُتبرّک تصانیف وتالیف سے میں نے اِستفادہ کیا ہے اُن کی اَرواح پاک پر اپنی خاص رحمتوں کا دائمانُزول فرماتے رہیے! اور ان سب کو اپنے مقاماتِ قُرب ورضا میں بلند درجات عطا فرمایئے۔ اور تفسیرِ عزیزی کی اشاعت کا ثواب میرے والدین کے اعمال میں ثبت فرمائے۔ آمین۔ چوہدری محمد یعقوب وفات پاگئے، اے اللہ! انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرما۔ آمین۔

آخر میں اُن تمام بزرگوں، احباب واغیار کے لئے اظہارِ تشکّر، جنہوں نے میرے کام میں رہنمائی فرمائی۔ جزاکم اللہ

وَاٰخِرُ دَعۡوَانَا اَنِ الۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

الرقوم

۲۳ رجمادی الثانی ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۵ مئی ۲۰۱۰ء

۱۸/۹۲۷ امن آباد فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان

دعا گو ودعا جُو

محمد لقیط خان عفا اللہ عنہ

Marfat.com

قواعدِ عربی کے چند آسان اُصول

۱)......**کلمہ**: ہر بامعنیٰ لفظ کو "کلمہ" کہا جاتا ہے اس کی تین اقسام ہیں (ا) اسم، (ب) فعل، (ج) حرف۔

(۱) اسم......وہ ہے جو کسی شئے کا نام ظاہر کرے مثلاً کِتَابٌ (کتاب)، مَاءٌ (پانی)

(ب) فعل......جو کسی کام کے ماضی (گذشتہ)، موجودہ اور آئندہ ہونے کے معنیٰ کا اظہار کرے۔ ماضی: گذرا ہوا زمانہ، حال: موجودہ زمانہ، مستقبل: جن میں آنے والا زمانہ پایا جائے، مثال کے طور پر ذَهَبَ: وہ گیا، يَذْهَبُ: وہ جاتا ہے یا جائے گا۔

فعل کی چار اقسام ہیں، ماضی، مضارع (حال و مستقبل)، امر و نہی

(ج) حرف......جو اسم اور فعل کے مابین رابطہ کا کام سرانجام دے، یا باہم دو اسم کو ملا کر ان کے معانی پورے کرتا ہو، کسی بھی حرف کے معنیٰ دوسرے لفظوں سے مل کر واضح ہوتے ہیں۔

عربی زبان کے چند حروف اور ان کے عمومی معانی: فِيْ (میں)، مِنْ سے، كَ مانند، علٰی پر، اِلٰی طرف، عَنْ سے، حَتّٰی تک یا یہاں تک، بِ ساتھ، لِ لئے وغیرہ وغیرہ، الفاظ کے ساتھ مثالیں۔ فِي الْجَنَّةِ: جنت میں، اِلَى الْبَيْتِ گھر تک، عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فرشتوں پر۔

۲)......**حرکاتِ عربی**......(َ) زبر، (ِ) زیر، (ُ) پیش، میں سے ہر ایک کو حرکت کہا جاتا ہے، اور اعراب بھی کہا جاتا ہے دوزبر (ً) دوزیر (ٍ) دوپیش (ٌ) کو تنوین کہا جاتا ہے جس حرف پر تشدید (ّ) ہو وہ مُشدّد کہلاتا ہے، مثلاً مُحَمَّدٌ میں دوسرا "میم" مُشدّد ہے۔

(۱)......رَفع یا ضمہ پیش (ُ) کو کہتے ہیں۔ وہ حرف جس پر (ُ) پیش ہو مَرْفُوْع کہلاتا ہے اور وہ لفظ بھی مَرْفُوْع کہلاتا ہے جس حرف کے آخر میں پیش ہو جیسے کِتَابُ یا کِتَابٌ اس میں بُ، بٌ مرفوع ہیں اور کِتَابُ کِتَابٌ دونوں مرفوع ہیں۔

(ب)......نَصْب، فتحہ: (َ) زبر کو کہا جاتا ہے اور مَنصوب، مفتوح وہ حرف، لفظ ہے جس کے آخری حرف پر (َ) زبر یا (ً) دوزبر ہوں۔ جیسے رَحْمَةَ، رَحْمَةً، میں ر، م، اور ۃ مفتوح ہیں اور رَحْمَةَ پورا مفتوح ہے اس لئے کہ آخری حرف پر زبر (َ) یا دوزبر (ً) ہیں۔

(ج)......جَر یا کسرہ (ِ) کو کہا جاتا ہے مَجرُور یا مکسور وہ حرف یا لفظ ہے جس پر، یا جس کے آخری حرف پر زیر (ِ) یا (ٍ) دوزیر ہوں جیسے نَفْسِ نَفْسٍ۔

(د)......سُکون: جزم (ْ) کو کہا جاتا ہے اور مجزُوم یا ساکن وہ حرف یا لفظ ہے جس پر، یا جس کے آخری حرف پر جزم ہو مثال کے طور پر لَمْ يَفْتَحْ۔

۳)......**مذکّر اور مؤنث**: ہر اسم ان دو حالتوں مذکّر اور مؤنث میں ہوتا ہے۔ مذکر کی مثال: رَجُلٌ، مرد، اَحْسَنُ، خوبصورت حسین مرد۔ مؤنث کی مثال:......اِمْرَاَةٌ، عورت۔ حُسْنٰی، خوبصورت عورت۔

۴)......**واحد تثنیہ اور جمع**، ایک کو واحد، دو کو تثنیہ اور دو سے زائد کو جمع کہا جاتا ہے۔ واحد مذکر کی مثال......عَبْدٌ بندہ، عَابِدٌ عبادت گزار۔ واحد مؤنث کی مثال......عَابِدَةٌ، عبادت گزار عورت، مُؤْمِنَةٌ، ایمان والی عورت۔

(ا)......تثنیہ بنانے کا قاعدہ: واحد کے آخر میں ان یا ین لگانے سے تثنیہ بن جاتا ہے ان دونوں سے پہلے والا حرف مفتوح ہونا چاہیے۔ مثلاً عَبْدٌ سے عَبْدَيْنِ، اَمَةٌ سے اَمَتَيْنِ۔

(ب)......جمع بنانے کا قاعدہ (یعنی جمع سالم) اسم واحد مذکر کے آخر میں وْنَ بحالت رفع یا یْــــنَ (بحالت نصب و جر) بڑھانے سے جمع بن جاتا ہے اسے جمع سالم کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں واحد کی صورت سلامت رہتی ہے۔ مثال کے طور پر مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُوْنَ، (بحالتِ رفع) یا مُسْلِمِيْنَ، (بحالت نصب و جر) مُؤْمِنٌ سے مُؤْمِنِيْنَ اسم مؤنث ہونے کی صورت میں اس کے آخر میں، ات کا اضافہ ہوتا ہے، یعنی علامت مؤنث کو حذف کر کے، اگر پہلے سے موجود ہو جیسے مُسْلِمَةٌ سے مُسْلِمَ پھر، مُسْلِمَاتٌ۔

(ج)...... جمع مکسر: یہ جمع کی ایسی قسم ہے جس کے بنانے کا کوئی خاص قاعدہ/اُصول نہیں، بلکہ یہ صرف سننے پر یا چند مخصوص اوزان پر آتی ہے اسے جمع مکسر کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس میں واحد کی صورت ٹوٹ جاتی ہے مثال کے طور پر، رُسُلٌ، رَسُوْلٌ کی جمع ہے، یاد رہے! بہت سارے لفظوں کی تذکیر و تانیث، وحدت اور جمع غیر قیاسی ہوتی ہے گویا ان کا کوئی قاعدہ/ضابطہ نہیں ہوتا، جس کی رو سے وہ بنیں، ایسے لفظوں کو "سماعی" کہا جاتا ہے جو اہلِ زبان سے سُنے گئے ہوں۔ مثال: خَلِیْفَةٌ واحد مذکر اس کی ۃ تانیث کی نہیں ہے اسی طریقہ سے سَنَةٌ (سال) جو مؤنث ہے اس کی جمع سِنُوْنَ آتی ہے (جو خلافِ قیاس ہے) اِمْرَاۃٌ کی جمع نِسَاءٌ آتی ہے اسی طرح سے اَرْضٌ مؤنث کا صیغہ ہے (جو بظاہر مذکر معلوم ہوتا ہے)۔

۵)...... قیاسی اور سماعی الفاظ: جو الفاظ کسی قاعدہ کی رو سے بنائے جائیں انہیں قیاسی کہا جاتا ہے جو بغیر کسی کُلیہ کے یعنی اہلِ زبان کی گفتگو کے مطابق بولے جائیں انہیں سماعی کہا جاتا ہے۔

۶)...... مرکّبات: دو یا دو سے زائد کلمات باہم مل کر مرکّب بنتے ہیں، مرکّب کی دو اقسام ہیں۔

(ا) مرکّب تَـام: مرکّب تام وہ ہے جس میں کوئی بات پوری طور پر سمجھ میں آجائے مثال: اَللّٰـهُ لَطِیْفٌ: اللہ باریک بین ہے، اَلرَّجُلُ حَسَنٌ: مرد حسین ہے۔

(ب) مرکّب ناقص: مرکّب ناقص وہ ہے جس میں بات پوری طور پر سمجھ میں نہ آسکے بلکہ وہ بات اُدھوری ہی رہے۔ مثال: رَجُلٌ حَسَنٌ (کوئی ایک خوبصورت مرد) مرکّب ناقص کی کئی قسمیں ہیں پہلے کی صفت/خوبی بتائے۔ مثال: رَجُلٌ، صَالِحٌ، کوئی ایک نیک مرد، یہاں لفظ صَالِحٌ لفظ رَجُلٌ کی خوبی نیکی کا اظہار کرتا ہے۔ پہلے لفظ کو موصوف اور دوسرے کو صفت کہتے ہیں، یہ بات یاد رہے کہ اُردو میں عربی کے برعکس صِفت پہلے آتی ہے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ عَـذَابٌ عَـظِیْـمٌ، بڑا / شدید عذاب، اگر موصوف واحد استعمال ہو تو صفت بھی واحد ہوگی۔ مرکّب اضافی وہ مرکّب ہے جس کے دونوں جز و اسم ہوں، اور پہلا دوسرے کی جانب منسوب ہو، اگر بزبان اردو ترجمہ کیا جائے تو بالعموم اس میں (کا، کے، کی) میں سے کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے، مثال: رَسُوْلُ اللّٰـهِ (اللہ کا رسول) اس میں پہلا لفظ رَسُوْلُ مُضاف ہے اور لفظ اَللّٰـه مُضاف الیہ ہے عربی زبان میں مضاف پہلے آتا ہے اور بعد میں مضاف الیہ۔

۷)...... اسمِ ضمیر: وہ اسم جو دوسرے اسم (ظاہر) کی جگہ آئے اس کو ضمیر کہا جاتا ہے مثال: یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ (اے آدم تو اپنی اہلیہ کے ساتھ رہ) اس میں اَنْـتَ (تو) اور كَ (تیری) ضمیریں ہیں، اور ان کا مرجع (یعنی جس کی طرف ضمیر لوٹے) اٰدَمُ ہے جو اسم ظاہر ہے۔ ضمیر کی دو قسمیں ہیں، (ا) منفصل جو فقرے میں بالکل الگ تھلگ مستعمل ہو جیسے، اَنْـتَ، اُوپر کی مثال میں ملاحظہ فرمایئے۔ اَنْـتَ وَزَوْجُكَ (ب) متصل، جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ مل کر ایک کلمہ کی نوعیت اختیار کریں، جس طرح وَزَوْجُكَ میں كَ۔

۸)...... اَسماءِ الاشارہ: اسم اشارہ سے مراد جن سے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے یہ دو قسم کے ہوتے ہیں، اشارہ قریب: یہ ایک کتاب ہے، هٰذَا كِتَابٌ اشارہ بعید کے لئے وہ کتاب ذٰلِكَ الْكِتَابُ ان دونوں مثالوں میں هٰذَا اور ذٰلِكَ اسماء اشارہ ہیں اور کتاب مشارٌ الیہ۔

۹)...... اسم موصول: جس سے کسی خاص چیز کا پتہ چلتا ہو، اس کو اسم موصول کہا جاتا ہے، اور جس کا مفہوم اس کے بعد آنے والے جملہ سے پورا ہو، اس جملے کو اس کا صِلہ کہا جاتا ہے مثال: بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس میں اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور اٰمَنُوْا اس کا صِلہ ہے۔

۱۰)...... مادہ: عربی زبان میں حروف اصلی یا بنیادی حروف کو مادّہ کہا جاتا ہے یہ مختلف افعال اور اَسماء میں سے تین سے پانچ تک ہوتے ہیں تمام تر اسم مُشتق کے حروف اصلی اپنے صیغہ ماضی، (واحد غائب مذکر) سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثال: ناصر اسم مشتق ہے، جس کا مادّہ نصر، نَـصَـرَ سے ہے، جو در حقیقت صیغہ ماضی واحد مذکر غائب ہے، نَـصَرَ اس نے مدد کی، نَـاصِرٌ الف کے اضافے کے ساتھ اسمِ فاعل ہے۔ مصدر: یعنی جس سے کسی کام کا کرنا یا ہونا بغیر زمانے کے معلوم ہو، کسی بھی مادّہ کے معانی کا صدور اس کے مصدر سے ہوتا ہے، مثال: عَبْدٌ مادّہ ہے جب کہ عِبَادَةٌ /عبادت کرنا، تَعْبِیْدٌ، غلام بنانا اس کے مصدر ہیں نصر مادّہ ہے اور نَصْرٌ (مدد کرنا) مصدر ہے۔

۱۱)...... فعلِ ماضی: فعل ماضی کے مختلف صیغوں کی تبدیلی ان حروف کی بناء پر ہوتی ہے، ا، و، ت، م، نا و تمن ماضی مطلق حروف کی گردان، یعنی جس

Marfat.com

کا فعل معلوم ہو، اس کو بالعموم حرف ماضی لکھا جاتا ہے فَعَلَ، اس ایک مرد نے کیا، واحد، غائب مذکر فَعَلَتْ اس عورت نے کیا، واحد غائب مؤنث، فَعَلْتَ تو ایک مرد نے کیا واحد مخاطب رحاضر مذکر، فَعَلْتِ، تو ایک عورت نے کیا، واحد، مخاطب رحاضر مؤنث، فَعَلْتُ۔ میں نے کیا، واحد متکلم مذکر و مؤنث، فَعَلْنَا ہم نے کیا، تثنیہ جمع متکلم، مذکر مؤنث۔ ماضی مجہول: یعنی جس کا فاعل نہ معلوم ہو، ماضی کے پہلے حرف پر (ُ) پیش اور ماقبل آخر یعنی آخری سے پہلے پر (ِ) زیر لگانے سے ماضی معروف ماضی مجہول بن جاتا ہے جیسے فَعَلَ سے فُعِلَ۔

۱۲)...... فعل مضارع: اس میں حال اور مستقبل کے دونوں معنی آتے ہیں ماضی سے پہلے ی، ت، (الف)، ن لگا کر یا اس میں کچھ تبدیلی کر کے مضارع بنایا جاتا ہے، اور انہی کو علامتِ مضارع کہتے ہیں، مضارع معروف جس کا فاعل معلوم ہو، اس کو بھی عام طور پر حروف مضارع لکھا جاتا ہے۔ مثال: یَفْعَلُ رو کرتا ہے، کرے گا۔ واحد غائب مذکر، تَفْعَلُ وہ کرتی ہے، کرے گی، واحد غائب مونث اَفْعَلُ، میں کرتا ہوں، کرتی ہوں، رکروں گا، کروں گی، واحد، متکلم مذکر، مؤنث۔ مضارع مجہول: جس کا فاعل نہ معلوم ہو، مضارع معروف میں علامت مضارع کو (ُ) پیش اور ماقبل آخر کو (َ) زبر دینے سے مضارع مجہول بن جاتا ہے، یعنی یُفْعَلُ، مثال: یُعَلِّمُ رو سکھاتا ہے یُعَلَّمُ وہ سکھایا جاتا ہے، یَقْبَلُ، وہ قبول کرتا ہے یُقْبَلُ وہ قبول کیا جاتا ہے۔

۱۳)...... فعل امر و نہی: امر کے معنی حکم کے ہیں فعل امر وہ ہے جس میں کسی کام دینے کا حکم ظاہر ہو، فعل نہی جس میں کسی کام سے روکا جائے۔ امر حاضر جس میں مخاطب کو حکم دیا جائے فعل مضارع کی علامت ہٹا کر اس کی جگہ، ہمزۃ الوصل، یعنی وہ وصل کر کے پڑھنے میں نہیں آتا، مثال: وَانْصُرْ اس میں ''ا'' نہیں پڑھا جاتا، لکھا جاتا ہے، اور آخری حرف پر جزم آ جاتا ہے، اِفْعَلْ تو ایک مرد کر، اِفْعَلِیْ تو ایک عورت کر، واحد مؤنث اِفْعَلَا رتم دو مرد کرو، اِفْعَلُوْا رتم سب مرد کرو، جمع مذکر، اِفْعَلْنَ رتم سب عورتیں کرو، جمع مؤنث۔ نہی حاضر! یعنی جس میں مخاطب کو کسی کام سے روکا جائے لَا تَفْعَلْ تو ایک مرد نہ کر واحد مذکر، لَا تَفْعَلِیْ تو ایک عورت نہ کر واحد مؤنث۔ لَا تَفْعَلَا تم دو مرد ردو عورتیں نہ کرو تثنیہ مذکر، لَا تَفْعَلُوْا تم سب مرد نہ کرو، صیغہ جمع مذکر، لَا تَفْعَلْنَ تم سب عورتیں نہ کرو جمع مؤنث۔

۱۴)...... مُعرب و مبنی: جن لفظوں کے آخر میں اعراب یا حروف بدلتے رہتے ہیں ان کو مُعرب کہا جاتا ہے، یہ اعراب اور حروف کا تبدیل ہونا قیاسی ہوتا ہے، جب کہ اس کے علاوہ جو لفظ ہیں ان کو مبنی کہا جاتا ہے۔ مثال: عِلْمٌ کو بعض مرتبہ جملے میں عِلْمًا لکھا جاتا ہے، رَحْمَةٌ یا رَحْمَةً وغیرہ اسم معرب ہیں۔

۱۵)...... فعل ماضی کی اقسام: ماضی کے شروع میں ''مَا'' لگا دینے سے ماضی منفی بنتا ہے۔ ماضی قریب: ماضی پر قَدْ اضافہ کر دینے سے اکثر ماضی قریب کے معنی ہو جاتے ہیں مثال: قَدْ جَآءَ، وہ آیا ہے۔ ماضی بعید کَانَ ماضی پر لگا دینے سے ماضی بعید ہو جاتا ہے، کَانَ ذَهَبَ، وہ گیا۔ ماضی استمراری کَانَ مضارع پر لگا دینے سے یہ ہو جاتا ہے، مثال: کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ، وہ کرتے تھے۔

۱۶)...... اسم مشتق و جامد: وہ اسم جو مادّہ و مصدر سے بنایا جائے، اسم مشتق کہلاتا ہے، جب کہ جامد وہ ہے جو کسی دوسرے لفظ سے نہ نکالا گیا ہو، بلکہ اپنا الگ مستقل وجود رکھتا ہو اسم مشتق کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔
اسم فاعل: یہ اس ذات کو بتاتا ہے جو کام کرنے والا ہو، اسم مفعول: یعنی وہ ذات جس پر فعل واقع ہو، صفت مشبہ: یہ اسم اس ذات کو بتاتا ہے جس میں مصدری یا کوئی وصف پائیداری کے ساتھ پایا جائے۔ اسم تفضیل: اس ذات کو بتاتی ہے جس میں مصدری معنی اوروں کی نسبت زیادتی کے ساتھ پائے جائیں۔ اسم مبالغہ: جو کسی فعل میں کوئی خوبی، کثرت اور شدت کے ساتھ بتائے۔ اسم ظرفِ زماں، مکان۔ ظرف مکان وہ ہے جو وقوع فعل کی جگہ کو اور ظرف زمان وقوع فعل کے وقت کو بتاتا ہے۔ اسم آلہ: یہ اس آلہ کو بتاتا ہے جس سے کوئی کام لیا جائے۔ اسم صفت وہ ہے جس میں اسم فاعل اسم مفعول اور صفت مشبہ اسم تفضیل اور اسم مبالغہ موجود ہو۔

۱۷)...... کلمات الاستفهام: یعنی وہ حروف جن سے کوئی سوال یا چیز معلوم کی جائے۔ مَا، مَاذَا، اَیُّ، کَیْفَ، اَنّٰی۔

Marfat.com

حرفِ سخن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَحۡدَہٗ

الحمدللہ چالیس برس سے قرآن حکیم میرے شب وروز کے فکرونظر کا موضوع رہا ہے، اس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے غوروفکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وادیٔ علم میں قدم رکھنے کے بعد، مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں، علومِ قرآن اور مضامینِ قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں، جس کی طرف سے حتی الوسیع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تسائل کیا ہو، علم ونظر کی راہوں میں آج کل علمی سفر، قدیم وجدید کے عنوانات میں قدرے مشکلات کا باعث ہے، بہرنوع قرآن کا علم ایک وسیع مطالعہ اور فلسفۂ زندگی کا آئینہ دار ہے اور مجھ جیسے طالب علم کے لئے یہ منزل طے کرنا ایک سعادت بابرکت ہے، علم کا ذوق وشوق، قرآن فہمی سے لگاؤ، نے اس جذبہ کو حوصلہ دیا۔

اس تمام عرصے کی جستجو وطلب کے بعد، قرآن مجید، فرقانِ حمید کو جیسا کچھ، جتنا کچھ، سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے صلاحیت وتوفیق بخشی، اس کتاب کے صفحات پر پھیلا دیا ہے۔

میرا واحد مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسلمان، قرآن اور اس کی آیات کا مفہوم خود سمجھ سکے اور تعلیماتِ قرآن سے وہی نتیجہ اخذ کرے جو قرآن کا مُدّعا ہے۔

اس کلامِ پاک کے تراجم، تفاسیر اور علوم کے ہر ہر پہلو پر، ہر زبان میں قیامت تک کام ہوتا رہے گا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

بے شک کون نہیں جانتا، قرآن کی تلاوت بھی کارِثواب ہے، اُس کی تلاوت آنکھوں کا نور، دلوں کی فرحت وشادابی، چین وسکون، راحت ہے۔ لیکن اصل بات تو قرآن کو سمجھنا، اس کے لفظ میں چھپے ہوئے وسیع وعمیق معنوں پر غور کرنا، اور اس میں بیان کی گئی ابدی ہدایت کی روشنی میں دینی ودنیوی زندگی بسر کرنا ہے۔ میں نے تفسیرِ عزیزی اُن عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ترتیب دی ہے جو قرآنی تعلیمات سے منوّر ہوکر اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر لانا چاہتے ہیں، لیکن انہیں قرآن سے استفادہ کرنا نہیں آتا۔

ہر موضوع میں، آیاتِ مبارکہ اور ان کا ترجمہ، معنیٰ اور مفہوم آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔ تفسیرِ عزیزی کی مدد سے ایک مسلمان کا بھی، قرآن حکیم سے قلبی لگاؤ اور حقیقی رابطہ پیدا ہوگیا اور وہ روحِ قرآن کے قریب سے قریب تر آگیا تو یہ بات میرے لئے باعثِ طمانیتِ قلب ہوگی اور میں یہ سمجھ لوں گا کہ میری بخشش کا سامان ہوگیا۔

ایک عام آدمی کی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے مطالبِ آیات کو عام فہم، اُسلوبِ نگارش میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی

Marfat.com

وجہ ہے کہ اس میں نہ تفسیر کی باریکیاں ہیں نہ تفصیلی مباحث، بلکہ اختصار کے ساتھ، قرآن فہمی کے لئے ایک ترغیب ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن اور حدیث پر عمل نہ کریں، نہ تو ہماری دنیا سنور سکتی ہے اور نہ آخرت! بغیر قرآن اور حدیث کے ہم بھٹکتے ہی رہیں گے۔

مجھے بار بار، بلکہ ہزار بار اعتراف ہے کہ میری مساعی میری اپنی حیثیت سے بہت بڑی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کی تشریح، توضیح اور تفہیم پر قلم اٹھانا کارِ طفلاں تو نہیں، لیکن والدین کی خواہش اور اُن کے حکم کے مطابق، اس بارِ گراں کو اٹھانے پر مجبور ہوا، حالانکہ ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی، تاہم تائید غیبی سے حوصلہ ہوا۔

اگر میرے سامنے ہمارے متقدمین کی تفاسیر و تشریحات نہ ہوتیں، جن کی قرآنی خدمت ہمارے لئے علمی خزانہ ہے جنہوں نے قرآن کی ہر زاویہ سے تشریح کی، زیرِ نظر مختصر تشریح و توضیح، انہیں علمائے کرام اور مُفسّرین کی خُوشہ چینی ہے۔

اگرچہ اس میں کوئی خوبی پائی جائے، تو یہ انہیں اکابرینِ ملّت کا طفیل اور تحفہ ہے اور اگر کوئی کمی یا خامی پائی جائے تو یہ میری اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

باوجود احتیاط کے، اگر کوئی غلطی، اظہارِ بیان، مفہوم و معنیٰ اور مطالب میں ہوگئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہوں۔
باوجود احتیاط کے بَشری تقصیر کی وجہ سے ترجمہ قرآن اور تشریح میں بھی غلطی، کوتاہی اور نُقص کا بھی امکان باقی رہتا ہے، اس بناء پر اہلِ دانش اور اربابِ ذی علم سے میری درخواست ہے کہ انہیں اس ترجمہ، تشریح و توضیحات، معنیٰ و مفہوم میں کوئی فروگزاشت نظر آئے، تو ضرور مُطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اِن اَستدراکات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

آخر میں جناب انور صاحب اور محمد جاوید اقبال صاحب اور مولانا محمد شفیق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ذریعہ سے یہ کتاب منظرِ عام پر آئی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہر پریشانی سے نجات دے۔

دعا فرمایئے، اللہ میری اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور تفسیرِ عزیزی کی اشاعت کا ثواب میرے والدین کے اعمال میں ثبت فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

احقر العباد

محمد لقیط خان عفی عنہ

۱۹ ر رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

یوم پیر

۱۸/۹۲۷ سمن آباد، فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان

Marfat.com

حرفِ چند

نام : محمد لقیط خان

ولدیت : مولوی عبدالبسیط خانؒ

جائے پیدائش : حیدرآباد دکن

وطن : کوٹ، فتح پور ہسوہ، یوپی، ہندوستان

تعلیم : ایم بی اے۔ایم اے۔ایل ایل بی

فیضِ تربیت : حضرت مولانا مطلوب الرحمٰنؒ برادر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

خطیب و جنرل سیکریٹری مسجد اعظم، سی ایریا، لیاقت آباد کراچی، ناظم تعلیمات (جامعہ مدرسہ نور القرآن لیاقت آباد، کراچی)

تفسیر عزیزی

از محمد لقیط خاں

(۱) پارہ تیس (۳۰)......عَمَّ

(۲) پارہ اوّل (۱)......الٓمّٓ

(۳) پارہ دوئم (۲)......سَیَقُوْلُ

(۴) پارہ سوئم (۳)......تِلْكَ الرُّسُلُ

(۵) پارہ چہارم (۴)......لَنْ تَنَالُوا

(۶) پارہ پانچ (۵)......وَالْمُحْصَنٰتُ

(۷) پارہ چھ (۶)......لَا یُحِبُّ اللّٰہُ

(۸) پارہ سات (۷)......وَاِذَا سَمِعُوا

(۹) پارہ آٹھ (۸)......وَلَوْ اَنَّنَا

(۱۰) پارہ نو (۹)......قَالَ الْمَلَاُ

تقسیم کنندگان سے طلب فرمائیے

پارہ (۱۰) وَاعْلَمُوْا............(زیرِ طبع)

ادارہ نشریاتِ ولی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا اُنکے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ محمد آیت ۲۴، (القرآن الحکیم

تفسیر عزیزی

پارہ (۹) قال الملأ

محمد لقیط خان

Marfat.com